

UNIVERSAL
LIBRARY

OU_188876

UNIVERSAL
LIBRARY

OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY

Call No. ⁹¹⁸⁻⁴ 91035 Accession No. A. 815
Author W. F. G. Williams 8043
Title G. Williams

This book should be returned on or before the date
last marked below.

امشادہ لطیفی

یعنی مہر و مہاجی مشعل علیہم انصاری رد و لدی سفیر آں اندیا مٹھن ایچ کیشل کانفرنس
و انجمن ترقی اردو وغیرہ کے جہاں وہ سالہ روز ناچا ہماے سفر کا خطر

مرتبہ

محمد علیہم انصاری رد و لدی بیادگار ہر اور عزیز مہر و مہاجی

قیمت اولیہ عکس ملانہ و محسوس

بار اول ۱۰۰۰ جلد

لئے کا پوسٹ مہر و مہاجی انصاری ناظم و فیات سلم و مٹھن ایچ کیشل

Checked 1975

بسم اللہ الرحمن الرحیم
محمد ﷺ و نصیب علی رسولہ الکریم

دیباچہ

ماہی منظر علیم انصاری رو و دیوی مرحوم میرے بھائی اور مجھ سے عمر میں صرف پانچ سال خرد تھے۔ قدرت الیہ کا ایک کرشمہ یہ ہے کہ دو لائق اور ہونہار چھوٹے بھائی کیے بعد دیگرے دنیا سے رخصت ہو گئے اور جھکاپنا ماتم دار اپنی امانتوں کا حامل چھوڑ گئے۔ لیکن اس معاملہ میں کسی بشر کا اختیار نہیں اور یہ مرضی کر دیا کہ میرے بھائی کا چارہ کار نہیں۔ منظر مرحوم سے بھی خرد سال بھائی ابوسعود انصاری مرحوم علیحدہ کالج کے ایف۔ اے کلاس میں تعلیم پا رہے تھے۔ ۱۹۱۵ء میں تپ دق کی شکایت شروع ہوئی۔ خنازیری غدو میں مبتلا تھے۔ قابل ڈاکٹروں کی صلاح سے تعلیم ترک کر دی۔ المورہ پہاڑ پر بھیجا۔ وہاں کی آب و ہوا سے تین سال تک صحتیاب ہوتے رہے۔ جاڑے ملک میں اور گرمی و بارش کا زمانہ پہاڑ پر بسر کیا کرتے تھے۔ ۱۹۱۶ء کے ماہ دسمبر میں فوجی اسپتال کے کلرک ہو کر فرانس چلے گئے۔ ایک سال بعد دسمبر ۱۹۱۸ء میں وہاں سے واپس آئے اور ہندوستان میں آئے ہی مرض کی شکایت بڑھ چلی۔ علاج بے سود ثابت ہوا۔ المورہ پر بھیجا گیا۔ تین مرتبہ صحتیاب ہو چکے تھے۔ چوتھی مرتبہ جاں بحق تسلیم کر کے صحت و مرض کے جھگڑوں سے ہمیشہ کے لئے چھوٹ گئے۔ المورہ پر اکتوبر ۱۹۱۹ء کی ۲۰۔ تاریخ کو ۲۶ سال کی عمر میں سفر آخرت کیا۔ اور میری آنکھوں کے سامنے سب سے عزیز ہستی چشم زدن میں فنا ہو گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ اے ناقابل برداشت صدمہ میری کمر توڑ گیا۔ منظر مرحوم کو بھی ناکارہ بنا گیا۔ لیکن مر رہنا اپنے بس میں نہ تھا۔ ہاں زندگی بے لطف ہو گئی تھی۔ میرے واسطے ایک بھائی کا دم غنیمت تھا۔ منظر مرحوم میری زندگی کا سہارا تھے۔ کسب

معاش کے سلسلہ میں ہم دونوں ایک دوسرے سے جد اور دور واز فاصلہ پر رہتے تھے۔ ہر ایک اہل وعیال کے بارے گرا بنا تھا۔ صرف خط و کتابت سے روحانی ملاقات ہو جایا کرتی تھی۔ کیونکہ ۱۹۱۷ء کے وسط سے مرحوم نے ردولی کا قیام ترک کرکے اہل وعیال تمام بھلسہ ریاست گوالیار میں رہنا اختیار کر لیا تھا۔

بھلسہ ریاست گوالیار میں ایک ضلع اور کشنری ماوہ میں شامل ہے۔ کشنری ماوہ (ریاست گوالیار) کا صدر مقام اُجین ہے۔ بھلسہ میں میرے ماموں صاحب شیخ عبد الشکور انصاری مرحوم نے عرصہ تیس سال سے قیام اختیار کر لیا تھا اور انکے بڑے بیٹے میرے بھائی عبدالرؤف صاحب انصاری سلمہ دہاں ایک کامیاب وکیل تھے۔ منظر مرحوم دوران سفر حیدر آباد دکن میں اکثر بھلسہ جاتے رہتے تھے۔ ماوہ کی آب و ہوا انکو پسند آئی۔ وہیں رہنے لگے۔ اور اہل وعیال کو بھی ردولی سے بلوایا۔ اس طرح ہم دونوں ایک دوسرے بہت دور ہو گئے۔

ابو سقو مرحوم کی وفات کے بعد سے منظر مرحوم کو میرا خیال بہت زیادہ ہو گیا تھا۔ جانتے تھے کہ بھائی بوڑھا ہو گیا ہے۔ عیال کی وجہ سے گرا بنا رہے۔ آمدنی کم رکھتا ہے۔ اسلئے مجھے کسی قسم کا بار نہیں پڑنے دیتے تھے۔ اور میرے بڑے لڑکے کو مع والدہ ماجدہ مرحومہ کے اپنے ہی پاس رکھا تھا۔

دو سال سے کئی برس کی جدائی کے بعد میں وقت پا کر بھلسہ جاتا اور اُن سے ملتا رہا۔ میری حالت دیکھا کرتے تھے کہ بھائی اب ہیں آ رہو۔ اور کچھ شغل کاشتکاری کا کرو۔ خدا سے پاک بسر اوقات کا ذریعہ نکال دیگا۔ ملکہ کوئی کام کر نیئے اور انشاء اللہ اس میں برکت ہوگی۔ میں مال رہا تھا اور اپنی موجودہ ملازمت پر قائم تھا۔

کہ یکایک ۲۷ فروری ۱۹۲۲ء کو منظر میاں بھی رہ گئے عالم آخرت ہو گئے۔
 اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ ایک بیوہ۔ اور تین لڑکیاں۔ اپنے بعد چھوڑی ہیں۔

جس کا خدا سے پاک کفیل ہے۔ اور اسی کی رحمت کا آسرا ہے۔ ورنہ میرا ایسا ضعیف و اہل کم ہوش انسان کیا کر سکتا تھاں مرحوم بھائی کی یاد میں اس کی یتیم بچیوں کی کفالت ایک خوشگوار شغل ہے۔ اور یہ فکر و انگیر ہے کہ اپنی حیات مستعار ختم ہونے سے پہلے رب کریم کی مرضی ہو تو کوئی ایسا انتظام کر جاؤں کہ ان بچیوں کے رزق کا کچھ ظاہری سہارا ہو جائے۔

منظر مرحوم کے کاغذات کی جستجو میں اُنکے احباب خاص کے نام معلوم ہوئے اور میں نے اُن سے خط و کتابت کی تو تین صاحب کمال مرحمت پر ور پائے گئے۔ ایک جناب سہراب علی خاں صاحب رئیس چروچو ضلع گونڈہ۔ دوسرے جناب مولوی سید معصوم علی صاحب وارثی تحصیلدار گورنمنٹ نظام۔ اور تیسرے جناب مولوی سید محمد حیات کس صاحب رضوی موبانی ناظم عدالت (جج) گورنمنٹ نظام۔ ان صاحبوں نے میری تحروں کے جواب عطا فرمائے۔ ہمدردی اور سچی ہمدردی کی نیک مشورہ دیا۔ اور مرحوم کے لئے یادگاری کام کرنے میں میری حوصلہ افزائی کا وعدہ فرمایا۔ اسلئے سب سے پہلے میں اپنی عرصہ کی دماغی بیکاری اور قلبی خدمات سے کنارہ کشی کو ترک کر کے منظر مرحوم کے روزنامہ تجارت سفر سے ایک سفر نامہ مرتب کرنے اور اس کی اشاعت کے درپے ہوا ہوں۔ مقصد اس تالیف کا یہ ہے کہ منظر مرحوم کے ہزاروں جاننے والے معزز انسانوں کی اس یادگار کے خریدار بنیں۔ اور جن لوگوں کا ایمیں ذکر کر کے مرحوم نے انکو زندہ جاوید بنایا ہے وہ خاص طور پر اسکے گاہک ہوں۔ تاکہ اس کتاب کی اشاعت سے مرحوم کی یاد باقی رہے اور اسکا نفع اُنکی یتیم بچیوں کے کام آئے۔

مرحوم منظر علیہم کے سوانح حیات کا مختصر بیان بھی فائدہ سے خالی نہ ہو گا۔ کیونکہ ایک کام کرنے والی ہستی کے خصائص اور حالات دوسروں کی سبق آموزی کا ذریعہ بن سکتے ہیں۔ اسلئے ناظرین کا کچھ وقت اس پر صرف کرنا چاہتا ہوں۔ نام و نسب :- منظر علیہم۔ ابن محمد سلیم۔ ابن فضل الرحمن۔ انصاری ایوبی۔

شیخ شاہ

[illegible]

مخدوم شیخ سلیمان کے تعلق صاحبِ بزمِ خفا لکھے ہیں کہ قتالہ بن سلیمان یعنی حضرت ابویوب
انصاری صاحبِ رطل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد سے ہیں۔ مگر سلسلہ نسب نہیں مل سکا
خاتمہ شدہ کسی وقت ضائع ہو گیا۔

ولادت :- نام تاریخی ہے۔ اسکے اعداد و حساب ابجد کانٹے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ منظرِ علیم کی ولادت ۱۲۹۵ھ میں ہوئی منظرِ علیم بتمام شہرِ اعظم گڑھ پیدا ہوئے۔ والد مرحوم مولوی محمد سلیم صاحب اُس وقت شہرِ اعظم گڑھ میں سترم پولیس سٹیشن تھے۔

تعلیم و تربیت :- ۴ سال کی عمر تک والد مرحوم کے زیر سایہ پرورش پائی۔ اسکے بعد والد مرحوم ملازمت پولیس ترک کر کے بارادہ حج بیت اللہ بلکہ ہجرت کے خیال سے اہل و عیال عازمِ حجاز ہوئے۔ خاکسار مولف کو اس وقت ماموں صاحب مرحوم اپنے پاس ضلع کوٹھپور میں لے گئے تھے انہوں نے روک لیا۔ والد مرحوم والدہ اور منظر کو لیکر قنوج گئے۔ وہاں انکی خالہ صاحبہ تھیں۔ والدہ اور منظر کو انہوں نے روک لیا۔ اور والد مرحوم تنہا حج کے لئے روانہ ہو گئے۔ منظر کا دو سال کا زمانہ قنوج میں بسر ہوا۔ وہیں ختنہ اور بسیم اللہ خوانی ہوئی۔ تیسرے سال ماموں صاحب (مرحوم) ہم دونوں بھائیوں کو اپنے ساتھ لے گئے۔ اور تعلیم و تربیت کا معقول انتظام فرمایا۔ سید ولایتی صاحب متخلص بہ حقیقہ ردولی کے ایک شریف اچانداں اور ذی علم بھائی کو ہم دونوں کی تربیت اور تعلیم کا کام تفویض کیا۔ اور سید صاحب نے کمالِ محبت و دل سوزی کے ساتھ پڑھایا لکھایا اور اخلاق کی نگرانی فرمائی۔ ایک سال یوں بھی گذارتین سال کے بعد چوتھے سال نانا صاحب مرحوم والدہ کو اور مجھ کو لیکر حج کرنے گئے حج و زیارتِ حرم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے فراغت کر کے میں نانا صاحب کے ساتھ وطن کو واپس آیا۔ اور والدہ مدینہ منورہ میں قبلہ گاہی کے پاس رہ گئیں۔ منظر اس زمانہ میں ماموں صاحب کے پاس رہے۔ اسکے ڈیڑھ سال بعد والد مرحوم بھی مع والدہ کے سرزمینِ حجاز سے وطن واپس آ گئے۔ اب انھوں نے اولاد کی تعلیم و تربیت اپنے ہاتھ میں لی۔ انگریزی تعلیم کا چرچا ملازمت پریشہ مسلمانوں میں ہو چلا تھا۔ اعلیٰ گدہ میں مدرسۃ العلوم کی بنیاد پڑ گئی تھی۔ مگر والد کو اس سے قطعی اختلاف تھا۔ ہر چند عزیزوں نے زور دیا۔

والد کسی طرح ہم لوگوں کو انگریزی تعلیم دینے پر راضی نہیں ہوئے۔ کہنے والے چپ ہو رہے۔
 مجھ کو ابتدائی دینیات و مکمل فارسی ادب کی تعلیم کے بعد عربی علوم پڑھائے گئے۔ اور منظرِ علم
 فارسی درسیات پڑھتے رہے۔ طبیعت میں تیزی اور ذہانت کے ساتھ حصولِ علم کی طرف
 کم تو توجہ تھی۔ مگر استاد کی شفقت نے کچھ استعداد پیدا کر دی۔ اور فطری ذکاوت نے اس کو
 جلدادی۔ عمر کے ساتھ مدارک کھلتے گئے۔

۱۸۹۶ء میں منظرِ علم میرے ساتھ گورکھپور گئے۔ میں اسوقت گورکھپور میں خنت
 ازادگاہ مولوی محمد خلیل صاحب رئیس و نیشنل ڈپٹی کلکٹر کی سرپرستی میں علومِ عربیہ حاصل کر رہا
 تھا۔ منظرِ علم کو وہاں میں نے انگریزی کی ابتدائی تعلیم میں مشغول کیا اور وہ اپنی فطری
 استعداد سے ایک سال کے اندر پانچویں جماعت تک انگریزی زبان دانی اور حساب میں
 ماہر ہو کر ۱۸۹۷ء میں اموں صاحب کے پاس مجلس (ریاست گوالیار) میں چلے گئے
 اور وہاں دو سال مدرسہ میں داخل ہو کر پڑھا۔ لیکن مڈل کی جماعت تک پہنچ کے
 آگے پڑھنے سے باز رہے اور ریاست بلام پور ضلع گوندہ میں ایک سرپرست کی عنایت
 سے ملازمت کر لی۔ یہ ملازمت دیر پا نہیں رہی۔ ایسے اسباب پیش آئے کہ منظرِ علم کو ملازمت
 سے استعفیٰ ہونا پڑا اور منشی بیگم بہادر محمد مالک مطبع انوار احمدی و وزانہ انجمن لکھنؤ کے
 فیض صحبت سے تجارت کی طرف سیلاں پیدا ہوا۔ ۱۸۹۸ء میں منظرِ علم گھڑی اور ولایتی زیور
 کی تجارت کرنے نکلے۔ سفر میں پھر کربال بچینا شروع کیا۔ اور معقول آمدنی ہونے لگی تھی کہ
 چھپرہ ضلع سارن سے مونگیر جانے ہوئے رات کو ٹرین کا تصادم ہوا اور اس میں بہت
 چوٹ آئی۔ رات کے ایک بجے کا وقت تھا جس درجہ میں منظرِ علم تھے اسی میں ایک ہندو
 زمیندار صاحب مع اپنی بیوی اور بچے کے سفر کر رہے تھے۔ ریل گاڑی کی ابھی ایک ہی ٹکڑ
 ہوئی تھی کہ منظرِ علم نے سنبھل کر بغیر اس کے کہ اپنی چوٹ کا خیال کریں اپنے ہم سفر کی بیوی
 کو سنبھالا اور بچے کو گود میں لیا۔ کسی طرح انکو بحفاظت ٹرین سے اتارے لئے اور زمیندار

صاحب بھی انکے ساتھ اتر گئے۔ اسباب وغیرہ سب ٹرین پر چھوڑا اور جلد جلد بھاگ کر لائن سے بہت دور نکل گئے۔ جب یہ اطمینان ہو گیا کہ اب یہاں کوئی انکی جستجو نہ کرے گا تو آپس میں بات چیت ہوئی۔ زمیندار صاحب کا مکان کسی قریب ہی کے موضع میں تھا وہ منظرِ علم کو اپنے ساتھ لے گئے۔ زخم کی مرہم پٹی ہوئی، تاصحت وہیں رہے، معتدبا ہونے پر رخصت کے خواستگار ہوئے۔ احسان شناس رئیس نے روکا۔ نہیں رُکے کچھ پیش کرنا چاہا۔ انکار کیا۔ مشکل تمام ایک جوڑا کپڑا اور گھر تک آنے کا خرچ لیا اور ایک ہزار روپیہ کا نقد و جنس ضائع ہو کر خود زندہ بچ نکلے۔

ضرب کا صدمہ دماغ پر آیا تھا۔ کئی ماہ دماغ ماؤن رہا۔ آخر طبیعت سنبھل گئی۔ پھر کسب معاش کی فکر ہوئی بنارس کے ریشمی کپڑے، لکھنؤ کے محاف اور فردوسِ عطر تیل اور کچھ سادہ کاری کے چھوٹے زیور لیکر سفر میں نکلے۔ اور رزاق مطلق روزی رسانی فرمانے لگا۔ دو سال تک ہی مشغلہ رہا۔

۱۹۰۲ء میں خاکسار موقوف ندوۃ العلماء لکھنؤ میں آگیا۔ منظرِ علم نے آلِ انڈیا ٹریوٹنگ ایجنسی کا سلسلہ شروع کیا۔ اور ایک پرچہ ذکر مولود و شریف "ذکر خیر" کے نام سے شائع کیا گیا۔ میں اسکا ہتھم تھا اور منظرِ علم اشاعت کرتے پھرتے تھے۔ ٹریوٹنگ ایجنسی کا کام ملکی تاجروں کی ناجذبہ کاری کی وجہ سے اس قدر کم چلا کہ اس سے طبیعت اگتا گئی۔ "ذکر خیر" سے بھی صرف خرچ کی خانہ پُری ہوئی۔ اسلئے دونوں کام بند کر نیکی سوا کوئی چارہ نہیں رہ گیا۔ تاہم ایک کام کی آزمائش ہو گئی اور اس سے دوسرے کاموں کے کرنے کا راستہ معلوم ہو گیا۔ چنانچہ ۱۹۰۵ء تک اسی طرح کے تجارتی مشاغل میں مصروف رہے۔

۱۹۰۶ء میں منظرِ علم میرے پاس لاہور پہنچے۔ اس وقت ایک سال سے میں لاہور میں عربی سے ترجمہ کرنے کا کام کر رہا تھا شیخ محمد اکرام صاحب نیجر سالہ

مخزن نے ایک آدمی مجھ سے مانگا تھا میں نے منظرِ علیم کو پیش کر دیا۔ اوشیخ صاحب نے منظرِ علیم کو ملازم رکھ لیا۔ دو سال سے زائد مخزن کی خدمت میں بسر کئے اور ان کی زمانہ ملازمت میں یہ رسالہ بام ترقی کے انتہائے عروج تک پہنچا۔

۱۹۰۸ء کے اخیر میں آل انڈیا محمدن ایجوکیشن کانفرنس نے منظرِ علیم کو اپنا سیفر مقرر کیا۔ اور انھوں نے اس کام کو ایسی خوش آہوینی سے کیا کہ تمام ہمتاں صاحب پر کارگذاری میں سبقت لے گئے۔ اس ملازمت کا سلسلہ ۱۹۱۰ء تک قائم رہا۔ ۱۹۱۱ء سے ۱۹۱۵ء تک تین سال کام سے کنارہ کش رہے۔ یہ زمانہ کچھ انجمن خدام کعبہ کی شیدائیت میں کسی قدر رفاہ المسلمین ردولی کی تنظیم و ترتیب میں۔ اور زیادہ تر لکھنؤ میں ایک خیاطی کی دوکان کر لینے میں بسر کیا۔ آخر میں انجمن رفاہ المسلمین ردولی کے کام کی نگرانی اختیار کی اور ممبران کی کد و کاوش اس بھی الگ کر کے رہی۔ منظرِ علیم کی علیحدگی نے انجمن کو بٹھا دیا۔ اور وہ اب تقریباً معدوم ہو چکی ہے۔

۱۹۱۶ء سے منظرِ علیم پھر کانفرنس کی سفارت پر آگئے۔ اور دو سال بھی کام کرنے رہے۔ حیدرآباد دکن میں مامور تھے اور اپنا کام کر رہے تھے۔ کہ ۱۹۱۷ء کے اخیر میں اس سے دل برداشتہ ہو کر انجمن ترقی اردو کی سفارت لے لی۔ اور یکم جنوری ۱۹۱۸ء سے اسکا باقاعدہ کام شروع کر دیا۔ ۱۹۲۲ء کو اخیر حصہ تک اسی کام کو کرتے رہے۔ اکتوبر ۱۹۲۲ء میں ان کے دوست اور کلکتہ کے تاجر حافظ محمد رفیع باڑی اینڈ سن نے کچھ اپنا کام دیا اور سیریکٹاڑ میں کولیری کمپنی لمیٹڈ کے حصص فروخت کرنے اور اسکی یکینسیاں قائم کرنے پر مامور کیا۔ ایک سال یہ کام کچھ چلا تھا کہ صحت کی خرابی نے کام سے روک دیا علالت کا سلسلہ مدتہا تک ۱۹۲۴ء فوراً ۲۵۔ ۲۶ بوقت آٹھ بجے شب

اچانک سفر آخرت کر گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَؕ خاکسار یوسف اس وقت
الآباد میں اپنی ملازمت پر تھا اور اس فاجعہ سے بخیر کہ ۲۸ فروری کو صبح کے آٹھ بجے ٹیلیگرام
آیا اور مرحوم کی وفات کا ہوش رہا سانحہ ستایا۔ افسوس!

صرف ۳۶ سال عمر کے بھائی کا دنیا سے کوچ کرنا۔ ایک بیوہ اور تین لڑکیاں اپنے
بعد چھوڑ جانا۔ اُسکا قومی خدمات کے جوش میں تمام زندگی محض بقدر کفالت آمدنی پر
بسر کرنا جسکی وجہ سے سپہاندگان کی بسر اوقات کا کوئی ذریعہ نہ چھوڑنا۔ یہ سب باتیں
ایک ضعیف اور ناتوان بھائی کے غم و اکم کو جس قدر بڑھا سکتی ہیں اُسکا اندازہ اہل
دل ہی خوب کر سکیں گے۔ خاص کر یہ بات اور بھی وح فرما ہے کہ مرحوم کی بالغہ اور
بڑی لڑکی پیدائشی گونگی بہری اور ناتکتہ ہے۔ مرحوم اسکے فرض سے ادا ہونے کی
فکر میں تھے۔ لیکن مشیت الیہ نہ ہوئی اور یہ کام باقی رہ گیا۔

منظرِ علیم مرحوم کو بھوپال ہی میں سپرد خاک کیا گیا۔ اور انکے ہزاروں عزیزاؤ
اجاب داغ جگر ہیں کیونکہ مرحوم کے خصائص اور اخلاق کی یاد انکے دلوں سے
بشکل محو ہو گئی۔

منظرِ مرحوم کو ابتدا سے سن شعور سے سیاحت اور تجارت کا شوق تھا۔ مزاج نہایت
سگفتہ پایا تھا طبیعت میں ہمدردی اور محبت استدرتھی کہ جس سے ایک بار ملے ہمیشہ اُسکے
خیر سگال اور محب رہے۔ خوش خلقی۔ ملنساری۔ خدمت خلق کا جاذبہ ایسا کہ کسی آدمی کو ان
اوصاف سے خالی دیکھتے تو سخت کبیدہ ہوتے تھے۔ انکی خواہش یہ رہتی تھی کہ جس طرح خود
دوسروں سے پیش آنا چاہتے ہیں اسی طرح دوسرے بھی انکے اور دیگر آدمیوں کے ساتھ
پیش آئیں۔

صاف گونگی اور خوشی میں پیش۔ اور کسی کا کام نکال دینے یا کسی کی سفارش اور مدد
کرنے میں کسی مشکل سے نہیں ڈرتے تھے۔ قوم اور ملت کی محبت دل میں تھی اور شرافت

و مروت آب و گل میں یہی وجہ ہے کہ ہزاروں معززین اور ہر قوم و کیش کے ذی اثر اصحاب سے ملے اور جس سے ملے وہ اُن کا کلمہ پڑھنے لگا۔

خود غرضی طبع۔ بد اندیشی سے دور بھاگتے تھے۔ اخلاق ذمہ سے کلی نفرت تھی۔
 مہمان دوستی اور حیرت جی۔ یار باشی اور موافقت اُنکا شعار تھا۔ اکیلے رہنا۔ تنہا کھانا۔ کسی سے
 کج ادائی کے ساتھ پیش آنا۔ بست بُرا سمجھتے تھے۔ کوئی اُنکا میزبان ہو مگر شریک طعام نہ ہوتا
 اُنکو کھانا بڑا معلوم ہوتا اور اکثر نہیں کھاتے تھے۔ گھر پر رہنے کی حالت میں ہمیشہ کسی دوست
 کو شریک طعام کرتے تھے یا مجبوری بال بچوں ہی کے ساتھ کھاتے۔ فکر اور بست و صلی
 سے قطعاً بری تھے۔ آزاد و نش۔ آزاد رو۔ اور ذی وجاہت واقع ہوئے تھے۔ غرض کہ عجیب
 دلکش طبیعت پائی تھی۔ دوستوں کی خدمت گزاری میں اپنی منفعت کے خیال کو پاس
 نہیں آنے دیتے تھے۔ اور نہ کسی نقصان کا اندیشہ کیا کرتے تھے۔ اسوجہ سے اُنکو بہت
 ضرر پہنچا۔ اور کار و باری زندگی میں اسی جذبہ کے سبب سے وہ کبھی کامیاب نہیں
 ہو سکے۔ اُنکا ہزاروں روپیہ لوگوں کے ذمہ رہ گیا۔ اور اب وہ کیا ملے گا۔ بلکہ انکی
 اسی صفت سے بعض اصحاب نے کچھ ناجائز فائدہ بھی اٹھایا۔ یعنی منظر مرحوم کو اپنا حیثیت
 بنا کر لاکھوں روپے کے کہنی کے حصص فروخت کئے اور اپنی بعد کی وعدہ خلافی سے
 مرحوم کی نیک نامی کو خطرہ میں ڈال دیا ہے۔ اگر وہ زندہ رہتے تو ایسے بُرے معاملہ
 کی جوابدہی اُن پر جب آتی اور اب بھی لوگوں کو ان پر شک و شبہ ہے۔ لیکن میں سچے
 دل سے کہتا ہوں کہ منظر حکیم کو ایسا گمان نہیں تھا۔ اسکی طبیعت میں بدگمانی تھی ہی نہیں۔
 اصل میں وہ خود فریب میں آگیا تھا۔ اور اس فریب کا حال اسکی وفات کے بعد کھلا ہے۔
 اسکی نیت صاف تھی اور وہ ایک خوش کردار و کامیاب تاجر کے کام میں کوشاں ہوا تھا۔
 جو بدقسمتی سے اس کام میں کامیاب نہیں ہو سکا ہے۔ پھر بھی کہنی موجود ہے خدا چاہے
 نوحہ داروں کا روپیہ ضائع نہ ہو گا۔

منظر مرحوم کے آخری ایام حیات مسلمانان بھلسہ کی صلاح و فلاح کی کوششوں میں صرف ہوئے تھے۔ غریب بیکس مسلمانان بھلسہ نے اپنے تخلص بہادر کی ماتم داری بڑی جوش سے کی لیکن انکی صحیح ماتم داری یہ ہے کہ انجن معین الاسلام اور اسکے مدرسہ کوزندہ اور قہرئی رکھیں۔ یہ مرحوم کی یادگار اور برادراں بھلسہ کی سعی و کوشش کا نتیجہ ہے۔ اسکی طرف سے سر دھری مناسب نہیں۔ خود اپنا ہی نقصان کریں گے۔ برادراں بھلسہ (ریاست گوالیار) اس لحاظ سے قابلِ شکر گذاری ہیں کہ انھوں نے مرحوم کے پسماندگان کے ساتھ بہادرانہ برتاؤ کیا یہ سفرنامہ مرحوم کے روزنامی جات سفر سے مرتب کیا گیا ہے۔ یادداشتیں بہت مجمل ہیں۔ خاصکر ۱۹۰۹ء سے ۱۹۱۰ء تک کی یادداشتیں بھی مختصر ہیں۔ انکو دیکھ کر خیال ہوتا ہے کہ مرحوم خود سفرنامہ لکھنے کے خواہاں تھے اور تفصیل امور انکے حافظ میں تھے صرف اشارات نوٹ کر لئے تھے۔ اسلئے بجز اسکے کہ وہ یادداشتیں ترتیب کے ساتھ درج کر دیں اور کچھ نہیں بن پڑا میری ذہانت اس بارہ میں کوئی کام نہیں دیکھتی تھی۔ کافی علم کے بغیر کسی اجالی کی تفصیل غیر ممکن ہے۔ اور اسی لئے اتنا حصہ بہت کم لطف دیا۔ لیکن جنوری ۱۹۱۰ء سے اکتوبر ۱۹۲۲ء تک پانچ سال کے سفر کی جو یادداشتیں لکھی تھیں انہیں سے غیر ضروری اور بیکار حصہ نکال دینے پر فی الواقع ایک دسپ اور مفید سفرنامہ ہو گیا ہے۔ اس میں بہت سے تاریخی حالات مقاموں اور اشخاص کے ملیں گے۔ اہل دل۔ بہادر ملک و ملت۔ اربابِ دول۔ اور کارکن اصحاب کا ذکر پایا جائیگا۔ غازی شاہ شہرے۔ نسب نامے۔ خود ساختہ لوگوں کے کارنامے اور بہت سی دیگر مفید باتیں معلوم ہوں گی۔ یہ اوراق مرحوم کی یادگار رہیں گے صد ہا ملنے والوں کو انکی یاد دلادیا کریں گے۔ اس سفرنامہ کا مطالعہ کرنے سے منظر علیم مرحوم کی دروند طبیعت اور قومی فدایت کا حال منکشف ہوگا۔ ناظرین محسوس کریں گے کہ وہ کس چوٹ سے کام کیا کرتے تھے۔ اور اندازہ کر سکیں گے کہ کامیابی کا اصل سبب یہی دل کی لاگ ہے۔ اس

سے یہ سبق ملے گا کہ کوئی کام بغیر ذلی جوش اور سرگرمی کے انجام نہیں پاسکتا۔ اور یہ کہ محنت اور سعی آدمی کو کامیاب بنانے کے لئے ضروری چیزیں ہیں۔
 جھکو امید ہے کہ یہ کتاب قدر کی نگاہ سے دیکھی جائیگی۔ اور اس میں نادانستگی یا سہو سے کوئی غلطی ہوئی ہوگی تو اہل دانش اور ارباب علم اس سے خاکسار مولف کو آگاہ کریں گے تاکہ طبع ثانی میں اسکی اصلاح کر دیا جائے۔ اسی طرح کسی صاحب کو اپنے حالات پڑھ کر اس میں اضافہ کی خواہش پیدا ہوگی تو بشرط اطلاع آئندہ اشاعت میں اس کی یہ خواہش پوری کی جائے گی۔

واللہ المستعان وعلیہ التکلیف

محمد حلیم انصاری ردو لوی
 حال ناظم دینیات مسلم ہٹل الہ آباد یونیورسٹی

فہرست مضامین کتاب سفرنامہ مظہر علم انصاری مرحوم

نمبر صفحہ	نام مقام و اشخاص	نمبر صفحہ	نام مقام و اشخاص
۲۳-۴۹-۵	اورنگ آباد مولوی مصطفیٰ علی صاحب وکیل۔ مولوی فصیح الدین خان صاحب خلیفہ آباد مزارات۔ حافظ ساجد علی صاحب وکیل سید احمد اللہ صاحب تعلقدار۔ مولوی محمد رفیع صاحب وکیل۔ خواجہ نواب حسین صاحب وکیل۔ وغیرہ۔ بھون گیر بیڑ	۳۰-۲۳	ملکت آصفیہ خلدیہ اللہ تعالیٰ بلدہ حیدر آباد دکن مولوی قطب الدین احمد صاحب بی۔ بی۔ بی۔ نواب علیہ صاحب کپتان مظفر الدین صاحب کپتان احمد حسین صاحب زراقتی۔ نقشب عظمت اللہ صاحب۔ مولوی عبدالرب صاحب۔ عالیجناب نواب آسمان جاہ بہادر۔ کپتان رضا علی صاحب۔ مولوی عبدالغفور صاحب حافظ محمد احمق صاحب عباسی وکیل مولوی فضل حق صاحب عالیجناب نواب سالا جنگ بہادر۔ مولوی سید ابن الحسن صاحب۔ مولوی سید حیات الحسن صاحب راجہ للتا پر شاہ مولوی غلام اکبر خان صاحب وکیل نواب عوام الملک بہادر۔ نواب خدیو جنگ بہادر۔ مولوی غلام جبار صاحب وکیل۔ مولوی ابوالقاسم صاحب وکیل مولوی سید احمد صاحب مدوگا نجاسی مولوی سید عبدالحمید صاحب مدوگا مستعدہ الت عالیہ۔ نواب ممتاز یار الدولہ بہادر۔ نواب ذوالقدر جنگ بہادر۔ وغیرہ
۱۳	مولوی فخر الدین حسن صاحب سوبانی نصف		
۴۵-۴۳	سری قادر شاہ صاحب۔ بابو دولت رام صاحب پٹن		
۷۲-۴۹	مولوی قاضی تمیز الدین صاحب وکیل ناگ گھاٹ شاہ لی واہن تیرتھ کیم۔ مزابولانا سزالدین۔ سری رنگنا تھ۔ راجہ صاحب بہادر سمرتان رنگنا تھ صاحبزادہ میر جہاندار علی خان صاحب۔ سٹیشن وشن پر شاہ صاحب نصف۔ پٹن بھگونت لڈ توڑے کر صاحب نجومی پٹن چرو نواب فراہ زیا جنگ بہادر صوبہ دار۔ مولوی سید ضیاء الحسن صاحب مدوگا		
۲۱			

نمبر صفحہ	نام مقام و اشخاص	نمبر صفحہ	نام مقام و اشخاص
۳۸	شاہ آباد اسٹیٹ سید اسد اللہ صاحب نقشبندی ناظم شنولاپور	۳۳ و ۳۴	مولوی فخر الدین احمد خان صاحب پیشانی پربھنی سرگنجر و جی صاحب تحصیلدار - مہدی حیدر حسین صاحب کورٹ انسپکٹر - غزہ
۳۸-۳۹	ڈاکٹر سر ڈاکٹر صاحب - رام سنگھ صاحب رنگ اسٹریٹ فخر الدین بیگ صاحب عثمان آباد	۳۶	تپلیاپور بابو کبیر الدین صاحب تحصیلدار مولوی احمد حسین صاحب مینکار - تپلیا سبوانی کامندر وغیرہ -
۳۸	سید محمد احمد صاحب مولوی مولوی حبیب اللہ صاحب ناظم - مولوی عبدالغفار صاحب سر رشتہ دار - مولوی شہار احمد صاحب روضہ شمس علی -	۹	جالندہ مولوی سید نواب صاحب وکیل مولوی محمد قاسم صاحب محمد خان صاحب سوداگر
۳۸-۳۹	گھگر کر شریف درگاہ حضرت خواجہ گویہ درگاہ مولوی رفیق حسین خان صاحب - مسعود محمد و بیگ صاحب بدو گمار - مولوی عبدالرب صاحب تحصیلدار - سید رضا حسین صاحب وکیل - منشی غلام الدین صاحب - مولوی اعجاز حسین صاحب گوگلکنڈہ	۳۷	چیتاپور مولوی عطاء الدین صاحب ناظم اسٹیٹ چیتاپور - راجپور
۳۹	کپتان محمد شفیع صاحب ظہور آباد حافظ محمد خان صاحب تحصیلدار - مولوی باشم علی صاحب منصف مولوی نصیر احمد صاحب مہتمم تعمیرات	۳۸-۳۹	نواب ملک یازدنگ بہادر - مولوی علی کریم صاحب - سید بشیر حسین صاحب - آقا محمد خان صاحب - مولوی واجعلی صاحب - سید نثار احمد صاحب - سنگاری پٹی اسٹیٹ راج صاحب بہادر سنگاری پٹی - نواب سہراب نواز جنگ بہادر - سر طحیعی صاحب بیرسٹر - مولوی حافظ ثابت علی صاحب -
۴۶		۴۱ و ۴۲	

نمبر صفحہ	نام مقام و اشخاص	نمبر صفحہ	نام مقام و اشخاص
۷	مولوی وجیہ الدین صاحب قاضی محمد کبیری صاحب - مولوی زاہد سیان صاحب دکنار مولوی سید سجاد علی صاحب دوم تعلقہ دار - دورنگل	۱۷	گوپال پٹھیہ راجہ صاحب بہادر گوپال پٹھیہ منشی پارسہ سنیاریڈی صاحب مہمند ریاست مولوی فرید الدین صاحب مدوگاریال - رام چندر راؤ صاحب تحصیلدار - لاٹور
۱۸	مولوی حفیظ الحق صاحب دسولوی سیل محمد عابد صاحب دکیل - دنیپرتی	۳۸-۳۹	میرزا الدین صاحب منصف مرزا قاضی بیگ صاحب سررشتہ دار - نائٹس راؤ صاحب دکیل - مرزا محمد علی بیگ صاحب امین پولیس - نجفی شاہ -
۳۶	یادگیر شیخ عبود چاوش صاحب برسرگزین صاحب تحصیلدار - رائے گوہن راؤ جی صاحب پینکار - مولوی قاضی محمد یسین صاحب -	۴۰	محبوب نگر مولوی ملک نعمت اللہ صاحب ناظم - حکیم انصاری حسین صاحب -
۳۱	ادودھ کے بعض ضلع	۴۷	منوہر آباد مولوی سید معصوم علی صاحب وارثی - فانڈیکر
۳۵-۳۱	شیدائیت خدام کعبہ	۴۸	مولوی محمد علی خان صاحب تعلقہ دار - شیخ امجد علی صاحب صدر منصف - مولوی حکیم محبوب حسین صاحب وکیل -
۳۵-۳۱	جمرو پور - ضلع گونڈہ	۱۷	ناکر کرونل مولوی سید نور اللہ حسین صاحب تعلقہ دار
۱۱۵-۱۱۵	سہراب علی خان صاحب محمد الحق خان صاحب - عبد الغفور خان صاحب - میان بخش خان صاحب وغیرہ	۲	نظام آباد نواب لیاقت جنگ بہادر تعلقہ دار مولوی عزیز احمد صاحب نائب تحصیلدار نگلگنڈہ
۴۴-۴۹	مکاتری اسلامیہ کی تحریک سلطان پور - مسافر خانہ - رسول آباد	۱۳	مولوی سید محمد صاحب بلگرامی تعلقہ دار مولوی قاضی حمید الحق صاحب ناظم

نمبر صفحہ	نام مقام و اشخاص	نمبر صفحہ	نام مقام و اشخاص
۲۳۴	دستلی سر عثمان عبدالغنی صاحب سید		مہروز - راجہ صاحب مہروز - ستھن دہلی
۲۳۵	جو ناگڑہ ریاست		ضلع سلطان پور - پرتاب گڑھ - موضع
۲۳۸	ورادلی		نندورا - مولوی حبیب اللہ صاحب رئیس
۲۳۸	پٹن - (گجرات)		نندوراپر یا نوان - خان بہادر احمد حسین
۲۳۹، ۲۴۰	صنم خانہ - سو منات - وزیر ارجاجی صاحب		صاحب قلعہ دار - گوتمی محمد علی خان صاحب
۲۴۰	باختوا		محمد سلیم خان صاحب ضلع بارہ بنکی -
	سیٹھ سلیمان ابراہیم صاحب		سترکہ - قاضی زمین العابدین صاحب
۲۴۱	مانا وادر		غنی محمد خان صاحب - اولاد محمد خالص
	سر جیل الدین صاحب ریونیو کنشز		چودھری اصغر علی صاحب - دیوہ شریف
۲۴۱، ۲۴۲	جام نگر		شیخ فخر الدین صاحب - فیمور - مولوی
	ہزبانس جام صاحب بہادر - سیٹھ		عابد حسین صاحب قبلہ - حکیم ابوالقاسم
	عبدالکریم درویش صاحب - کریم خان صاحب		صاحب - منشی حسین الدین صاحب
	احمد نگر (دکن)		فیروز پور - مرزا عابد علی بیگ صاحب
۲۴۵	صوبہ مستوسط و برابر		سہوڑ - نثار احمد صاحب انصاری
	ناگپور - خان بہادر ملک صاحب		و دیگر تصبیات ضلع بارہ بنکی - سہانی
۲۱۶	چمند وارہ مسجد علی برادران	۴۵ و ۴۳	شریف - حکیم عباد الدین صاحب
۲۱۶	راسے پور - سر غلام محی الدین صاحب بیڑ		انجمن تعلیم المسلمین اودھ
۲۱۶	بلا سپور - اکبر خان صاحب کس بلہا	۴۷	نواب ذوالقدر جنگ بہادر - مولوی
۲۱۶	بھنڈارہ - خان بہادر شیر علی خان صاحب	۴۷	فرزند علی صاحب وکیل -
	امر ادتی - سر عبدالقادر خان صاحب پلیڈر -	۴۷	بہمنی احاطہ و کاٹھیا وارہ
		۴۷	مالی گانون - ضلع ناسک - مولوی
		۴۷	عبد الحمید صاحب - مولوی عبد الحمید
		۴۷	صاحب - امیر الدین صاحب - انجمن
			ہدایت الاسلام

نمبر صفحہ	نام مقام و اشخاص	نمبر صفحہ	نام مقام و اشخاص
۲۲۵	بالا گھاٹ	۲۱۷	سید منظور احمد صاحب ایکٹر اسٹنٹ کمشنر
	سید عبد الرحیم صاحب وکیل محسن حسین	۲۱۷	ایلیچ پور
	صاحب ڈپٹی مجسٹریٹ		صلابت خان کاواٹر ورسکس مساجد
۲۲۵	منڈل		مزار عبد الرحمن غازی سید عظمت حسین صاحب
	سر دار خان صاحب		خطیب چنگا پہاڑی - قلعہ گادیل
۲۲۵	بہنی بیجہر اکر خان صاحب مالگزار	۲۲۰	اکولہ
۲۲۵	سیونی - خورشید علی صاحب		قاضی مزار حسن بیگ صاحب آنریری
۲۲۵	نرسنگ پور		محجر پریٹ - قاضی سید محمد صاحب - خان صاحب
۲۲۵	سہاگ پور		امان خان صاحب -
۲۲۶	کٹنی	۲۲۱	ملکا پور
۲۲۶	ساگر		قاضی خواجہ فیاض حسین صاحب
۲۰۸	سہل	۲۲۱	برہان پور
۲۲۶	گوالیار		مساجد قدیم و اطر ورسکس - سہادر پور -
۲۲۶	سیرمی		مسٹر عبد القادر صاحب صدیقی وکیل
۲۳۳	آجین		مسٹر حبیب اللہ صاحب بی۔ اے۔
	راجپوتانہ		خان بہادر فخر الدین صاحب عمران علی
۲۰۹	کوٹہ		صاحب - وسیطہ عبدالحمات صاحب
	سید محمود الحسن صاحب وکیل قاضی	۲۳۴	کمنڈوہ
	فیض محمد صاحب		عمر علی صاحب منجر بشیر مل - لٹیر عباس
۲۰۹	باران - قاضی سید ندیم محمد صاحب		صاحب -
۲۱۰	گنگا پور سٹی	۲۲۵	جیلپور
۲۱۰	ہندون - مزار آقا کمال رام		مولوی سید مصباح العثمان صاحب
۲۱۰	بہرت پور - مسجد مدرسہ اسلامیہ		وکیل

نمبر صفحہ	نام مقام اشخاص	نمبر صفحہ	نام مقام اشخاص
۸۸-۸۵	سٹر ابو الفیض صاحب ڈویژنل آفیسر غفر گانون	۲۱۱	جے پور
۸۹-۸۸	سٹر سفید الدین ہڈا سٹر خان بہادر مولوی محمد اسماعیل صاحب پلیڈر - نصیر الدین خان صاحب کوکل سکریٹری بولائی - مولوی مصلح الدین جواد سیان	۲۱۲	کتنارہ صاحبزادہ عبدالرحیم صاحب مہتمم بریکانیئر - پردوسر بادشاہ حسین صاحبزادہ سیٹھ چاند مل صاحب سانجھیر
۹۰-۹۱	صاحب - خورشید سیان صاحب بخالد سیان صاحب سید شاہ محمد عظیم الحق صاحب جنگل باڑسی - سید شاہ محمد حامد اللہ صاحب ہیت نگر	۲۱۳	ننگ کی جمیل - جودھ پور - محمد دریس صاحب کیل
۹۱-۹۰	عالتہ اختر خاتون صاحبہ ریسیدہ - عظیم داد خان صاحب رئیس سید عبید اللہ صاحب گنیلا	۲۱۴	بیاور - انجمن معین المسلمین قادیان صاحب - منشی محمد جمال صاحب - حکیم محمد کریم صاحب انصاری پہلووان
۹۴-۹۵	خان بہادر نواب حامد صاحب رئیس ماصل الدین احمد صاحب - مولوی علی احمد صاحب	۲۱۵	اجمیر شریف نصیر آباد چاودنی بنگلہ
۹۹-۹۵	مولوی عبدالکریم صاحب دکیل - مولوی محمد یونس صاحب - مولوی عبدالجلال خان صاحب - مولوی دلیل الرحمن صاحب مدرسہ سہائے اسلامیہ جہانگیرہ وغیرہ مولوی قریب الدین صاحب مولوی لطف الرحمن صاحب -	۸۴-۸۸	ڈھاکہ خان بہادر نواب محمد اعظم شاہ صاحب خواجہ محمد موسیٰ صاحب - مولوی حکیم حبیب الرحمن صاحب - میرزا نغیر محمد صاحب - ڈاکٹر مشتاق الحق صاحب شہس العلماء مولانا سعید صاحبہ خان بہادر سید اولاد حسن صاحب خواجہ کریم اللہ صاحب خواجہ عبدالغنی صاحب
۹۹	بنگونی - مزار حضرت شاہ بدل در شیخ بدل السبحان صاحب رئیس	۹۲-۹۴	- احسن منزل سیمن سنگہ
		۸۵	

نمبر صفحہ	نام مقام و اشخاص	نمبر صفحہ	نام مقام و اشخاص
۱۲۵-۱۱۵	کلمتہ	۱۱۲ و ۱۱۱	پیر اگل پور۔ زور اور گنج مائی اسکول مولوی فضل القدیر صاحب۔ چاٹ گاؤں
۱۲۵-۱۱۵	سیٹھ غلام حسین عارف صاحب شیخ محبوب علی صاحب پنجابی تاجر صاحبان محمد امین صاحب۔ فضل الہی صاحب شیخ محمد ابراہیم صاحب۔ حاجی شیخ اللہ بخش صاحب شیخ عبدالحق صاحب۔ محمد رفیع باڑی صاحب خان بہادر عبد الوہاب صاحب سودو الحسن صاحب بیرسٹر۔ ملا محمد و ملا ہاشم صاحب میر کر بی بی صاحب سیٹھ عبداللطیف احمد صاحب۔ سید حسین شوشتری صاحب۔ مولوی محمد قاسم صاحب پرنسپل پوٹل۔ مولوی واحد حسین صاحب بی۔ اے۔ مولوی محمد اکرم خان صاحب ایڈیٹر اخبار محمدی تیم خان اسلامیدہ سیٹھ صاحب جگموج غلام حسین صاحب۔ عبد الرزاق صاحب پیمانی۔ ڈاکٹر عبد اللہ الامون بہروردی بیرسٹر۔ نجیہ اختر بانو سہروردی پیم صاحب نواب پیر شجاعت علی خاں صاحب۔ نصیر الممالک۔ حافظہ نذیر احمد صاحب سکرٹری مفید اسلام۔ آنریبل مولوی	۱۱۲ و ۱۱۱	مولوی عبدالستار صاحب وکیل مولوی جمال الدین صاحب۔ عبدالرحمن صاحب دودا باشی۔ مولوی جلال الدین صاحب خاں صاحب۔ عبدالعزیز خاں صاحب انسپرکٹر تعلیم۔ مولوی غلام قادر صاحب موضع سیدوڑا۔ آنریبل خاں صاحب مولوی امان علی صاحب۔ مولوی عبدالحق صاحب سکرٹری اسلامیہ اسکول سینٹا کنڈ۔ پچیم گاؤں ریاست نواب محمد علی چودھری صاحب مولوی حکیم سکندر علی صاحب۔ مولوی ایوب علی صاحب۔ مولوی سیال محمد الحق صاحب۔ مولوی باڑی۔ مولوی قاضی غفر احمد صاحب۔ مولوی تاج الدین صاحب چاٹ گاؤں۔ کالی باڑی۔ مولوی عبدالباہر صاحب ڈپٹی مجسٹریٹ چاند پور۔ مولوی عبدالستار صاحب پلیٹری مولوی سید الرحمن صاحب نصف

نمبر صفحہ	نام مقام و اشخاص	نمبر صفحہ	نام مقام و اشخاص
۱۳۷	بہار وارٹ لیسٹہ بانکلی پور۔ سطر محمود صاحب بیرسٹر	۱۳۲-۱۳۷	فضل حق صاحب۔ نواب سید نصیر حسین خان صاحب خیال۔ خان بہادر نواب سید نواب علی صاحب چوہدری قاضی ظہور الحق صاحب انٹر بیرسٹر سیٹھ احمد حاجی نور محمد زکریا صاحب مالہ
۱۳۸-۱۴۰	مولوی شیخ خلیل الرحمن صاحب ریس۔ مولوی سعید احمد صاحب سید منظر علی صاحب شیخ بشیر احمد صاحب۔ سید حبیب الحسن صاحب اورنگ پور پورا۔ مزاریدہ سید موضع برائیان۔ موضع برائیان وغیرہ کاکو	۱۳۴-۱۳۶	مولوی محمود علی صاحب ڈپٹی مجسٹریٹ احمد عبدالغفار صاحب سب جج خان صاحب عابد علی خان صاحب سب ڈویژنل انچیف منسٹر صاحب مختار چودھری محمد الحق صاحب مولوی عبدالعزیز صاحب پلیڈر مولوی قادر بخش صاحب پلیڈر اتاقدیر لکھنوی عرف گوٹو۔ پانڈوا۔ ادینہ مزارات۔
۱۴۰-۱۴۸	حکیم سید شاہ غفور الرحمن صاحب موضع سید آباد پرشادین [شیخ شمس المذہبی صاحب] اسلام پور چودھری صاحبان رئیس۔ عرس مشاعرہ۔	۱۳۶-۱۳۷	دارجلنگ مولوی دلی الحسن صاحب۔ مولوی ظفر حسین صاحب عینی انجمن اسلامیہ ڈاکٹر عبدالعزیز صاحب دفتر زری سرجن۔ سید مصطفیٰ صاحب۔ خواجہ عبدالصمد صاحب کشمیری۔ حافظ وزیر صاحب۔ شیخ نواب صاحب
۱۴۶	ایقہوا۔ شاہ محی الدین صاحب غور	۱۳۳-۱۳۴	سافرخان اسلامیہ۔ مہاکال کی پہاڑی
۱۴۷	قاضی سیراے۔ قاضی شاہ حسین		
۱۴۸	صاحب رئیس جہان آباد		

نمبر صفحہ	نام مقام و اشخاص	نمبر صفحہ	نام مقام و اشخاص
۱۷۷-۱۸۱	قصبہ استخوان - مولوی محمد یوسف صاحب قنار راجگیر پٹنہ	۱۵۳-۱۴۹	گیا سید ظفر نواب صاحب رئیس شمس العلماء نواب سید املاو نام صاحب خان بہادر سید خیرات احمد صاحب سید حسن نام صاحب سید حسین امام صاحب خان بہادر قاضی فرزند احمد صاحب
۱۷۷-۱۸۱	سید مظہر الحق صاحب برسر سڑک سید سلطان احمد صاحب برسر سڑک سید حسن امام صاحب برسر شمس العلماء حافظ حبیب الحق صاحب مولوی سید سید الدین صاحب سید ابوالہیتم حسین صاحب - قدیم ساجد - خان بہادر - نواب سر فرز حسین صاحب - سید محبوب اشرف صان - خان بہادر سید ضمیر الدین صاحب - حافظ فضل حق صاحب آزاد - آنریبل مولوی شرف الدین صاحب مرحوم سر سید علی امام صاحب تقا مدارس اسلامیہ	۱۵۴-۱۵۳	میتھو شریف مخدوم شاہ درویش بہار شریف بختیار پور - آنریبل سڑک عبدالہدی صاحب شیخ احمد علی صاحب - سید احمد رضا صاحب قنار - سید ممدی صاحب ایم - اے سید شاہ ظفر الحسن صاحب مزارات بزرگان - وقف صغریٰ بی مرحوم مدارس اسلامیہ - مزار حضرت مخدوم بہاری - سید عبدالحمید صاحب پیر بہاؤی - مدرسہ سومیتھ - مولوی محمد حیات صاحب مولوی علی حسین صاحب - سڑک محمد حسن صاحب شفا خانہ وقف - خان بہادر نواب سید نصیر الدین احمد خان صاحب
۱۷۷-۱۸۱	پھلواری شریف مولانا شاہ محمد سلیمان صاحب - مولانا شاہ بدر الدین - عرس رسول اللہ صلعم خانہ انسا کے پھلواری شریف - مولفیکر خان بہادر سید شاکر علی صاحب برسر پٹیا حضرت شاہ نافع - دلاور پور سید نعمت اللہ صاحب برسر - سید	۱۶۴-۱۶۵	دکنہ مولوی سید سلیمان صاحب ندوی انجمن الاصلاح -

نمبر صفحہ	نام مقام و انخاص	نمبر صفحہ	نام مقام و انخاص
۱۹۵	موتیمہاری خان بہادر مولوی محمد جان صاحب پایڈرنٹشی اعلیٰ محمد خان صاحب بنیاد اسٹیلٹ		سید مصطفیٰ مولوی شاہ محمد ایوب صاحب سجادہ - مولانا سید محمد علی صاحب - ملک محمد اسرافیل صاحب - مولوی خلیل اللہ صاحب وکیل - وزارت لکھنؤ - چودھری نور محمد صاحب بلیا - مزار محمد دوم غلام الدین منظور پور
۱۹۶	حافظ محمد ثانی صاحب سکرٹری مدرسہ اسلامیہ - مولوی غلام دستگیر صاحب سکرٹری مسلم کلب باطرہ ضلع ملتان	۱۸۷ ۱۸۷ ۱۸۸	مولوی محمد اختر صاحب وکیل - حافظ رحمت اللہ صاحب بانی مدرسہ سید انجاء حسین خان صاحب سید ریاض حسن خان صاحب خان بہادر سید محبوب حسن خان صاحب بیرسٹر - آئینہ بل مولوی سید احمد حسین صاحب وکیل - پروفیسر ادوہ بہاری سنگھ صاحب - مسلم کلب نیشکی پور ضلع مونگیر
۱۹۸	مزارات - اماناتہ کاسندر شیخ بہادر علی خان صاحب صدیقی تخت پورہ ضلع مونگیر بندگی شعیب - دیہات سداوہ شیخ حافظ وزیر علی دشت شاہ صاحب وحسی احمد صاحب بیرسٹر	۱۹۲	مزار شہید - سید گمال الدین صاحب رئیس - کوکری ضلع مونگیر سید آل حسن صاحب رئیس دریہ جھنگ
۲۰۰	حسین آباد نواب زادہ دلدار علی خان صاحب نواب زادہ ابرار علی خان صاحب مرحاریاست عبد الحمید خان صاحب رئیس آنریری محیط علی عبدالغنی صاحب رئیس -	۱۹۳ ۱۹۳-۱۹۵	سکرٹری طبع الرحمن صاحب بیرسٹر وزارت راج محل - مدرسہ اسلامیہ مولوی عبد الحمید صاحب -

نمبر صفو	نام مقام و اشخاص	نمبر صفو	نام مقام و اشخاص
۲۰۸	مدلوی علی اصغر صاحب رئیس - زیب انسایم صاحب - سید راحت حسین صاحب - سیوان سطر محمد حبیب الرحمن صاحب - شیخ گلزار صاحب - نوری میان صاحب مالک شکرمل -	۲۰۲ و ۲۰۱	بھگونی سطر محمد سلیم عرف بھولا بابو صاحب سطر محمد نعیم صاحب وکیل - دیہات اسلامیہ -
		۲۰۱	رحیم آباد مزار پر از غیب کرد - و محدث -
		۲۰۳	بھالکپور مدار خردم شہباز - خان بہادر شیخ علی احمد صاحب - سید شاہ فتح عالم صاحب سجادہ - آنر بل سطر محمد نعیم صاحب بیر سطر - آثار قدیرہ
		۲۰۴	جمال پور - مدلوی عبد الغنی صاحب پورینیا
		۲۰۵	آثار قدیرہ - قلعہ جلال گڑھ مدلوی محمد رفیع صاحب بیر سطر کٹیہار - مدلوی عبدالعزیز صاحب وکیل چودھری محمد بخش صاحب
		۲۰۶	بارہو خان بہادر مدلوی محمد طاہر صاحب وکیل پٹنہ - مدلوی سید زین العابدین صاحب رئیس -
		۲۰۷ و ۲۰۸	چیمہ مدلوی محمد اسماعیل صاحب وکیل سطر افضل علی صاحب بیر سطر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حامداً و مصلیاً

دورہ مملکت آصفیہ خلد با اللہ تعالیٰ

ماہ جون ۱۹۶۹ء میں کانفرنس نے مجھے حیدرآباد وکن میں دورہ اور کام کرنے پر مامور کیا۔ ۲۹۔ جون کو علی گڑھ سے براہ آگرہ روانہ ہوا۔ دور دراز کا سفر تھا۔ سکنڈ کلاس کا ٹکٹ لیا۔ آگرہ کنٹونمنٹ اسٹیشن پر منٹاڑ جانے والی بمبئی میل مل گئی۔ بھوپال میں ایک مہربان حکیم محمد صاحب کو تار کے ذریعہ سے مطلع کیا کہ اسٹیشن پر ملیں۔ اور ناشتہ لیتے آئیں۔ ۳۰۔ جون کی شپ کو یہ مکرّم دوست اسٹیشن بھوپال پر موجود ملے اور کافی ناشتہ ساتھ لائے۔ انکی عنایت کا شکر ادا کر کے روانہ ہوا۔ اب مجھے صبح کو منٹاڑ پہنچا۔ حیدرآباد جانے والی ٹرین تیار تھی۔ ٹکٹ لیکر اسپر سوار ہوا۔ لیکن بمبئی میل کچھ دیر کر کے آیا تھا۔ اسلئے حیدرآباد کی ٹرین اس قدر جلد روانہ ہو چڑی کہ مجھ کو چارپینے کا بھی موقع نہیں ملا۔ نظام ریلوے لائن پر کبجڑے بڑے اسٹیشنوں کے کہیں کچھ سامان خورش نہیں ملتا۔ اور جہاں ملتا ہے ہوٹل کا کھانا، پہلے سے تار کے ذریعہ اطلاع دینے پر ملتا ہے۔ مجھ کو انگریزی کھانوں کی عادت نہیں۔ اسپر طرہ گرائی۔ بھوک کی تکلیف برداشت کرنے کے سوا چارہ کیا تھا۔ اورنگ آباد تک اسی حالت سے آیا۔ اورنگ آباد سے مولوی مصطفیٰ علی صاحب کا کوری وکیل۔ میرے ہم سفر ہوئے۔ اور یہ معلوم کر کے کہ میں آل انڈیا محڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا

ایجنٹ ہوں کہ ان لطف کے ساتھ باتیں کرنے لگے۔ آنکی روشن خیالی سے خاص سہرت ہوئی۔ انھوں نے اورنگ آباد آئے کی حالت میں ہر ممکن مدد فرمانے کا وعدہ کیا۔ جالندہ کے اسٹیشن پر مولوی صاحب موصوف نے چند بسکٹ اور ایک ڈبہ چینی سے میری مدارات فرمائی۔ اور اس ناشتہ سے بھوک کی تکلیف کچھ کم ہو گئی۔

یکم جولائی کی صبح کو حیدر آباد پہنچ گیا۔ عموی مولوی شاہ مختار احمد صاحب احمدی ردو لوی دکیل ہائی کورٹ حیدر آباد میں نہ تھے۔ وطن گئے ہوئے تھے۔ اسلئے میں مولوی ظفر علی خاں صاحب بی۔ اے۔ کا مکان ہوا۔ ایک دن راحت کر کے دوسرے روز مولوی عزیز مرزا صاحب (مرحوم) ہوم سکریٹری اعلیٰ حضرت نظام دام ملکہ سے ملا۔ اور جناب مدوح نے فرمایا کہ پہلے اضلاع کا دورہ ختم کر لو۔ تب صدر بلکہ کو ہاتھ لگاتا۔ میں نے تعمیل حکم کے لئے سیر تسلیم ختم کیا۔ اور تعلقہ ذرا اول، اضلاع نظام آباد، ناٹدیہ، چھنی، اورنگ آباد کے نام خطوط لیکر ساہن سفر درست کر لیا۔ اور روانہ ہو گیا۔

نظام آباد۔ ۳۔ جولائی ۱۹۱۷ء کو نظام آباد آیا ہوں۔ ٹرین سے اتر کر سیدہ جناب نواب لیاقت جنگ بہادر کی خدمت میں آیا۔ بیحد خلق و کرم سے پیش آئے۔ اور ٹو اک بنگلہ میں اپنی طرف سے مکان بنایا۔ شب کو اپنے ساتھ کھانے پر بلایا۔ مگر چونکہ انگریزی میز تھا اور میں اسکے قواعد سے ناواقف۔ اسلئے عذر خواہ ہوا۔ ۴ سے ۶ تک تین دن ٹپ شدید نے مہلت کار نہ دی۔ ۷۔ جولائی کو نوٹس ہوا کہ ۸ جولائی کی صبح کو منظر علیم ایجنٹ کانفرنس کے نقادہ پر تقریر کریں گے۔ ۹ بجے صبح ہی سے جمع ہونے لگا۔ اور صبح جلد کلب کا پورا ہال حاضرین سے بھر گیا۔ سکلاء و عمال سب تشریف لائے۔

اول لڑا بلیاقت جنگ بہادر نے صدارت کی افتتاحی تقریر فرمائی اور
 تجھے حاضرین سے روشناس کرا دیا۔ اسکے بعد میں نے مقاصد و اغراض کا نقش
 بیان کیے۔ لوگوں پر اچھا اثر ہوا۔ مبلغ ستر لاکھ کے قریب چندہ کی فہرست
 لکھی گئی۔ اور ۱۴ جولائی تک اسکی وصولی میں دواؤں و دواؤں کی تیار با تو کوئی غنیمت
 صاحب نائب تحصیلدار کی امداد و اعانت بیکار شکر گزاری کے قابل رہی۔
 بڑے ہمدرد قوم اور مستعد آدمی ہیں۔

ناندیر۔ ۱۵ جولائی کو ناندر آیا۔ اسٹیشن ریلوے پر سواری اور قلی
 کا پتہ نہیں۔ اس ریلوے لائن پر باضابطہ قلی نہیں رکھے جاتے۔ اس لئے
 مسافروں کو اسباب اٹھوانے کی بڑی زحمت ہوتی ہے۔ مال گدام کے حال
 مسافروں سے خاطر خواہ مزدوری وصول کرنے اور انہیں خوب ستاتے ہیں
 ٹرین پر سے تو اسباب اتار لیا گیا۔ اب قلی کہاں سے آئے جو اٹھائے۔ بڑی
 دیر تک انتظار رہا۔ آخر ایک حامل اس طرف آیا تو اسے ۲ دیکر اسباب
 اٹھوایا۔ اور تعلقدار صاحب کے بنگلہ تک گیا۔ یہ بنگلہ اسٹیشن سے صرف
 ایک سو قدم کے فاصلہ پر تھا۔ ۹ بجے صبح کے قریب تعلقدار صاحب گھر سے
 برآمد ہوئے۔ میں نے مولوی عزیز مرزا صاحب کا خط پیش کیا۔ خاطر اور
 محبت سے باتیں کرتے رہے۔ اور کلب میں قیام کے لئے جگہ دلوا دی۔
 ۱۲ بجے تک کھانے کا کوئی پتہ نہیں نکلا۔ میں اس خیال میں تھا کہ تعلقدار
 صاحب کا مکان ہوں۔ اسی انتظار میں دو بج گئے۔ آخر کلب کے منتظم
 شیخ امین صاحب نے اپنے محقر سے تواضع کی اور میں نے اس سے پیٹ بھر لیا۔
 تعلقدار صاحب کا نام مولوی محمد علی خان صاحب ہے۔ ایذا کی اصل
 ہیں۔ انکے والد ماجد حیدر آباد آئے تھے۔ اور یہیں کو طین اختیار کر لیا۔

انکی ماند و بود بالکل لٹالی حیدر آباد کی سی تھی اور یہاں کے عمائدین میں شمار ہوتے ہیں۔ یوں بہت روشن خیال اور خوش اخلاق ہیں۔

شام کے وقت شیخ امجد علی خاں صاحب صدر منصف ناندرہ سے ملاقات ہوئی۔ آپ لکھنؤ کے خاندان دزارت کی یادگار اور نہایت دیندار اور قابل قدر مسلمان ہیں۔ عموی شاہ مختار احمد صاحب کے ملنے والے ہیں۔

روشناسی کے بعد حالات دریافت کئے۔ اور میرے کھانے کا انتظام اپنی طرف سے فرمایا۔ ۱۷ جولائی کو مولوی حکیم محبوب حسین صاحب کیل سے ملاقات ہوئی۔ کا کوری ضلع لکھنؤ کے شرفاء میں سے ہیں۔ انکے اخلاق کا کیا پوچھنا۔

عزیزانہ لطف و محبت سے پیش آئے۔ اور سفارت کے کام میں میری بیحد مدد کی۔ ۱۸ جولائی کو کلب میں جلسہ ہوا۔ بارش نے حاضرین کی تعداد محدود رکھی۔ جامع مسجد میں بیان کیا گیا۔ اور ناندرہ کے نورباف برادران نے اپنی جماعت کی طرف سے ایک جلسہ ترتیب دیکر بیان سنا اور دس روپے چندہ کر کے دیئے۔ میں کانفرنس کا تنخواہ دار ملازم ہوں۔ اور اُسکے لئے فراہمی چندہ میرا فرض ہے۔ اسلئے یہ کام کرنا پڑتا ہے۔ لیکن دراصل جو کام ہونا چاہئے وہ یہ ہے کہ قومی ترقی و فلاح کے لئے جو مقاصد و اغراض کانفرنس نے مقرر کئے ہیں انکو عام افراد قوم کے کانوں تک پہنچایا جائے۔ اور ان میں بیداری پیدا کی جائے۔ بہر حال ۲۵ جولائی تک ناندرہ میں رہا۔ اور مولوی محبوب حسین صاحب وکیل و مولوی امجد علی خاں صاحب منصف کی اعانت سے کام کیا۔ ان اصحاب کی قومی ہمدردی قابل اعتراف و لائق شکر یہ ہے۔

پیر بکھنی۔ ۲۶ جولائی کو پر بکھنی آیا۔ یہاں کے اول تعلق دار مولوی امیر حسن صاحب قبلہ ہیں۔ آپ نواب محسن الملک مرحوم کے برادر ہیں۔

انہیں کا مہمان ہوں۔ اور کیا ذکر کروں کہ کس بزرگانہ محبت اور کریمانہ اخلاق سے پیش آتے ہیں۔ خاکِ پاک آگرہ وادودہ کی سرشت۔ نواب حسن الملک مرحوم کے بانی۔ گھر کے قیام کا لطف حاصل تھا۔ اور کام میں بھی کوشش ہو رہی تھی۔ احمد عبداللطیف صاحب بھوپالی یہاں مل گئے۔ آپ میرے خاص عنایت فرمائی۔ پر بھئی کے تحصیلدار سٹر کے خسرو جی پاریسی۔ اور تہدی حیدر حسین صاحب کورٹ انسپکٹر کی ستودی اور اعانت کا شکریہ ادا نہیں ہو سکتا۔

۲۔ اگست ۱۹۱۱ء تک پڑھنی میں رہنا ہوا۔

اورنگ آباد۔ ۳۔ اگست کو اورنگ آباد آیا۔ مولوی مصطفیٰ علی صاحب وکیل کو تار دیدیا گیا تھا۔ صاحب موصوف نے آدمی اور سواری اسٹیشن پر ارسال کر دی تھی۔ ریل سے اتر کر سید ہاؤس کے یہاں گیا اور نہایت راحت و اطمینان سے مقیم ہوں۔

۴۔ اگست۔ مولوی فصیح الدین صاحب تعلقہ راول سے ملا۔ آپ اس وقت خلد آباد تشریف لے جا رہے تھے۔ کمال عنایت مجھ سے بھی ساتھ چلنے کو فرمایا۔ ایلورہ کے غاروں کی میر۔ اور حضرت عالمگیر غازی کے مزار پر فاتحہ خوانی کی تمنائے اکسایا اور میں فوراً اُن کا ہمراہ ہو گیا۔ اس سفر کا لطف کیا کہوں۔ شاہی ڈاک بنگلہ میں قیام رہا۔ الوانِ نعمت سے لذت کش اور پہاڑی منظر سے حظ اندوز ہوتا ہوں۔ چار دن کا قیام خلد آباد جنتِ ارضی کی بہاریں لوٹنے میں صرف ہوا۔ برسات کی رات۔ سہانا سال۔ عجیب مزاج تھا۔ جس وقت ابر کھل جاتا۔ چلنے پھرنے کا موقع ملتا تو حضرت خواجہ مغیث الدینؒ اور حضرت خواجہ زبیری زربفتؒ کے مزارات کی زیارت کر لیتا تھا۔

اورنگ آباد واپس آیا تو تعلقہ دار صاحب نے انجن عثمانیہ کی طرف سے

رقعہ دعوت جاری کیا۔ جلسہ قرار پایا۔ تاکہ میں اغراض و مقاصد کا نفرین سناؤں۔ لیکن اُس دن اتفاق سے مجمع کم ہوا۔ پھر دوسری تاریخ کے لئے جلسہ کا اشتہار ہوا۔ جناب معظم علی صاحب سکرٹری انجمن عثمانیہ نے بہت محنت فرمائی۔ ان کی جدوجہد سے کچھ مجمع اور معقول چندہ بھی ہو گیا۔ فتیچہ و ضلع بارہ بنکی کے مسٹر ہنر سے ملاقات ہوئی۔ آپ اور نگ آباد میں درجہ سوم کی وکالت میں کامیاب اور درجہ اول کا امتحان دینے کی فکر میں ہیں۔ خدا کا میاب کر دے۔

اور نگ آباد میں بیس دن بڑے لطف کے ساتھ گزری۔ مولوی مصطفیٰ علی صاحب کی عنایت و بردارانہ محبت۔ حافظ ساجد علی صاحب وکیل اور مولوی محمد رفیع صاحب وکیل کی کام میں اعانت و شکرگزاری کی حد سے بالاتر ہے۔

تعلقدار صاحب کے کرم و نوازش کا کیا کہنا۔ ایسے خلیق۔ ہمدرد مسافر خواہ اور قومی فدا کار انسان اگر تھوڑے سے بھی ہوں تو قوم کا کوئی کام شاید ہی پڑا رہ سکے۔ اور نگ آباد سے روانگی کے وقت اُن سے رخصت ہونے اور عرض نیاز کے لئے گیا تو ارشاد کیا کہ اس ضلع کی ایک تحصیل جالندہ ہے۔ وہاں میری دعوت ہے۔ اور حیدرآباد کے راستہ میں پٹی۔ تم بھی چلو۔ شاید وہاں بھی کچھ ہو جائے۔ یہاں کیا تھا۔ اصل مقصد یہی ٹھہرا۔ سر تسلیم خم کیا۔ اور شام کی ٹرین پر اُنکے ہمراہ جالندہ پہنچا۔ یہاں مولوی سید محمد ذاب صاحب وکیل لکھنوی۔ کے ہاں مولوی محمود علی صاحب ایٹھوئی منصف جالندہ کی الوداعی دعوت تھی۔ کھانے کے ساتھ روشنی۔ ہارپان اور آخر میں بزم رقص و سرود تھی۔ خوش گویا نے اپنی نغمہ سرائی اور طاؤس رقصی سے فارغ ہو چکے تو اُسی جلسہ میں مجھے مجرائی ہونے کا اِذن ملا۔ اور خدا کا شکر ہے کہ نغمہ ہمارے روح نواز۔

کے بعد میری قومی سوز و گداز کی تان بھی نہایت پر تاثیر ہوئی۔ اورنگ آباد سے زاید رقم یہاں کی فہرست چندہ میں درج کی گئی۔ یہاں بھی مولوی مصطفیٰ علی صاحب تہ دل سے محنت فرماتے رہے۔ مقامی حضرات میں مولوی سید محمد نواب صاحب لکمنوی وکیل۔ مولوی محمد قاسم صاحب وکیل۔ اور محمد خاں صاحب سوداگر۔ نہایت شکریہ کے مستحق ہیں۔ ان اصحاب نے قومی کام کی اعانت کے علاوہ مجھ پر خاص طور سے لطف فرمایا۔ اور اپنی محبت کا بندہ بنا لیا۔ یکم ستمبر کو جالندہ سے چلتے وقت اسٹیشن ریلوے تک مشائعت کے لئے آئے۔

۲۔ ستمبر۔ حیدر آباد واپس آیا۔ عمومی شاہ مختار احمد صاحب وکیل وطن سے واپس آچکے تھے۔ انکی خبر مراجعت سنتے ہی ظفر علی خاں صاحب کے یہاں سے اسباب اٹھوا کر اپنے چچا کے گھر چلا آیا۔ ۳۔ ستمبر کو مولوی عزیز مرزا صاحب سے ملا۔ اپنے مولوی محمد حیدر صاحب تعلقدار ورننگل کے نام خط دیکر وہاں بھیجا۔ ۵۔ ستمبر کو میں ورننگل پہنچ گیا۔

ورننگل۔ مولوی محمد حیدر صاحب تعلقدار نے تو گر محوشی منین کملانی کی جسکی وجہ سے میں بیرنگ واپسی کا عازم تھا کہ مرغیب مولوی حفیظ الحق صاحب مچھلی شہری وکیل نے اعانت کا اطمینان دلایا اور مولوی سید محمد عابد صاحب وکیل بھی مجا ہد ہنگئے۔ دونوں دردمندان قوم کی سعی جمیل سے معقول رقم چندہ مل گئی۔ اور میں کامیاب حیدر آباد کو پلٹا۔ ۲۸۔ ستمبر کو حیدر آباد آگیا۔ رمضان شریف کا زمانہ۔ کام بہت کم ہو رہا تھا۔ وکلاء کی جماعت سرگرم کوشش تھی۔ اور امید تھی کہ اچھی کامیابی ہوگی کہ ناگماں۔ ۱۰۔ اکتوبر ۱۹۰۹ء کو اعلیٰ حضرت نظام کا یہ فرمان قمر تو امان صادر ہو گیا کہ مولوی عزیز مرزا صاحب

مع ظفر علی خاں صاحب و مولوی عبدالحلیم صاحب نثر۔ خارج البلد کر دئے جائیں۔
 ۱۲۔ اکتوبر کو ان حضرات نے بلدہ حیدر آباد کو خیر باد کہہ کر ہندوستان کا
 سفر کیا۔ میرے لئے یہ مصیبت رہ گئی کہ کام یا بی کی امید مفقود۔ اور ذرا بچ سود
 تاہم ہمت سے کام لیکر دوا دوش گزارا۔ اور بمشکل تمام مال لے کر روپیہ چندہ
 فراہم کیا تھا۔ کہ ۳۰۔ اکتوبر کو علی گڑھ سے طلبی کا پیام تارا آیا اور میں حیدر آباد سے
 روانہ ہوا۔ مولوی سید محمد نواب صاحب وکیل جالندہ کو بذریعہ تار برقی اپنی روانگی
 سے مطلع کر دیا تھا۔ صاحب موصوف کی محبت کا کیا شکریہ ادا کروں۔ اسٹیشن
 جالندہ پر مع کھانے کے موجود تھے۔ ملکر اور ناشتہ لیکر چلا۔ ۱۰۔ نومبر کو علی گڑھ آگیا۔
 ۱۳۔ نومبر کو علی گڑھ میں میر صاحب خیر پور سندھ کی آمد تھی۔ انکا جلوس دیکھنے
 کے لئے میں بھی رُک گیا۔ ۱۵۔ نومبر کو علی گڑھ سے روانگی ہوئی۔ اضلاع فیض آباد
 بارہ بنکی اور آٹاؤ وغیرہ کے کام پر مامور کیا گیا۔

۱۸۔ نومبر ۱۹۰۹ء فیض آباد کے وکیل مولوی محمد فائق صاحب (مرحوم)
 سے ملا۔ اس شہر میں چند ہی روز قبل انجمن الفرض علی گڑھ کالج کے ارکان قلم
 اعانت جمع کر کے نیچا چکے تھے۔ مجھے کیا خاک ملتا۔ بمشکل للوعصہ روپے ملے۔ اسکے بعد
 ردولی ہوتا ہوا ۲۶۔ نومبر کو بارہ بنکی آیا۔ سٹر ولایت علی صاحب دکیل (مرحوم)
 کے یہاں ٹھہرا۔ بارہ بنکی میں فیض آباد سے بھی کم کام چلا۔ ۲۷۔ نومبر قصبہ سترکھ۔
 اور ۲۸۔ نومبر قصبہ گدیہ ضلع بارہ بنکی میں ہو کر کچھ ملا وصول کیا۔

آٹاؤ۔ ۵۔ دسمبر کو آٹاؤ آیا۔ منشی منظور احمد صاحب زبیری مارہروی کے ہاں
 ٹھہرا۔ انکا شکریہ گزار ہوں کہ اچھی کوشش فرمائی۔

کانپور۔ ۸۔ دسمبر ۱۹۰۹ء حافظ محمد حلیم صاحب سوداگر جرم کانپور کے
 ہاں مقیم ہوں۔ سوداگران جرم میں فراہمی چندہ کی سعی ہے۔ مولوی عبدالحق صاحب

منشی بازار والے بڑی جانفشانی فرماتے ہیں۔ اور کچھ کام چل رہا ہے۔

۲۳۔ دسمبر ۱۹۰۹ء۔ الہ آباد سے ارکانِ صدر دفتر کا نفرنس کا تار آیا کہ جلد سے جلد کانپور چھوڑ کر بغرض شرکتِ اجلاس کا نفرنس رنگون آؤ۔ ۲۴۔ دسمبر ۱۱ بجے رات کو کلکتہ پہنچ گیا۔ ۲۵۔ دسمبر سات بجے صبح جہاز پر سوار ہوا۔ جناب (رایٹ آنریبل) صاحبزادہ آفتاب احمد صاحب۔ مولوی بشیر الدین صاحب (اڈیٹر البشیر) ٹاؤن۔ مولوی نثار حسین صاحب (ڈپٹی کلکٹر انار۔ منشی انوار احمد صاحب زبیری۔ مسٹر محمود احمد صاحب عباسی سپرنٹنڈنٹ دفتر کا نفرنس۔ حضرت شاہ مصطفیٰ احمد صاحب احمدی ردو لوی محاسب دفتر کا نفرنس۔ کاہم سفر ہوں۔ ۲۶۔ دسمبر رنگون پہنچا۔ اس سال کا نفرنس کا جلسہ مالی فوائد کے لحاظ سے تو کامیاب نہیں کہا جاسکتا۔ مگر ادبی منافع کے پہلو سے بہت اہم کامیابی حاصل ہوئی۔ یعنی رنگون اور برہما کے مسلمانوں میں تعلیمی لمچن پیدا ہو گئی اور انشا اللہ آئندہ بہتری کی اچھی امید ہے۔

۳۔ جنوری ۱۹۱۰ء رنگون سے واپسی کا دن تھا۔ راستہ میں ایک روز کلکتہ میں قیام رہا۔ ۴۔ جنوری کو علی گڑھ آگیا۔ اور ۳۔ جنوری ۱۹۱۰ء تک رپورٹ تیار کرنے کے لئے دفتر میں قیام رہا۔ یکم فروری ۱۹۱۰ء تک تعطیل ملی اور ردو لی چلا آیا۔

گھر پر مرض طاعون کا زور۔ یارانِ ہمدرد موجود نہیں۔ بڑی آنکھ میں یہ زمانہ بسر کیا اور سفر خرچ و کاغذات دفتر سے دیر میں آئے اس لئے ۲۶۔ مارچ تک ردو لی ہی میں پڑا رہا۔

۲۶۔ مارچ ۱۹۱۰ء پھر ردو لی سے بزمِ حیدر آباد روانہ ہوا۔ ۲۷۔ مارچ۔ پھلہ (ریاست گوالیار) میں قیام ماموں صاحب قبلہ (مرحوم) کی زیارت۔

بھائیوں کے دیدار سے شاد کام۔ تین دن روکا گیا۔ میلا دو خانی خوب ہوئی۔
عزیزی عبدالرؤف سلمہ کی ایک موکلہ سا ہو کارنی نے دعوت کی اور ہاپنائی گئے۔
۳۰۔ مارچ سنہ ۱۹۰۶ء حیدر آباد میں ہوں اور عاشور خانہ شاہی میں قیام

ہے۔ چار بجے شام کو نواب ممتاز یا جنگ بہادر کی خدمت میں حاضر ہوا نواب صاحب
۵ بجے حرم سرا سے برآمد ہوئے۔ کام کے اجر کی کوئی صورت نہیں نکلی۔ فکر ہے
کہ تعارف کے خطوط مل جائیں تو کمشنری کلیرک کے اضلاع اور میٹنگ کا دورہ کروں۔
۳۱۔ مارچ مسٹر محمد اصغر صاحب بیرسٹراٹ لا سے ملا۔ آپ نہایت صفا

محبت پاش اور فداے قوم ہیں۔ پوری کوشش کا وعدہ کیا۔

یکم اپریل کو پھر نواب ممتاز یا جنگ بہادر سے ملے گیا اپنے ۱۴۔ اپریل کو ملک پیٹھ
کلب میں ملنے کا وعدہ فرمایا۔ چنانچہ بروز وعدہ ٹھیک ۹ بجے صبح کو ملک پیٹھ
پہنچ گیا۔ معلوم ہوا کہ ابھی نواب صاحب تشریف نہیں لائے ہیں میرے ایک دوست
مسٹر محمد یحییٰ صاحب اسی جگہ تھے۔ میں آنے ملے چلا گیا اور وہیں ٹھہرا رہا۔
۱۱ بجے نواب صاحب کلب میں آئے۔ محمد یحییٰ صاحب کے ہاں سے مجھ کو بلوایا۔

اور دیر تک باتیں کرتے رہے۔ نواب ممتاز یا جنگ بہادر نہایت سادہ مزاج
اور قوم کے گہرے ہم درد ہیں۔ محض اپنے بل بوتے پر ایک مدرسہ آصفیہ
قائم کر رکھا ہے۔ مگر چونکہ تعلیمی کاموں کا تجربہ نہیں اسوجہ سے مدرسہ کا انتظام

نا درست ہے۔ بہر حال ممدوح نے مجھ کو تین خط عطا کئے۔ مولوی یوسف الدین
صاحب تعلقدار گلبرگہ۔ راجہ اندر کرن صاحب تعلقدار گلبرگہ۔ اور مولوی
زین العابدین صاحب تعلقدار راجپور کے نام۔ اسکے بعد اپنا قائم کردہ مدرسہ
نسوان مجھے دکھایا۔ اور فرمایا کہ ایک محنتی آدمی درکار ہے اگر آپ یہ بار اٹھا سکیں
تو میں شکر گزار ہوں گا۔ میں نے عرض کیا کہ موجودہ زندگی سے نجات ملگئی تو انشاء اللہ

مدرسہ آصفیہ کا بار خدمت بھی ضرور اٹھاؤں گا۔

مولوی فضل حق صاحب نے بھی تین خط دئے۔ ایک اپنے بھتیجے مولوی عبدالرب صاحب تحصیلدار گلبرگہ کے نام۔ دوسرا بنام مولوی غلام محمد صاحب تعلقدار عثمان آباد۔ اور تیسرا خط مولوی حبیب اللہ صاحب ناظم عدالت دیوانی عثمان آباد کے نام مولوی عبدالرب صاحب تحصیلدار گلبرگہ ملا عبد القیوم صاحب مرحوم کے بھانجے۔ اور مولوی فضل حق صاحب کے بھتیجے ہیں۔ نہایت خلیق و بامرآت انسان ہیں سہمے سعادت و نجات رکھتے ہیں۔ ۴۔ اپریل کو گلبرگہ پہنچ کر انہیں کا سمان ہوا ہوں۔

۶۔ اپریل کی رات کو کلب میں راجہ اندر کرن صاحب تعلقدار سے ملے گیا۔ آپ نے ۱۴۔ خور واد یعنی ۱۷۔ اپریل کو بلایا اور ہر طرح کی مدد دینے کا وعدہ فرمایا۔ نہایت خوبیوں کے آدمی ہیں۔

۷۔ اپریل کو میں عثمان آباد روانہ ہوا۔ پہلی مدراس ریلوے پر بارسی جنکشن سے لائنٹ ریلوے انڈسی کو جاتی ہے۔ اور انڈسی سے عثمان آباد ۱۰۔ کو س کے فاصلہ پر ہے۔ مہتمم صاحب تعلیمات گلبرگہ اور انکے سررشتہ دار محمد اعظم صاحب کا ساتھ ہو گیا تھا۔ اسوجہ سے راستہ بہت لطف کے ساتھ طے ہوا محمد اعظم صاحب نہایت خلیق اور بامرآت ہیں۔

۸۔ اپریل ۶ بجے دن کو عثمان آباد پہنچا۔ ارادہ تھا مولوی حبیب اللہ صاحب ناظم عدالت کے یہاں ٹھہروں۔ مگر آپکے یہاں جگہ کی قلت تھی۔ اسلئے مولوی محمد احمد صاحب بانسوی وکیل کے ہاں چلا گیا۔ اپنے جوار کے رہنے والے۔ بانسہ شریف ضلع بارہ بنکی کے پیرزادہ۔ اخلاق و مروت۔ صفاء و محبت کے پتیلے۔ نہایت سادہ منش اور دوست پرست انسان ہیں۔ دل میں دروہے اور

حق یہ ہے کہ آزاد مرد ہے۔ مولوی حبیب اللہ صاحب ناظم کی توجہ سے ہندو دکن، نے بڑی اعانت فرمائی۔ اور مولوی محمد احمد صاحب۔ مولوی نثار احمد صاحب۔ مولوی عبدالغنی صاحب واقف۔ اور مولوی عبدالقادر صاحب سررشتہ دار نے بچد سعی کی۔

۱۰۔ اپریل کی مشام کو گلبرگہ کے صوبہ دار مولوی یوسف الدین صاحب سے نیاز حاصل ہوا۔ تعارف کے بعد پہلا سوال میرے وطن کا استفسار تھا۔ عرض کیا ردولی کا رہنے والا ہوں۔ فرمایا۔ ”کیا ردولی شریف“ میں نے کہا ”ہاں“ فرمایا کہ شریف کو کیوں چھوڑ دیا؟ میں نے گزارش کیا کہ ”شرافت قائم رکھنے کے لئے“ دیر تک پر لطف باتیں ہوتی رہیں۔ کانفرنس و کالج پر عامیانہ نکتہ چینی ہوا کی۔ اور کوئی امداد نہ ملی۔ مگر سید مبارک علی صاحب ایٹھوی سسٹنٹ انسپکٹر جنرل پولیس دورہ پر عثمان آباد آئے ہوئے تھے اُنکا خلوص کام آگیا۔ اور کچھ چندہ مل گیا۔ ورنہ صوبہ دار صاحب نے دوسرکاری چندوں کی فہرست کھول رکھی تھی اُسکے مقابلہ میں مجھے کامیابی نہ ہوتی۔ ہاں یہ بات نہ ہوتی تو عثمان آباد سے اچھی اعانت مل سکتی تھی۔

۱۱۔ اپریل ۱۹۱۸ء گلبرگہ میں واپس آگیا ہوں۔ یہاں جشن سالگرہ سرکار عالی کی مصروفیت ہے۔ کام کمپوز کر ہو سکے۔ ۱۹۔ اپریل کو برہمنی پورہ کے مدرسہ میں جشن کا جلسہ تھا۔ میں بھی شریک ہوا۔ ابتدائی درجوں تک کا مدرسہ برہمنوں نے قائم کیا ہے۔ ایک برہمن گریجویٹ نے صرف لالہ ماہوار پر مدرسہ کے لئے اپنی زندگی وقف کر دی ہے۔ کینڈرگارٹن طریقہ کی تعلیم اس قدر باقاعدہ ہوتی ہے کہ دیکھ کر دل خوش ہو گیا۔ مادری زبان کی تدریس اسی طرز پر پوری کر دی جاتی ہے۔ افسوس ہے کہ مسلمان اس سے کوئی سبق نہیں لیتے۔ برہمنی پورہ کے پاس ہی

مومنی پورہ آباد ہے۔ جہاں بعض مسلمانوں کی حالت نہایت اچھی ہے۔ مگر اُنکے بچے شب دروز آوارہ اور تباہ پھرتے ہیں۔ مولوی محی الدین احمد صاحب منشی علم الدین صاحب وکیل۔ یہاں خاص طور سے مجاہد مہربان رہے۔ مولوی رضا حسین صاحب بانسوی رنگین مزاج یا رباش آدمی ہیں۔ ایک روز نہایت نفاست سے دعوت کی۔ مولوی اعجاز حسین صاحب وکیل اور مولوی عبدالرزاق صاحب تحصیلدار بھی سید کرم کے ساتھ پیش آئے۔

راپچور۔ مولوی واجد علی خاں صاحب وکیل نے مہمان نوازی فرمائی۔ آپ کنوئیر کے رہنے والے اور نمایاں علی احمد صاحب ردو لوی کے عزیز ہیں۔ خوبیوں کے آدمی ہیں۔

یادگیر۔ مولوی منہاج الدین صاحب کے یہاں گیا۔ آپ یادگیر کے تعلقدار ہیں۔ نہیں ملے۔ فرمایا کہ شام کو آنا۔ مجھے وحشت ہوئی۔ شام کو حیدر آباد واپس آ گیا۔ ۴۔ مئی کو حیدر آباد پہنچا۔ مولوی غیاث الدین صاحب جاگیر دار میرے گھر میں دوست کی شادی تھی۔ چار دن لطف و مسرت سے بہرہ اندوزی میں گزر گئے۔ ۸۔ مئی کو قیصر ہند شاہنشاہ ایڈورڈ ہفتم کے رہگزارے عالم بقا ہونے کی خبر ملی۔ اور مملکت آصفیہ میں ایک ہفتہ کے لئے عام تعطیل ہو گئی۔ میری ٹانگ میں ایک ڈنبل نکل آیا۔ اس سے بہت تکلیف ہوئی۔ زمانہ علالت میں مولوی احمد حسین صاحب وکیل ہائی کورٹ۔ میاں جمال الدین صاحب۔ میر رحمت علی صاحب۔ مولوی غیاث الدین صاحب۔ مولوی جلال الدین صاحب نے تیمار داری کی جزا ہم اللہ خیر الجزا۔

۱۹۔ مئی کو مولوی محی الدین احمد خاں صاحب میر منشی تعلقدار ری اول کلبرگہ نے ایک ہنڈی لا کر دی ک کلبرگہ کے ایک تعلقہ سے آئی ہے۔ میں نے ان کا شکریہ

ادا کیا۔ آپ قومی کاموں میں بے مثل خلوص رکھتے ہیں۔

نگلنڈہ۔ سید محمد حسین صاحب بلگرامی اسسٹنٹ آڈیٹر ریلوے کا خط

بنام مولوی سید محمد صاحب بلگرامی تعارف کے لئے ہو مولوی عبدالحق صاحب بی۔ اے کی وساطت سے مل گیا ہے۔ میں بھون گیر کے راستہ سے نگلنڈہ چلا ہوں۔ ایک اور خط تعارف کا مسٹر محمد اصغر صاحب بیرسٹر نے اپنے عزیز مولوی قاضی حمید الحق صاحب ناظم عدالت دیوانی کے نام عطا کیا ہے۔

۲۴۔ مئی۔ شام کو بھون گیر پہنچا۔ بندھی اسی وقت مل گئی۔ مگر دانگی کا وقت ۹ بجے شب کو تھا۔ اس لئے بھونگیر کی آبادی دیکھ لینے کا موقع مل گیا۔ بھونگیر مختصر سا گاؤں اور ایک چھوٹی ٹہاڑی کے دامن میں واقع ہے۔ کوئی خاص رونق اور عمدہ عمارت نہیں۔ صرف حضرت جمال بہارؒ ایک بزرگ کا مزار یہاں ہے۔ آج عرس کا دن تھا۔ فاتحہ میں شرکت ہو گئی۔ بعد مغرب بندھی کے اڈہ پر آگیا۔ ۹ بجے بندھی (شکر م) روانہ ہوئی۔ دو شبانہ روز کارا سنتہ بڑی سختی سے کٹا۔

۲۶۔ مئی۔ شام کو نگلنڈہ پہنچا۔ مولوی قاضی حمید الحق صاحب کامہان

ہوں۔ نہایت مہماں نواز پاکیزہ منش و الا صفات انسان ہیں۔

۳۔ جون کی شب کو کلب میں بصدارت تعلقدار اول مولوی سید محمد صاحب

بلگرامی جلسہ ہوا۔ میں نے اپنا مقصد اور کانفرنس کے اغراض اور مقاصد بیان کیے۔

معقول چندہ ملا۔ مولوی وجیہ الدین صاحب وکیل۔ مولوی قاضی محمد یحییٰ صاحب وکیل۔ مولوی سید محمد صاحب تعلقدار اول۔ مولوی قاضی حمید الحق صاحب ناظم۔

مولوی زاہد میاں صاحب وکیل۔ مولوی سید سجاد علی صاحب تعلقدار دوم نے بیحد مکرمت اور عنایت فرمائی۔ اور کمال مستعدی قومی کام انجام دیا۔

یہاں کا ایک واقعہ یہ ہے کہ دویم تعلقدار صاحب نے حضرت شاہ لطیف قدس سرہ کے مصارف عرس سے پس ماندہ رقم کا ایک حصہ کافرلنس فنڈ میں دینا چاہا تو ایک صاحب مانع ہوئے اور اس رقم کو کافرلنس میں دینے سے اختلاف فرمایا بلکہ طوائفوں پر نثار کرنا چاہا مگر دویم تعلقدار صاحب نے اپنا قول پورا کیا اور رقم چندہ میں عطا کر دی۔ یہاں کی گرمی نے مجھ کو آبلوں سے گوندھ دیا۔ بڑی تکلیف اٹھائی۔

۱۳۔ جون۔ بھونگیر کو واپسی۔ یہاں تعلقدار صاحب موجود نہیں ہیں۔ لہذا کام ملتوی اور حیدر آباد کو روانگی۔

۲۰۔ جون۔ تعارف کے خطوط لیکر سنگھار ٹیڈی جانے کا عزم ہوں۔ پانچ دن گزر گئے۔ ۲۵۔ کو مولوی نور اللہ صاحب حسینی کی طرف سے اسلامیہ بورڈنگ ملک پیٹھ میں مدرسہ کی حالت دیکھنے کے لئے طلب کیا گیا۔ یہ مدرسہ تین سال سے قائم ہے۔ ڈل تک تعلیم کی جماعتیں ہیں اور بورڈنگ کا انتظام نہایت اچھا ہے۔ تربیت کی خاص فکر رہتی ہے۔ لیکن افسوس کہ مقامی آب و ہوا اسکو نشوونما نہیں بخشتی۔ مولوی نور اللہ حسینی صاحب نے محض اپنی عالی ہمتی سے یہ مدرسہ کھول دیا ہے۔ ایک انگریز ہیڈ ماسٹر ہے۔ مگر چونکہ اب مولوی صاحب ممدوح شہر سے تبدیل ہو گئے ہیں اس لئے انکے بعد کوئی کام کرنے والا نہیں ملتا۔ پچاس کے قریب طلبہ تھے۔ وہ گھٹ کر ۱۲ رہ گئے ہیں اور عنقریب سب جانے والے ہیں۔ مدرسہ تین ہزار روپے کا مقروض ہے۔ مولوی صاحب ممدوح نے بہت سعی فرمائی کہ حکام و عمال ضلع مدرسہ کی اعانت پر توجہ کریں لیکن کسی نے انکی بات نہیں سنی پریشان ہو کر مجھ سے رے پوچھی کہ آیا مدرسہ توڑ دیں؟ میں نے اکیبار اور بہمت سے کام لینے کی صلاح دی اور انکے حسب خواہش علیگڑھ سے

ایک ہیڈ ماسٹر طلب کیا ہے۔ خدا کرے کوئی ملجائے اور یہ کام برباد نہ ہو۔ مولوی صاحب ممدوح یکم جولائی کو محبوب نگر جانے والے ہیں۔ موٹر کی سواری ہوگی۔ میں بھی انکی معیت کے لئے رکا ہوں۔ ساتھ جاؤں گا۔ بعد میں تاریخ روانگی اور آگے بڑھ گئی۔ اسلئے ۴۔ جولائی کو میں یکم ملی کے راستے سے پٹن چرو چلا گیا۔ یہاں کے تعلقدار نواب فرامرز جنگ بہادر کے نام نواب وقار الملک (مروجہ) کا خط تعارف آگیا تھا۔ ۱۰۔ جولائی کو پٹن چرو پہنچا۔ نواب فرامرز جنگ بہادر باخلاق تمام پیش آئے اور نواب مولوی امیر حسن صاحب اول تعلقدار محبوب نگر کے نام تعارف نامہ دیکر پہلے وہاں جانے کا ایما فرمایا۔ راجہ صاحب وپرتی کے نام بھی ایک سفارش نامہ تحریر فرمادیا جس میں ایک وظیفہ دو سال کے لئے عطا کرنے کی تحریک زوردار لفظوں میں کی تھی۔ غرض کہ ۱۱۔ جولائی کو میں پھر حیدر آباد پلٹا اور مولوی نور اللہ حسینی صاحب کے ہمراہی کا منتظر رہا۔

پٹن چرو میں مولوی سید ضیاء الحسن صاحب مددگار صوبہ داری بہت اچھے لوگ ہیں۔ انکے اخلاق کیریما نہ اور مہمان نوازی سے لطف اندوز رہا۔

۱۵۔ جولائی کو مولوی سید نور اللہ صاحب حسینی کے ساتھ موٹر پر ناگر نول کی طرف روانہ ہوا۔ چار بجے شام کو موٹر ملک پیٹھ سے یاہرنکلی تھی۔ راستہ میں صرف ایک جگہ آدھے گھنٹہ کے لئے روکی گئی۔ اسکے بعد پوری سرعت سے رواں رہی۔ رات اور وہ بھی چاندنی رات۔ جنگل اور کوسوں کا جنگل۔ صاف میدان۔ ابر جھوم جھوم کراٹھتے اور امنڈتے۔ مگر چاند کی زیارت کر کے ہمارے لئے روشن راستہ چھوڑ جاتے تھے۔ اس سفر کا لطف یادگار رہے گا۔ ناگر نول تک چالیس کوس کا فاصلہ آٹھ گھنٹہ میں طے ہوا۔ گیارہ بجے شب کو وہاں پہنچ گئے۔ یوں تو نو بجے تک پہنچ جانا ہوتا لیکن راستہ میں کالی ندی پڑتی ہے۔ جو ناگر نول سے

دو کوس پر ہے۔ وہاں موٹر دلدل میں پھنس گئی اور اس کے نکلوانے کے واسطے جو ایک دیہات سے آدمی بلوائے گئے۔ اس محصہ میں دو گھنٹہ کی دیر ہو گئی۔

ناگہ کر نول۔ میں ایک ہفتہ قیام رہا۔ جمعہ کے دن مسجد جامع میں میرا بیان ہوا۔ مسلمانوں کا عام مجمع بہت بڑا تھا۔ مولوی سید نور اللہ حسینی صاحب کے اخلاق حسہ کی تعریف نہیں کیجا سکتی۔ گورنمنٹ نظام کے متدین ملازمین میں ہیں۔ راعی اور رعایا کا لحاظ رکھتے ہیں۔ علمی دل چسپی کا ثبوت یہ ہے کہ بدوہ حیدر آباد میں خاص اپنی کوشش اور خرچ سے ایک مدرسہ جاری کر رکھا ہے۔ نونہالان قوم و ملک کی سرسبزی و بار آوری کے دل دادہ ہیں۔ کانفرنس کے لئے یہاں بھی کچھ چندہ ہو گیا۔ اور فراہمی چندہ میں تحصیل کے پیشکار صاحب نے سعی مشکور فرمائی۔

گوپال پیٹھ۔ ۲۳۔ جولائی کو مولوی سید نور اللہ صاحب حسینی نے اپنی موٹر عطا فرمائی اور راجہ صاحب گوپال پیٹھ کی خدمت میں روانہ کیا۔ اگرچہ تقلید راجہ صاحب کا خط راجہ صاحب کے نام لے گیا تھا۔ لیکن وہ بے اثر رہا۔ ہاں مولوی فرید الدین صاحب مددگار مال ریاست گوپال پیٹھ نے اپنی سعی جمیل سے مجھ کو معتمد صاحب ریاست سے ملا دیا۔ مولوی فرید الدین صاحب ریاست حیدر آباد میں بلحاظ پابندی شرع و اسلامیت صحیحہ فرد فرید ہیں۔ سید نیک نفس۔ قدیم بزرگوں کے نقش قدم پر چلنے والے خلیق متواضع۔ طنسا۔ سچی سادی زندگی کے پابند۔ قول و فعل میل ملاپ۔ ظاہر و باطن میں یکساں اتنی خوبیاں اس ذات گرامی میں جمع ہیں کہ کم کسی میں ملینگے۔ معتمد صاحب ریاست گوپال پیٹھ سے ملوانے اور میرے مشن میں معین ہونے کے متعلق رام چند رائے صاحب تحصیلدار کی عنایت بھی شکر گزاری کے قابل ہے۔

میرا قیام و طعام جناب مولوی فرید الدین صاحب کے ساتھ ہے۔
اور انکی بابرکت صحبت سے عجب روحانی لذت حاصل ہو رہی ہے۔

۲۵۔ جولائی کو جناب راجہ صاحب گوپال پیٹھ نے سردار اندکرم سے
مجھ کو دعوت دی اور شام کو ملاقات بھی فرمائی۔ سرخوش کیف صہبا تھے۔
باتیں تو کچھ نہیں ہوئیں۔ صرف نواب وقار الملک بہادر دم حوم کی خیریت
دریافت کی کیونکہ اُنکے اس ریاست پر خاص احسانات ہیں۔ اور اسی وجہ
یہ تمام ریاست نواب صاحب کو اب تک تہ دل سے یاد کیا کرتی ہے۔ جناب راجہ
صاحب کو علی گڑھ کالج سے کوئی دلچسپی تھی۔ یا شفا رشی خطا کا اپنر کوئی اثر تھا اُنکو
میں نہیں محسوس کر سکا۔ مگر نواب صاحب کے نام کا سحر کام کر رہا تھا۔ اور آخر کار
مالِ لعینہ روپیہ حالی اس ریاست سے مل گئے۔ متحدہ ریاست منشی پارسنیا
ریڈی صاحب بید خلیق اور محمدی الصفات انسان ہیں عطیہ مذکور ہ
انھیں کی کوشش سے حاصل ہوا اور اپنر مولوی فرید الدین صاحب نے انزوالا۔
ناگر نول کے امین مظہر علی صاحب سے ملاقات ہوئی۔ شاعری سے
ذوق اور شاعرانہ مزاج پایا ہے۔ یکم اگست کو گوپال پیٹھ سے واپس چلا۔ مولوی
فرید الدین صاحب مع صاحبزادگان کانول کے باہر تک رخصت کرنے کے
لئے آئے۔ اُنکی بزرگانہ محبت اور عالمان ربانی کی سی زندگی سے مجھ پر
جو اثر تھا اُس نے بوقت الوداع مجھ کو اشکبار کیا اور مولانا بھی آبدیدہ ہوئے۔
ریاست گوپال پیٹھ کا ایک سپاہی میری معیت میں تھا۔ صاحب حسین
نام۔ اسکے ساتھ روانہ ہوا۔ ۱۲ بجے گوپال پیٹھ سے روانہ ہو کر ۳ بجے دینرتی
پہنچا۔ یہ بھی ایک ریاست ہے۔ اسکے معتمد مددگار لکشمی ناتھ ریڈی صاحب
سے ملاقات ہوئی۔ نہایت خلقت سے ملے اور باغ خاص میں آرام و راحت کی

جگہ دی۔ رات کو سنا اور صبح سے بیچیش میں مبتلا ہو گیا۔ ریاست کے ڈاکٹر صاحب علاج کے لئے آئے۔ دو اسے شب کو فائدہ رہا۔ مگر صبح سے بیچیش و ق کر رہی تھی۔ راجہ صاحب بہادر ونیرتی سے باغ میں صاحب سلامت ہو گئی۔ طبیعت خراب تھی اس لئے میں دیر تک کھڑا نہ رہ سکا۔ دوسرے وقت حاضر خدمت ہونے کا عذر کر کے ٹل آیا۔

میری قیام گاہ بستان منزل کا بالائی حصہ ہے۔ یہاں سے تمام باغ کا اور اُسکے بیرو سجات کا سماں پیش نظر ہے۔ سبزی کی دلکشی کیا بیان کروں۔ خرابی صحت کے لئے یہی دلکشا منظر بہترین علاج ہو رہا ہے۔ ایک کشادہ ہموار میدان چھوٹی چھوٹی پھاڑیوں کے حلقہ میں محصور ہے۔ یہی ٹیکریاں حدود باغ ہیں۔ ہر چار طرف روش پٹریاں بنی ہیں۔ چمنوں میں خوشنما اور خوشبو پھولوں کے پودے۔ شردار درختوں اور آم کے پودوں کے تنختے۔ ترشادہ کی کیا ریاں۔ سبزہ کے میدان۔ بہت ہی دل فریب اور جاذب نگاہ چمن زار ہے۔ اور کنبوتروں کی پالی اپنے لطف الگ دکھا رہی ہے۔

۴۔ اگست۔ چار بجے شام کو راجہ صاحب بہادر نے سواری ارسال فرمائی اور محل خاص میں طلب فرما کر شرف ملاقات بخشا۔ دیر تک مختلف مباحث پر گفتگو فرماتے رہے۔ رئیسانہ کرم سے مسرور کیا۔ آخر کو عطر و پان عطا فرما کر رخصت کیا اور علی گڑھ کا لچ کے لئے دس روپیہ ماہوار کا ایک وظیفہ میعاد دی دو سال یعنی مال للعہ روپے کلدار نقد مرحمت فرمائے۔ میں نے مناسب مقام شکریہ ادا کیا اور ہاتھ ملا کر رخصت ہوا۔

دوسرے دن۔ ۵۔ اگست کو شکرم کی سواری پر ونیرتی سے روانہ ہوا۔ راستہ میں شام کو بمقام شکر کوٹ پولیس کے تحفانہ میں قیام کیا۔ اور

۴۔ اگست کی صبح وہاں سے روانگی ہوئی۔ دو بجے دن کو جانم بیٹھ آیا۔ یہاں بھی پولیس اسٹیشن ہی میں ٹھہرنے کی جگہ ملی۔ وہیں کھانا پکوا کر کھایا۔ آدمیوں نے بھی کھایا پیا اور گاڑی کو بھی سکون ملا پھر یہاں سے روانہ ہو کر ۶ بجے شام کو محبوب نگر پہنچ گیا۔ مولوی فخر الدین صاحب موہانی سررشتہ دار عدالت دیوانی کے یہاں فروکش ہوا۔ شب کو بخارا اور بیچش نے آسودہ ہو کر سونے نہ دیا۔ صبح ۷۔ اگست کو ملک نعمت اللہ صاحب ناظم دیوانی سے ملنے گیا۔ آپ نے مجھے اپنے ہاں جگہ دی اور سررشتہ دار صاحب کے یہاں سے میرا اسباب منگوا لیا۔ مرض بڑھتا جاتا تھا حکیم انصار حسین صاحب خیر آبادی کا علاج کرتا ہوں۔ محبوب نگر میں گھر کے خطوط اور دیگر ڈاک ملی۔ گھر کے خط سے بہاوج مرحومہ کی خبر وفات معلوم کر کے بیحد قلق ہوا۔ کسی عزیز و قریب کی خبر وفات اور وہ بھی سفر میں ملے۔ اسکے آلم فرا اور ہوش ربا ہونے کا اندازہ وہی کر سکتا ہے جس کو خدا نخواستہ اس صدمہ سے دوچار ہونا پڑا ہو۔ صحت میں جو کچھ ترقی ہوئی تھی وہ سب جاتی رہی اور طبیعت پھر گر گئی۔ ایسی نیک اور بے زبان بی بی۔ سراپائیکی۔ فرشتہ خصلت۔ اِنَّا لِلّٰہ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ۔ ۴۔ جولائی ۱۹۱۱ء بوقت پونے چار بجے شام رحلت کی۔ افسوس!

مولوی سید امیر حسین صاحب قبلہ تعلقدار اول محبوب نگر بہت بزرگانہ الطاف فرماتے رہے۔ مقامی حالت آنکو کا نفرنس کے کام میں معین ہونے سے مانع ہوئی۔ ناظم صاحب کی تحریک و کلام کے حلقہ میں کچھ اثر گر گئی اس سے معمولی اعانت مل گئی۔

مولوی ملک نعمت اللہ صاحب ناظم عدالت دردمند صادق القوال اور نیک نیت بزرگ ہیں۔ انکی خدمت میں نیا ز حاصل کر کے دلو خواص

مسرت ہوئی۔ ۱۲۔ اگست تک میں محبوب نگہ میں ٹھہرا۔ اور ۱۵۔ اگست کو سید رضا حسین صاحب وکیل کے ساتھ ٹانگہ پر جڑ تلہ تک آیا۔ وہاں سے رائے کرشنا ریڈی و سکھ صاحب کی گاڑی مل گئی۔ اور شام کو فرخ نگر پہنچ گیا۔ ڈاک بنگلہ میں مقیم ہوں۔ ڈاک بنگلہ اچھی جگہ واقع ہے۔ ۱۴۔ اگست صبح کو ایک پورا جھٹکا کرایہ کر کے حیدر آباد چلا۔ ۴ بجے شام کو بلدہ میں آگیا۔ ۱۴۔ اگست حیدر آباد سے براہ لنکھم پٹی۔ پٹن چروہ پنچا اور مولوی سید ضیاء الحق صاحب مددگار صوبہ دار کا مہمان ہوا۔ شام کو نواب فرامزیا ر جنگ بہادر سے ملاقات ہوئی۔ محی الدین احمد خاں صاحب میرمنشی گلبرگہ بھی یہاں موجود تھے۔ نواب صاحب نے تعلقدار صاحب سنگا ریڈی کے نام خط سفارش دیا۔ ۲۰۔ اگست بسواری جھٹکا سنگا ریڈی پہنچا۔ جھٹکا تیز رفتار تھا۔ ورنہ راستہ کی خرابی نہایت اذیت دیتی۔ پھر بھی تمام بدن زکان سے چور ہو گیا تھا۔ غازی پور کے بیرسٹر مسٹر محمد یحییٰ صاحب یہاں وکیل سرکار ہیں اور میرے دیرینہ کرم فرما۔ سید ہا آنکے مکان پر چلا گیا۔ بیرسٹر صاحب عدالت میں تھے۔ نوکروں نے تیز کے ساتھ مجھ کو ٹھہرایا۔

سنگا ریڈی تعلقہ ہے۔ مگر آبادی ایک مختصر قریہ سے زیادہ نہیں۔ نہ کوئی عمارت نہ خاص اور قابل ذکر جگہ۔ شام کو اول تعلقدار نواب سہراب نواز جنگ بہادر سے ملا۔ پارسی قوم کی روشن دلی اور خلق پاشی محتاج بیان نہیں۔ ایسے لطف سے ملے کہ روح تازہ ہو گئی۔ میں نے پارسی اصحاب میں ہمیشہ خوبیاں ہی دیکھی ہیں۔ بہت عالی منش انسان ہوتے ہیں۔ مجھ کو اپنے ہمراہ کلب میں لے گئے۔ بہت سی باتیں کیں علی گڈہ کالج و کانفرنس کی امداد پر اچھے الفاظ میں آمادگی ظاہر فرمائی اور اسکو اپنا فرض بتایا۔ نواب وقار الملک بہادر (مرحوم) کو ادب کے ساتھ یاد کیا۔ اور انکی عنایت کا شکریہ ادا کرتے

رہے۔ دوسرے دن ایک خاص جلسہ کیا۔ اس میں میرا مختصر بیان ہوا۔ اسکے بعد
تعلقہ دار صاحب بہادر اور مسٹر محمد یحییٰ صاحب نے بھی ورفشانی کی۔ یہاں سے
معقول امداد ملی۔ تحصیلدار صاحب سنگار پٹی کی محنت خاص شکریہ کے
لائق تھی۔

یہاں کی پبلک زندگی صرف شام کے وقت کلب کی صحبت آرائی۔
تابش بازی۔ گپ شپ پر منحصر ہے۔ مسٹر محمد یحییٰ صاحب بیرسٹر اور مولوی حافظ
ثابت علی صاحب وکیل۔ دو انسان نواز۔ مسافر دوست ہستیاں۔ اس
مقام میں غنیمت ہیں۔ اور نواب سہراب نواز جنگ بہادر کا خلق و کرم ناقابل فراموشی۔
یکم ستمبر ۱۹۱۶ء سے خاص بلدہ میں کام آغا ز کیا گیا۔ صرف ایک مولوی
عبداللہ صاحب بی۔ اے۔ علیگڑہ نمائی اور امداد کرنے والے تھے۔ آپ کی
پاکیزہ دلی۔ نیکی۔ خلق و کرم۔ اور ہمدردی قوم کا وصف بیان نہیں کیا جاسکتا۔
لیکن مرکز ایسا ہے کہ بڑے بڑے عمائد تک نہیں پہنچا سکتے تھے۔ مجھ کو یہ فکر کہ اہل جاہ
و اصحاب پا نگاہ سے اعانت حاصل کروں۔ جستجو تھی اور کسی خضر راہ کے ملنے کی
آرزو۔ مولوی صاحب نے پہلے مولوی عبدالغنی صاحب وارثی اسسٹنٹ صدر
محاسب صاحب سے اور پھر مولوی قطب الدین صاحب بی۔ اے۔ علیگ
مددگار معتمد مال سے روشناس کرا دیا۔ اور ان دونوں صاحبوں نے اپنے
زیر اثر حلقہ میں کوشش فرمائی۔ محاسبی سے نو۔ اور مالگذا رسی کے شعبہ سے
پچاس کے قریب اصحاب کا نفرنس کے ممبر ہو گئے۔

۸۔ ستمبر۔ رات کو مسٹر ترازب علی صاحب کے ہاں دعوت تھی۔ اس
دعوت میں میزبان ممدوح نے مجھ کو کئی با اثر لوگوں سے روشناس کر دیا۔ اور
کام کا راستہ کھل گیا۔ ارباب جاگیر حیدر آباد کی عام توجہ شان ریاست دکھائے

اور لطف امارت اور عیش آڑانے کے سوا کسی مفید قوم یا ملک۔ بلکہ مفید ذات کام پر اتنی کم ہے کہ گویا بالکل نہیں۔ جب تک کسی ذریعہ سے اُن کے آستان تک رسائی نہ ہو۔ قومی سائل اور تعلیمی نوحہ گر کی صدا سمع مبارک تک کیسے پہنچ سکے۔ میں سوچ رہا تھا کہ نواب سر سالار جنگ اعظم مرحوم اور نواب سر آسمان جاہ بہادر مغفور کے جانشینوں تک پہنچوں اور کانفرنس کی رپورٹ نذر کروں۔ اسی فکر میں دوا دوش کرتا تھا۔ دن بھر لوگوں سے ملتا۔ راستہ کو افضل گنج میں حکیم محمد احمد صاحب کے یہاں اپنے فرو دگاہ پر آکے پڑ رہتا۔ رمضان کا مہینہ ہے سات آٹھ دن سحری کے وقت حکیم صاحب کا ساتھ ہونے سے خاص لطف ملجاتا تھا۔ اس کے بعد نزل کے ہاتھوں میں گرفتار اور میں بے یار غمگسار۔ یکم اکتوبر تک یہی لیسل ونسار رہے۔

۲۔ اکتوبر۔ آج بلدہ میں ایک رسم مشاہدہ کی۔ قدیم زمانہ سے قاعدہ چلا آتا تھا کہ ناظم امور مذہبی ماہ مبارک رمضان میں دن کو شہر کی حالت متنا کرنے کے لئے گشت فرماتے تھے۔ جس گھر سے چھوٹے کا دہواں نکلتا ہوتا اسکو لٹوا لیا کرتے۔ خلاف شرع امور دیکھ کر تکبیر پر حد شرعی جاری فرماتے تھے بے روزہ دار مسلمان ملتا تو اسکو تادیب کرتے تھے۔ اب صرف ایک دن یعنی ۲۷۔ رمضان کو یہ دیرینہ رسم یوں ادا ہوتی ہے کہ ناظم صاحب محض گشت فرماتے ہیں اور کہیں کچھ روک ٹوک بھی کر لیتے ہیں۔ ریاست کے قانون میں اس روک ٹوک کی کوئی اجازت نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ماہ مبارک میں ہتک حرمت صوم یہاں بھی اسی طرح عام ہے جیسے غیر مسلم حکومتوں کے قلمرو میں۔ اور ایک مسلمان جسکو اسلام کا پاس و لحاظ ہو ضرور اس بات سے ناگوار اثر لے گا۔

۸۔ اکتوبر ۱۹۱۷ء۔ مولوی عبدالحق صاحب اور سید ہاشمی فرید آبادی کے ہمراہ گول گنڈہ آیا۔ مولوی مظفر لدین صاحب کپتان کامنمان ہوں۔ ڈاکٹر شرف الحق صاحب سے نیاز حاصل ہوا۔ ایڈنبرا یونیورسٹی کے سند یافتہ اور مولوی نصیر احمد صاحب کے نواسہ ہیں۔ بڑے خلیق و دلنسا رہیں۔ ہونہار ذات ہے۔ مولوی عظمت اللہ صاحب لفٹنٹ سے ہی ملاقات ہوئی آپ علی گڑھ کے اولڈ بوائے اور اولڈ بوائز ایسوسی ایشن کے سکریٹری بھی ہیں۔ انہوں نے کام میں مدد دی۔ خود بھی ممبر ہو گئے۔ کپتان شفیع صاحب سے ملنا ہوا۔ رات کو ڈاکٹر شرف الحق صاحب نے روک لیا۔

۹۔ اکتوبر۔ بلدہ کو واپسی ہوئی اور اسی دن حسن اتفاق سے مولوی محمد حسین صاحب رزاقی کپتان پانگاہ نواب بشیر الدولہ بہادر سے مولوی عبدالباق صاحب کے یہاں ملاقات ہو گئی۔ آپ نے وقت و موقع پر مجھے نواب صاحب ممدوح کے حضور میں پیش فرما دینے کا وعدہ کیا۔ اور مزید خوش سختی یہ ہوئی کہ ۱۱۔ اکتوبر ہی کو انہیں ایسا موقع مل گیا۔ ۴ بجے رات کو ایک سوار بھیج کر اطلاع دی کہ والا شان نواب معین الدین خاں صاحب بہادر شکار پر جانے والے ہیں۔ آپ آسمان گڑھ آجائیے۔ تا امکان تقریب کی صورت نکالوں گا۔ یہاں تو دل سے لگی تھی جھٹ پٹ تیار ہو گیا۔ بمشکل تمام ایک جھٹکا مل گیا اور وہاں پہنچا۔ مولوی احمد حسین صاحب نے مجھے اپنی ذات سے بیگانہ و شرمینے کی ہدایت فرمائی۔ اور کپتان رضا علی صاحب سے ملو اگر نواب صاحب بہادر کے حضور میں پیش کرنے کی سفارش کر دی۔ کپتان رضا علی صاحب نے بڑی عنایت سے یہ کام کر دیا۔ اور جیسے ہی نواب صاحب محل سے برآمد ہوئے جھٹکا انکی خدمت میں پیش کر دیا۔ نواب صاحب کریمانہ اخلاقی سے پیش آئے۔ فرمایا کہ بروز شنبہ پانچ بجے شام کو بشیر باغ میں آکر ملنا۔ چنانچہ

بروز موعود کمال کشادہ دلی سے باریابی بخشی اور قومی کام میں اعانت کی امید دلائی۔ نوازش کے ساتھ رخصت کیا۔

مولوی عبدالغفور صاحب سررشتہ دار اسٹیٹ نواب سالار جنگ بہادر اور حافظ محمد اسحاق صاحب عباسی وکیل نے ناظم صاحب اسٹیٹ نواب سالار جنگ بہادر تک پہنچایا اور اس دربار تک رسائی کا زینہ ملگیا۔ ۱۵۔ اکتوبر کی شام کو ۵ بجے موٹر پر مولوی مسعود علی صاحب و ڈاکٹر حامد علی صاحب کے ساتھ

عالی جناب نواب سالار جنگ بہادر

کے حضور میں باریاب ہوا۔ رپورٹ کا نفرنس نذر گذرانی۔ ایڈرس پڑھا۔ ہمتیا کریمانہ تپاک اور عنایت سے ملے۔ ایسا کرم فرمایا کہ بندہ نوازش بنا لیا۔ اور اسکے بعد سے ہمیشہ خاص گوشہ خاطر میں جگہ دی۔

جج کو اکثر رؤساء اور صاحب مرتبت اصحاب سے ملنے کا اتفاق ہوا ہے۔ میں بصدق تمام کہتا ہوں کہ ایسا ذی علم۔ علم دوست۔ وسیع المعلومات رئیس مجھ کو کوئی نہیں ملا۔ ایک گھنٹہ تک تعلیمی امور پر گفتگو فرماتے رہے۔ پوری مدد دینے کا وعدہ فرمایا۔ اور اس وعدہ کو ہر موقع پر وفا فرماتے رہے۔ اسکے بعد مجھ کو ایک دن بریک فاسٹ پر بلایا۔ ہم طعامی و ہم کلامی کی عزت بخشی۔ حیدر آباد میں ایک یہی ذات میری ترجیح آمال ہے۔ جو وقت سنتے ہیں کہ منظرِ علم بلدہ میں آگیا۔ یاد فرماتے ہیں۔ کریمانہ اخلاق سے ملتے ہیں۔ نظرِ رحمت فرماتے ہیں۔ نہایت ہونہار ذات ہے۔ خداوند پاک قایم و سلامت رکھے۔

اسی سرکار میں مولوی سید امین الحسن صاحب رضوی تسبیح موبائی سے نیاز حاصل ہوا۔ سادات و شرفائے موبان اپنی خوبیوں میں بے مثل انسان ہیں۔ علم ہونر

کے دلدادہ طبیعت دار۔ ملنسار۔ سجا بخت و شرافت کے پتلے اور شرافت نواز مولوی امین الحسن صاحب کی روشناسی اور انکی کرم فرمائی پر مجھ کو بجا ناز ہے۔ اس ذات کے ساتھ تعارف کا ذریعہ عزیز خاطر مولوی سید معصوم علی صاحب الہی ہوئے ہیں۔ انکا یہ احسان نہ بھولیکہ اگر ایک دلچسپ علم و دست قابل شاعر سے ملا دیا۔ جو وقت باریابی کامل جاتا ہے خوب کٹتا ہے۔ مگر مجھے افسوس ہے کہ وقت کتنا بھی طویل ہو مجھ کو کم ہی محسوس ہوتا ہے۔

مولوی سید معصوم علی صاحب دار ثقی۔ کی عزیزانہ محبت اور انکا خاص خلوص۔ کیا بیان کروں۔ انکی دید میرے لئے عید ہوتی ہے۔ عجیب سعید طبیعت پائی ہے۔ اور عالی منشی کا حصہ وافر۔ مولوی سید حیات الحسن صاحب رضوی موہانی ناظم عدالت (جج) خاندان موہان کے رکن۔ اور اپنے اوصاف حسنہ میں بے مثل ہیں۔ مظهر پر بزرگانہ کرم فرماتے اور چھوٹے بھائی کی جگہ سمجھتے ہیں۔ انکی خدمت میں پہنچ کر خاص راحت پاتا ہوں۔ اور ایک بزرگ کے زیر سایہ ہونے کا لطف اٹھاتا ہوں۔

۱۸۔ اکتوبر ۱۹۷۶ء۔ عالی جناب نواب معین الدین خاں صاحب بہادر نے ایک ہزار روپیہ سکہ محبوبہ کا عطیہ بخشا۔ خدائے پاک انکی عمر و اقبال کو دراز کرے۔ عالی جناب نواب سالار جنگ بہادر نے دو ہزار روپیہ کا عطیہ منظور فرمایا۔ مگر چونکہ علاقہ زیر نگرانی سرکار عالی نظام دام ملکہ ہے۔ اسلئے کئی زمین منظور کی کے طے کرنے تھے۔ تب یہ رقم وصول ہو گئی۔ چنانچہ ۲۰۔ نومبر تک ان دونوں عطیات کی وصولی ہو سکی۔ نواب معین الدین خاں صاحب بہادر کے یہاں رائے شیخ بہادر صاحب میر مجلس باوجودیکہ عید خلیق و باقرات انسان تھے اور انہوں نے حکم روپیہ دینے کا صادر کر دیا تھا۔ لیکن سید مصطفیٰ صاحب جو پوری دار و نعم حبيب خاص جو یہ رقم دیتے ان کے

لیت و لعل نے سخت پریشان کیا جسکی وجہ سے نواب صاحب تک شکایت پہنچا
کی دہکی دینا پڑا تب کہیں سید صاحب نرم ہوئے اور روپیہ ادا کیا۔ قومی چندہ
کا روپیہ۔ میں انکی شیرینی کہاں سے نذر کرتا۔ خوب دوڑایا۔ اور بڑا دکھ دیا۔

نواب سالار جنگ بہادر کے یہاں کا عطیہ مسٹر ڈنلاپ صاحب معتمد مال
مولوی قطب الدین احمد صاحب مددگار معتمد مال اور جناب حسین خاں صاحب
مددگار۔ مولوی محمد علی صاحب سکرٹری مدارالمہامی۔ مولوی فضل حق صاحب۔
راجہ لالتا پرشاد صاحب بہادر۔ مولوی حافظ محمد اسحق صاحب عباسی وکیل اور
مولوی عبدالغفور صاحب وغیرہ کی توجہ فرمائی سے منظوری کے زینے طے کرتا ہوا۔
بغیر کسی زحمت کے مل گیا۔

۱۹۔ اکتوبر۔ مولوی سید امین الحسن صاحب رضوی کے ساتھ منو ہر آباد
آیا۔ مولوی سید معصوم علی وارثی سے ملے گیا۔ سید معصوم کی خاص محبت اور
خاطر داریاں کبھی بھولنے کی نہیں۔ معصوم کی شادی خانہ آبادی ہونے والی ہے۔
انکا دل تو یہ چاہتا ہے کہ سارا حیدر آباد اٹھا لیجاؤں۔ اہل وطن کی تمناؤں کا دامن
بشرط امکان مال مال کر دوں۔ مگر امکان سے باہر کون کام کر سکتا ہے۔ تاہم بلند
کے اقتضا سے بڑی کوشش کر رہے ہیں۔ انکی شریف مزاجی اور خوشدلی کے
گرویدہ جائیں گے اور انکی تمنا پوری کر کے عزت بڑھائیں گے۔ واہ کیا پاکیزہ
سرشت عزیز ہے خداوند عالم اسکو اپنے سایہ حفاظت و حمایت میں پروں
چڑھائے اور کامیاب دارین بنائے۔ مظہر کی محبت بھری دعائیں لے آئیں۔
۲۰۔ اکتوبر۔ معصوم رخصت لے چکے ہیں۔ چارج دینے منو ہر آباد گئے ہیں۔

مولوی امین الحسن صاحب عیدیم الفرصت۔ کام ختم ہو چکا۔ سخت گہرا تار ہوں۔
حیدر آباد سے جانا چاہتا ہوں۔ مگر آب و دانہ رو کے ہوئے ہے۔ بقرعید کر کے حیدر آباد

سے روانہ ہونے کا غم ہے۔ اسی اثنا میں ۱۲۔ دسمبر کو والد ماجد کا خط ملا۔ اس سے دادا حافظ عبدالغنی صاحب مرحوم کی خبر صلت معلوم ہوئی۔ ۸۔ دسمبر ۱۹۱۱ء دس بجے صبح کو انتقال ہوا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

بقرعید کر کے ۱۲۔ دسمبر کو حیدر آباد سے روانہ ہوا۔ ۱۴۔ دسمبر کو ناگپور پہنچا۔ خان بہادر ایچ۔ ایم۔ ملک کا مہمان اور اجلاس کانفرنس کے اہتمام میں مصروف ہوا۔ ۲۔ جنوری تک کانفرنس ولیگ کے اجلاس سے فراغت کی کہ کانفرنس اسٹاف کے ساتھ الہ آباد آیا اور نمائش خوب دیکھی۔

۴۔ جنوری ۱۹۱۱ء کو ردولی پہنچا۔ وطن میں شیعہ و سنی کی جنگ نے طوفان بے تمیزی بپا کر رکھا ہے۔ انجمن رفاۃ المسلمین ردولی میں قائم ہوئی ہے۔ ابھی تازہ جوش ہے۔ لیکن ڈر ہے کہ اگر اس انجمن کو روز بد و کیہنا پڑا تو رباب برادری ہی کے ہاتھوں اسکا جنازہ نکلیگا۔ یہ کیوں؟ اسلئے کہ اوبار کی باہر جگہ پہلے مغز طبقہ پر اثر ڈالتی ہے۔ اور نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اس طبقہ سے زیادہ پس ماندہ کوئی نہیں رہ جاتا بارالہ!۔ انکو اصلی شرافت اور اصلاح کی سمجھ روزی کر۔ آخر فردوسی وطن میں رہنا ہوتا۔ اور یکم مارچ کو پھر سفر کر کے ۳۔ مارچ کو علی گڑھ اپنے کام پر پہنچ گیا۔ وہاں سے ۲۲۔ مارچ کو حیدر آباد روانہ ہو گیا۔ بھلسہ میں دو دن قیام کیا ۲۲۔ ۲۳ کو

حیدر آباد پہنچا۔ مولوی عبدالغنی صاحب مددگار صدر محاسبی کے یہاں قیام ہے اور اعلیٰ حضرت سے محمدن یونہور سٹی کمیٹی منعقد کرنے کی اجازت طلب کی گئی ہے۔ بیکاری میں دن کٹ رہے ہیں۔ کہ فرمایاں حیدر آباد کی صحبت سے دل بستی رہتی ہے۔

۱۴۔ اپریل ۱۹۱۱ء کو نواب عماد الملک بہادر۔ نواب خدیو جنگ بہادر۔ مولوی غلام اکبر خاں صاحب وکیل۔ مولوی سید غلام جبار صاحب وکیل۔ مولوی ابوالقاسم صاحب وکیل۔ مسٹر محمد اصغر صاحب بیرسٹر۔ مولوی سید احمد صاحب مددگار

محاسبی۔ مولوی سید عبدالغنی صاحب مددگار محاسبی اور بندہ خاکسار سے ایک پویش مرتب ہو کر نواب سالار جنگ بہادر کے حضور میں مسلم یونیورسٹی کے لئے طالب امداد ہوا۔ نواب صاحب بہادر نے غدرِ حقول فرمایا اور ارشاد کیا کہ با اختیار نہونے کی وجہ سے بلا اجازت اعلیٰ حضرت کے تعین رقم نہیں کر سکتا۔

اسکے بعد وطن کے خطوط سے ردولی میں طاعون کا زور اور اعتراضات اقربا کی حزن آفرین خبر ہائے رحلت کا اس قدر مسلسل اور روح فرسا حال معلوم ہوتا رہا۔ کہ کام میں بالکل دل نہ لگ سکا۔ اور اصل میں کام بھی کچھ نہ تھا۔ مدار المہام حسب بہادر کے یہاں سے درخواست کا جواب نہیں آتا تھا۔ انتظار میں بیکا روں گذر رہے تھے۔

۲۷۔ اپریل ۱۹۱۱ء کو مولوی حاجی محمد نعمت الرحمن مرحوم کی خبر وفات سن کر جگر خون ہو گیا خوب رویا بہت بے قرار ہوا۔ آہ ردولی میں رہنے کا لطف جاتا رہا۔ سب سے برگزیدہ عزیز اور رفیق نے سفر آخرت اختیار کیا۔ ۲۵۔ ربیع الثانی ۱۳۲۹ھ اہم تاریخ رحلت ہے۔ انا لله وانا اليه راجعون۔

شروع مئی میں ردولی سے مرض کے سکون کی خبریں آئیں۔ میں دوا دوش کرتا اور بے سود کوشش سے تھک گیا تھا۔ ۲۴۔ مئی ۱۹۱۱ء کو عزیز سید معصوم اپنے سٹمپٹل لے گئے۔ مولوی امین الحسن صاحب بسمل موہانی کی پر لطف ہم نشینی بھی زخم دل کو مندیل نہ کر سکی۔ آٹھ روز چل پل رہی۔ لیکن ننھے مرحوم کی یاد ایک دم نہیں بھولتی تھی۔ کپٹل سے واپسی پر مولوی عبدالحق صاحب نے فرمایا کہ کیوں وقت راگلاں کر رہے ہو۔ علی گڑھ واپس چلے جاؤ۔

مولوی سید عبد المجید صاحب مددگار معتمد مجلس عالیہ عدالت جو مولوی سید عبدالغنی صاحب کے ہم خانہ ہیں۔ اس آمد کی ابتدا سے مجھ پر خاص کرم فرماتے رہے۔

اور ایک ہینڈ بیگ اپنی یادگار کے طور پر مرحمت فرمایا۔ انشا اللہ میں سکو بہت حفاظت سے رکھوں گا۔

۸۔ جون ۱۹۱۱ء کو علی گڑھ واپس آگیا۔ کچھ دن کے لئے رخصت لیکر مکان گیا اور باقی ایام دفتر کے کام میں گزارے یہاں تک کہ ۲۵ جولائی ۱۹۱۱ء کو طبعی ہوئے پر پھر حیدر آباد آگیا۔ مولوی سید معصوم علی صاحب کے ساتھ پہنچے پور کے مولوی حیات علی صاحب آئے ہوئے تھے۔ ان سے ملنے کا شرف حاصل ہوا بہت دل خوش ہوا۔ ماہ رمضان المبارک میں اعلیٰ حضرت نظام سابق کی وفات حسرت آیت نے حیدر آباد کے کام کا شیرازہ بکھیر دیا ورنہ صورت اچھی نکلی آتی تھی۔ نواب ممتاز یار الدولہ بہادر۔ نواب خدیو جنگ بہادر۔ نواب ذوالقدر جنگ بہادر۔ اور ڈاکٹر مراح الحسن صاحب ڈاکٹر کٹر سررشتہ تعلیم نے ہمت کی تھی۔ افواج نظام میں بھی چندہ کی تحریک ہو چکی تھی۔ مگر یہ سب کہیں لگ بگ گیا۔ اعلیٰ حضرت حال کے عہد میں بھی کوششیں جاری ہیں۔ پہلے سود۔ آخر کا نفرنس کے صدر دفتر سے بلاوا آیا اور میں واپس ہوا۔

۳۰۔ اکتوبر ۱۹۱۱ء علی گڑھ صدر دفتر کا نفرنس سے طلب کیا گیا کہ اگر دہلی

کے اجلاس کا نفرنس کے کاموں میں مصروف ہو۔

۱۰۔ نومبر کو حیدر آباد سے روانہ ہو کر راستہ میں ٹھہرنا اور وطن ہوتا ہوا ۲۶۔ نومبر

۱۹۱۱ء کو دہلی پہنچا۔ مہمانوں کے ٹھہرانے اور ان کے قیام کا انتظام میرے سپرد ہوا۔

دربار کی سیر اور کانفرنس کے کاموں میں مشغول تھا۔ کہ اسی دوران میں عزیزی اوسو

(مرحوم) کالاہور میں اپریشن ہوا۔ ۱۰۔ دسمبر ۱۹۱۱ء کو انہیں دیکھنے کے لئے دہلی سے

لاہور گیا۔ چار دن وہاں قیام رہا۔ اور لاہور سے بخط مستقیم روڈ لی آکر جنوری ۱۹۱۲ء

کے آخر تک ایام تعطیل وہیں بسر کئے۔ ۲۰۔ دسمبر ۱۹۱۱ء کو درگزرہ کا دورہ ہوا۔
ڈاکٹری علاج سے فائدہ ہوا۔



اسکے بعد سے آخر مئی تک کے حالات نہیں مل سکے۔ یادداشتیں دیکھوں
نے کھالیں۔ (مولف)۔



یکم جون ۱۹۱۲ء سے انجن فڈام کعبہ کی شیدائیت اختیار کی اور اضلاع
فیض آباد۔ گونڈہ۔ اور بہرائچ (ادوہ) میں بحیثیت شیدائی کعبہ انجن کے اغراض
و مقاصد کی اشاعت اور فراہمی اعانت کے لئے دورہ کیا۔ اور ممکن ہے کہ یادداشت
سفر مرتب کی ہو۔ لیکن اسکا بھی باوجود جستجو پتہ نہیں چلا۔ صرف روزمرہ حسابات کی
یادداشت سے اتنا اخذ کیا جاسکا ہے کہ آخر اگست ۱۹۱۲ء تک یعنی تین ماہ اس کام
میں مصروف رہے اور اس دورہ کے اثنا میں ۲۰۔ جولائی ۱۹۱۲ء کو مقام چمرد پور
ضلع گونڈہ میں گئے۔ یہاں کے رؤساء و خوانین عالی منش سے ملاقات ہوئی۔ ان لوگوں
ممان دوست۔ خلیق۔ ذی مروت اور عالی حوصلہ رئیسوں سے روشناسی ہوتے ہی
اس قدر محبت اور یکجہتی پیدا ہو گئی کہ تا دم آخر تعلقات بڑھتے ہی چلے گئے۔ اور اگرچہ
عام طور پر چمرد پور کے تمام خاں صاحبان سے مراسم تھے۔ لیکن جناب سہراب علی خاں
صاحب رئیس چمرد پور سے بیحد الفت اور ربط رہا۔ اسی طرح جناب محمود الحق خاں صاحب
سے بھی گہری محبت ہو گئی اور وقتاً فوقتاً چمرد پور جانا آنا ہوتا رہا۔ اور مرحوم مظہر علیم کے
پسماندگان کے ساتھ سچی ہمدردی کرنے میں انہیں صاحبوں نے اقدام کیا۔ خود مولف بھی
مرحوم بھائی کے بعد ان صاحبان سے بلا اور انکے خلق و کرم اور لطف و عنایت کا گہرا
اثر دل پر لیکر واپس آیا ہے۔ مرحوم مظہر علیم نے اپنی سفر کی یادداشتوں سے ایک نہایت

دلکش اور مفید سفر نامہ تیار کرنے کی داغ بیل ڈال دی تھی۔ چنانچہ ۱۸۹۱ء سے جبکہ انھوں نے انجمن ترقی آر دو کی سفارت شروع کی ہے۔ زیادہ تفصیلی یادداشتیں مقامات اور اشخاص کے حالات کی درج کی ہیں۔

چمر و پورا اور بہاں کے خان صاحبان کا ذکر اور ان کے حالات وہ اودہ کے کوائف سفر لکھنے کے وقت لکھنے والے تھے۔ لیکن حیات مستعار نے اسکا موقع ہی نہیں دیا۔ خاکسار مولف نے مناسب خیال کیا کہ کچھ حال نہایت اختصار کے ساتھ اس جگہ لکھ دے کہ یہی مناسب مقام ہے۔

چمر و پورا۔ ضلع گوٹھہ (ملک اودہ) خاص افغانی النسل شریف پٹھان رئیسوں کا مسکن ہے۔ عالی نسب۔ صاحب حسب۔ نیک طبع۔ مسافر نواز خوش خلق فیاض۔ اولوالعزم اور بہترین انسان ہیں۔ ان خوانین کے مورث اعلیٰ۔ تاجدار خاں افغانستان کے جو کہ موسوم بہ "زوران" کے سرداروں میں سے تھے۔ یہ نہیں بتایا جاسکتا کہ وہ ہندوستان میں کب اور کیونکر آئے۔ لیکن معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ اس سرزمین (ضلع گوٹھہ) میں انکی آمد محمد شاہ رنگیلے تاجدار ہند کے عہد میں ہوئی۔ شاہی افواج کے سپہ سالار علی خاں کے ساتھ "آترولہ" (ضلع گوٹھہ) کا راجہ "آتراکنور" سرکش تھا۔ اسکی سرکوبی کے لئے یہاں آئے۔ محمد شاہ رنگیلے شاہ ہند کا زمانہ تھا۔ اس راجہ بڑی خیرہ سری اختیار کی تھی۔ اس لئے سلطانی فوج اس کا قلع و قمع کرنے پر مامور ہوئی۔ سپہ سالار علی خاں اپنے ماتحت بہادر سردار تاجدار خاں کی دلیری و بسالت سے۔ اس سرکش راجہ پر فتح یاب ہوئے۔ عریضہ فتح و کامیابی دربار سلطانی میں گیا۔ وہاں سے علی خاں کے نام فرمان آیا کہ تم مقہور راجہ کے علاقہ پر حکمران رہو اور سرکشان اطراف کی تادیب کر لے جاؤ۔

علی خاں آترولہ کے والی ہو گئے۔ انھوں نے اپنے بہادر سردار تاجدار خاں کو

شیر خاں صاحب کے زمانہ سے خانخاناں خاں صاحب کے عہد تک خاندان ایک اور علاقہ یکجائی رہا۔ خانخاناں خاں صاحب کی اولاد چار بیٹے تھے۔ جلال خاں صاحب بڑے بیٹے بادشاہ اودہ کے یہاں نامور فوجی سردار تھے۔ انکے زمانہ میں بیج اور دیگر درایج سے علاقہ کی توسیع ہوئی۔ کچھ جنگل کٹوا کر آبادی کی گئی۔ سرکار شاہ اودہ سے نوآباد موضع جگدیوا کا خراج معاف رہا اور عہد برطانوی کے آغاز بندوبست ۱۷۶۴ء میں بھی یہ معافی خراج قائم رہی۔ علی خاں صاحب سب سے چھوٹے بیٹے کی نسل بھی آگے چلی۔ اور اسوقت کل علاقہ انہیں ہردو مورثان کی اولاد میں تقسیم ہے۔ شجرہ سے دونوں شاخوں کا حال عیاں ہے۔

جلال خاں صاحب کی نسل میں عبدالغفور خاں صاحب سن رسیدہ بزرگ ہیں۔ آپ خاص چمرو پور میں رہتے ہیں اور نہایت خلیق و بزرگ اطوار ہیں۔ امجد علی خاں صاحب مع صاحبزادگان چمرو پور میں ہیں۔ اور سہراب علی خاں صاحب نے ایک دوسرے موضع پیر میں مکان بنوایا ہے۔ زیادہ قیام وہیں رہتا ہے۔ آپ منظر مرحوم کے سب سے بڑے کمرے اور محب خاص ہیں۔ بالکل برادرانہ برتاؤ رکھتے ہیں۔ پروردگار عالم مرد اقبال میں برکت عطا فرمائے۔

علی خاں صاحب کے خاندان کی یادگار میاں بخش خاں صاحب چمرو پور میں سکونت رکھتے ہیں۔ اور محمود الحق صاحب نے کچھ فاصلہ پر موضع پورنیا بازید میں گھر بنوایا ہے۔ وہاں مقیم رہا کرتے ہیں۔ چمرو پور میں بھی مکان ہے۔ یہ بھی مرحوم سے بہت محبت کرتے تھے۔ بفضل خدا سب صاحب اولاد۔ اور منظم ہیں۔ بچوں کی تعلیم و تربیت پر بھی توجہ ہے۔ اور امید ہے کہ انشاء اللہ نئی پودہ علم و قابلیت کے زیور سے آراستہ ہو جائیگی۔ اور ترقی کے راستہ پر قدم رکھے گی۔ اس گھرانے کے تمام افراد خوش اخلاقی اور اور دیادلی کے لحاظ سے بہت قابل تعریف ہیں۔ مگر موجودہ حالت میں انکو باہمی ارتباط

و اتحاد کے حدود پر مستحکم رکھنے کی سخت ضرورت ہے۔ تاکہ شیرازہ اتفاق بند ہارہے اور بداندیشوں کا افسوں کا رگڑ نہ ہو سکے۔ ورنہ اختلاف فیما بین سے خدا نخواستہ خانہ جنگی کی آگ بھڑکی تو خرمن عافیت کی خیر نہ رہے گی۔

۴۔ اگست ۱۹۱۶ء ۵ بجے شام کو علی گڑھ سے براہ دہلی حیدر آباد جانے کے لئے روانہ ہوا۔ ارادہ ہے کہ سید عثمان آباد جاؤں اسی لئے منماڑ تک کا ٹکٹ لیا ہے راستہ میں اکسپریس ٹرین پر جنگی رنکروٹوں کی وجہ سے بڑی تکلیف اور تکلیف رہی یہ رنکروٹ جرمنی سے جنگ کرنے جاتے ہیں۔

۵۔ اگست ۱۹۱۶ء۔ رات منماڑ کے اسٹیشن پر بسہری کی۔ ۴۔ اگست ۱۹ بجے صبح کو منماڑ سے گوداوری روانہ ہوا۔ ۵ بجے شام کو مقام کو نوڈاڑی کے اسٹیشن پر ٹرین سے اترا۔ رات ویٹنگ روم میں بسہری کی۔

۷۔ اگست ۱۹۱۶ء صبح کو برسی لایٹ ریلوے پر انڈسی کا ٹکٹ لیکر سوار ہوا۔ عثمان آباد کو بیس سے جانا ہوتا ہے۔ انڈسی کے اسٹیشن پر اترا تو کوئی ٹانگہ نہیں تھا۔ بدقت تمام ایک ہنڈی (بیل گاڑی کراچی) کرایہ کی اور عثمان آباد چلا۔ سڑک کی خرابی سے راستہ میں بڑی تکلیف ہوئی۔ نماز مغرب کے وقت خدا خدا کر کے عثمان آباد پہنچا۔ محمد احمد صاحب بانسوی وکیل کے ہاں قیام کیا۔

۸۔ اگست۔ سید محمد رضا صاحب تعلقہ داراول سے ملا۔ کام کی کوشش شروع کی۔ مگر چونکہ صاحب موصوف کا تبادلہ ہو گیا ہے اس لئے وہ بے اثر سعی سے گریز فرماتے معلوم ہوئے۔ مسٹر رائے رتن چند صاحب ناظم عدالت دیوانی کی جدوجہد سے دکن اور عملہ نظامت ضلع میں چندہ کی تحریک ہوئی اور سورویہ کلد چندہ ہو گیا میر محمد علی صاحب میرمنشی اول تعلقہ دار و پیشکار عدالت مال نے بھی بہت کوشش فرمائی اور مزید چندہ جمع کیا۔ ۱۳۔ اگست کو عمال محکمہ مال کی طرف سے احمد رضا صاحب

موصوف کی رخصتی دعوت تھی میں بھی شریک رہا۔ اگست کو زرخندہ اور ختم شدہ رسید بک دفتر کافرنس میں ارسال کر کے ۲۲۔ اگست کو تحصیل تلجا پور ضلع عثمان آباد کو گیا وہاں تک پختہ ٹرک بنی ہے۔ راستہ صاف ہے۔

بابو کبیر الدین صاحب ساکن ضلع غازی پور تلجا پور کے تحصیلدار ہیں۔ احمد رضا صاحب بھی یہاں ہو کر شتو لا پور کے راستہ سے حیدر آباد جاتے تھے اس لئے انکی دعوت کا اہتمام تھا اور لوگ اسمیں مصروف۔ مجھے زیادہ قیام کی فرصت نہیں۔ مولوی احمد حسین صاحب پیشکار کی کوشش سے فیس روپیہ چندہ ہو گیا۔ اور میں نے پوجا پور تک سے چندہ وصول کیا۔

تلجا پور میں۔ تلجا بھوانی کا قدیم مندر ہے۔ مندر کی عمارتوں کا بہت وسیع حلقہ ہے۔ اور اسی میں پوجاری وغیرہ رہتے ہیں۔ یہاں کے ہندو کہتے ہیں کہ یہ مندر تین ہزار سال کی تعمیر ہے لیکن طرز عمارت سے ایک ہزار سال تعمیر معلوم ہوتی ہے۔ اس مندر کو سچا جی مہارے خاص فروغ دیا تھا۔ جو وقت وہ شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر سے برہنہ پیکا رتھا اس وقت اسی مندر کو اپنا قبلہ حاجات سمجھتا تھا۔ دیوی کی مورت سنگ سیاہ کی بنی ہے۔ پستہ قد سات ہاتھ والی دیوی ہے۔ روزانہ ۶ بجے شام کو پجاری دیوی کو غسل دیتے اور چند دن وغیرہ لگا کر زیورات مرصع سے آراستہ کر کے رات بھر بند رکھتے ہیں پھر صبح کو لباس و زیور پہنائے ہوئے مندر میں لاتے اور تخت پر جلوہ آرا کرتے ہیں۔ مہر مٹواری کے تمام جاتری یہاں آیا کرتے ہیں۔ پوجاریوں میں آج کل خانہ جنگی ہو رہی ہے اس وجہ سے دیوی اور مندر پر گورنمنٹ نظام کی نگرانی قائم ہے۔ تمام چڑھاؤ اور خزانہ سرکاریں جمع ہوتا اور مندر کی ضروریات پر خرچ کیا جاتا ہے۔ دیوی کے زیور چھ جوڑ ہیں جنگی کل مالیت دس لاکھ روپیہ کی ہے مولوی احمد حسین منظم دیول کی عنایت سے میں نے سب زیوروں کو دیکھا۔ اول درجہ کا

زیورطلائی مرصع اور بہت قیمتی ہے۔ ہر ایک جوڑ میں بیسین^۲ عدد ہیں۔ جوتیاں اور کھڑاؤں
طلائی بھی اسمیں شامل ہیں۔ جاتری منیتیں مانتے ہیں تو مندر کے فرش پر روپے لگاتے
ہیں (یعنی جڑ دیتے ہیں) سیاہ پتھر کے فرش پر ۳۳ ہزار روپیہ جڑا ہوا ہے۔ اور
دھوپ میں بید خوشنما معلوم ہوتا ہے۔ مندر کے ایک گوشہ میں پتھر ملی گلے کا منہ
بنا ہوا ہے اور اسکے دہان میں سے پانی جاری رہتا ہے۔ بجاری اس پانی کو بیکینٹھ کا
پانی کہتے اور بتاتے ہیں کہ جو شخص اس پانی سے ایک مرتبہ اشنان کر لے وہ نرک میں
نہیں جائے گا۔ تحقیقات سے معلوم ہوا کہ دیول کی عمارت کے پیچھے ایک باولی ہے
جب تک باولی میں پانی رہتا ہے سنگی گائے کا دہن پانی آگلتا جاتا ہے لیکن جس
زمانہ میں دیوئی خشک ہو جاتی ہے تو اس گائے کا منہ بھی سوکھ جاتا ہے۔

میں دو گھنٹہ تک دیول اور اسکی عمارتوں کو دیکھتا رہا۔ پندرہ سال سے اس مندر
کی عمارت مزید شاندار بن گئی ہے۔ ضلع بیڑ کے ایک مہرٹھ بننے لے پچاس ہزار روپیہ
کی لاگت سے اسکی عمارت بید خوشنما بنا دی ہے۔

تلجا دیوی کے مندر کے صدر دروازہ پر ایک مسلمان بزرگ کا مزار ہے۔ یہ گرد پڑ
شاہ صاحب کے نام سے موسوم ہیں۔ یہاں کے مسلمان کہتے ہیں کہ تلجا دیوی جی شاہ صاحب
کی معشوقہ تھیں۔ بظاہر مسلمانوں نے حماقت آمیز طعن کے طور پر یہ قصہ گڑھ رکھا ہے۔
ورنہ آثار سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو وقت خواجگان چشت رحمۃ اللہ علیہم کی جماعتیں
سرزمین دکن میں اشاعت اسلام کے لئے گئی ہیں۔ اسی وقت یہ بزرگ بھی یہاں
وارد ہوئے ہیں۔ اور خواجہ بندہ نواز گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ کے رفقاء میں سے ہیں۔
کیونکہ اس جوار کے تمام مسلمان اسی درگاہ سے فیضیاب ہوئے ہیں۔

۲۴- اگست۔ تلجا پور سے ایک میل کے فاصلہ پر ایک پہاڑی گھاٹ کا بے نظیر
منظر دیکھنے گیا۔ گھاٹ پر ایک نہایت قدیم وضع کی مندر نما عمارت بنی ہے۔

جسکے اندر ایک پتھر رکھا ہے اور اس پتھر پر کثرتِ پاک کے نشان ہیں۔ انکو ہندو اصحاب
 مہاراجہ رام چندر جی کے نقش قدم بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب رام چندر جی
 بن باس کے زمانہ میں یہاں آئے تھے اس وقت سے پتھر نے اُن کے نقش قدم
 اپنے سینہ پر لے لئے۔ اور اسی جگہ تلجا بھوانی مہارانی سینتا جی کی شکل میں
 رام چندر جی کے پاس آئی تھیں۔ لیکن رام جی نے انکو پھٹکار بنائی اور کہا کہ
 صورتِ سینتا کی بنائی تو کیا ہوا اُسکی نحو بُو کہاں سے پیدا کر سکتی ہے۔ اسی واقعہ
 کی یادگار میں یہ مندر بنا ہے اور قدیم برہمنوں کا طرزِ عمارت ہے۔ بے شک تین ہزار
 سال کی تعمیر ہوگی۔ بہر حال عمارت کیسی ہی اور کسی زمانہ کی ہو اس سے بحث نہیں۔
 ہاں اس جگہ کا منظر بجد و فریب ہے۔ انسان ایک مرتبہ یہاں بیٹھ کر اٹھنے کا نام
 نہیں لے سکتا۔ خصوصاً برسات کے موسم میں جبکہ پہاڑ کی بلندی سے ہر طرف حد نظر
 تک سبزہ زار ہی دکھائی دیتا ہے اور اُسکا نظارہ نگاہ کو دلچسپی کی اجازت نہیں دیتا۔
 میں بھی چار بجے شام کے وقت یہاں ایک چٹان پر بیٹھا ہوں۔ ابر کے پربلطف
 لگتے منڈلا رہے ہیں۔ اور قدرتی سماں کی دلکشی میں محو ہوں۔

۲۵۔ اگست کو تلجا پور سے عثمان آباد واپس آگیا۔ یہاں بھی ایک شاہی مقبرہ
 حضرت شاہ شمس الدین المخاطب شمس شاہ ولی کا مشہور ہے عجیب پرانوار جگہ
 ہے۔ عثمان آباد میں انکی اولاد بھی ہے۔ معافی ہی رکھتے ہیں۔ مگر جہالت کی تاریکی
 میں گرفتار۔ جس طرح دیگر خاندان ہائے مشائخ کی کیفیت ہے۔ تعلیم و تربیت مفقود۔
 آثارِ بزرگی ناپیدا۔ وہی رنگ یہاں بھی ہے۔ تفتیش سے معلوم ہوا کہ حضرت خواجہ
 نصیر الدین چشتی چراغ دہلی کے یہی خلیفہ تھے۔ اور اُن پاکی سوارِ مشائخ میں سے تھے
 جنہوں نے سرزمینِ دکن میں اشاعتِ اسلام کی۔

عثمان آباد سے لاٹور گیا۔ پولیس اسٹیشن پر اسباب رکھ کر سید ہا منصفی پہنچا

اور مرزا مرتضیٰ بیگ صاحب سررشتہ دار کو ایک خط دیا۔ یہ خط مرزا محمد علی بیگ سب انسپکٹر پولیس کا تھا۔ سررشتہ دار صاحب نے اُسی وقت مجھے اپنا مکان بنالیا۔ اور بے تکلفانہ کمال خوش خلقی سے میری بانی فرمائی، منصف صاحب سے ملکر سید محمد رضا صاحب کا خط دیا۔ یہ صاحب امرائے حیدر آباد کے خاندان سے ہیں۔ نہایت صداقت سے وعدہ امداد فرمایا۔ دوسرے دن منصف صاحب اور سررشتہ دار صاحب مجھ کو نئے شہر لاہور کی سیر کرانے لے گئے۔ یہ جدیدیستی بقول منصف صاحب فرانس کی آبادی کے طرز پر تیار ہوگی۔ اور نیلا لاہور بن جائیگا تو مملکت دکن ہی میں نہیں بلکہ سارے ہندوستان میں اپنی وضع کا ایک ہی شہر ہوگا۔

اس زمانہ میں لاہور روئی کے بیوپار کی وجہ سے بڑی رونق و ترقی پر ہے۔ مگر یہ امید کہ اس بیوپار کی ہمیشہ یہی حالت رہے گی عبث ہے۔ ہاں اس بیوپار کی ترقی اور قیام تک آبادی و ترقی ہوتی رہے گی۔ لیکن بیوپار کم ہوا یا ٹوٹا تو اس شہر کی صورت آجڑی ہوئی بستی کے مانند نظر آئے گی۔ ہم لوگ دیر تک گھوم پھر کر دیکھتے رہے۔ مارک کھو دے جا رہے تھے۔ ایک جگہ دو کھوپڑیاں اور انسانی جسم کی ٹڈیاں نکلی پڑی تھیں۔ کچھ سڑاگلا ہوا کفن کا کپڑا بھی ٹپا تھا۔ یہ ہے حضرت انسان کا آل۔ مرزا محمد علی بیگ صاحب ایس پولیس۔ سررشتہ دار مرزا مرتضیٰ بیگ صاحب و ناراین راؤ صاحب وکیل نے قابل ستائش محنت کی اور اپنی قومی ہوا خواہی کا ثبوت دیدیا۔

لاہور میں ایک شاہ صاحب کی زیارت ہوئی۔ عجمی شاہ صاحب مشہور اور خود بھی اپنے تئیں یہی کہتے ہیں۔ لیکن اندازہ سے پنجابی معلوم ہوتے ہیں۔ آدمی وجیہ اور حسین ہیں۔ گانا بھی خوب جانتے ہیں۔ ہندو فقیروں کا ہمیں لکھ

چلتے پھرتے برسی میں آٹھ مہرے۔ ماڑواری عورتیں انکی ادا پر مرنے لگیں۔ اور انکو خوب کھلایا پلایا۔ اُنکے شوہروں نے کلکڑ سے شکایت کر دی۔ وہ شاہ صاحب کا دشمن جان بنگیا۔ آخر برسی سے بھاگ کر لاہور چلے آئے اور عرصہ سے یہیں ہیں۔ اسوقت آنکھوں سے مجبور اور نقرس کے مرض میں گرفتار ہیں۔ آدمی ہیں یار باش اور جہان دیدہ۔ کچھ جائداد بھی پیدا کر لی ہے۔ مہندو کثرت سے معتقد ہیں۔ نام فضل شاہ ہے۔ میں ہی ملا۔ دیر تک لطف صحبت رہا۔

یکم ستمبر کو میر خیر الدین صاحب منصف لاہور نے نہایت اولوالعزمی کے ساتھ مجھے دعوت دی۔ اسی دعوت میں اجیر شریف کے ایک صاحبزادہ سید وزیر صاحب سے نیاز حاصل ہوا۔ یہ آجکل وارد لاہور تھے۔ نماز جمعہ کے بعد مسجد میں تعلیم پر میری تقریر ہوئی۔

۴ ستمبر۔ لاہور سے شتولا پور کو روانہ ہوا۔ مرزا محمد علی بیگ صاحب و مرزا مرتضیٰ بیگ صاحب نے ڈاکٹر ڈانی و دیگر حضرات کے نام معرفی کے خطوط عطا کئے تھے۔ برسی روڈ جنگش پریڈینگ روم میں شب باش ہوا۔ ہمیں مولوی مصاحب علی صاحب اسپتال مجسٹریٹ حیدر آباد سے ملاقات ہوئی۔ صبح کو اُنکے ساتھ ناشتہ کر کے بمبئی مدراس میل پر شتولا پور چلا۔

شتولا پور پہنچ کر ڈاکٹر مسٹر ڈانی کے یہاں مقیم ہوا۔ حقیقت میں بے نظیر انسان ہے۔ اسلام آباد میں برہمن ہیں لیکن خلیق اور بے تعصب۔ میں انکا ایک بڑے تکلف مہمان ہوں نہایت لطف و مدارات سے میزبانی فرما رہے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کے کوئی اولاد نہیں ہے۔ چار بھتیجیوں کو ولایت میں تعلیم دلانی ہے۔ انہیں سے ایک کشمیر میں آٹھ سو روپیہ ماہوار تنخواہ پر ایک ٹریکل انجینیر ہے۔ دوسرا ریاست میسور میں ۵۵۰ روپیہ ماہوار پاتا ہے اور وہ بھی انجینیر ہے۔ دولہ کے ابھی ولایت میں زیر تعلیم ہیں۔ ایک

سول سروس میں اور دوسرا ریاست میسور میں ہے۔ ڈاکٹر ڈانی اپنے خاندان کے بچوں پر تین لاکھ روپے تعلیم میں خرچ کر چکے ہیں اور ایک معزز خاندان تیار کر کے عزت کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اب خانہ نشین ہیں۔ مکان نہایت نفیس بنایا ہے۔ غربا کا مفت علاج کرتے ہیں۔ ایک متوفیہ لڑکی کے چار بچوں کو پال رہے ہیں۔ میربائی کی شان بالکل مسلمانوں کی سی ہے۔

میں شولا پور کے مسلمانوں سے مل رہا ہوں۔ عدم تعلیم و جہالت نے پستی میں ڈال رکھا ہے۔ دو مسلمانوں کے نام سفارشی خطوط لایا تھا۔ انہیں سے ایک سب انسپکٹر پولیس تھے۔ یہ صاحب دوسرے مذاق کے آدمی نکلے۔ قومی و تعلیمی کاموں سے بے جس محض رنگیلے اعلیٰ درجہ کے۔ انھوں نے رخ ہی نہیں دیا۔ دوسرے صاحب فخر الدین موئید سید سے ملے۔ اور صلاح نیک نی میں تو جانتا تھا کہ ہماری ہی طرف لوگوں کا جوش ممبری میونسپل الگشن میں حد دیوانگی کو پہنچ جاتا ہے۔ مگر شولا پور اس بارہ میں بہت بڑا ہوا نکلا۔ اول تو گنتی کے مسلمان پھر آنکو ممبری کا شوق۔ اسے دہندہ زیادہ تر ہندو۔ عاجزی و درماندگی و خوشامد کا اس سے بڑا بکر دل خراش منظر کم و کینے میں آئیگا۔

۸۔ ستمبر۔ جامع مسجد شولا پور میں میں نے تقریر کی اور مسلمانوں کی پستی و جہالت دکھا کر بے جسی کا ذکر کیا۔ ہمدردی پر آکسایا۔ ایک سوداگر صاحب نیک کاموں کے دشمن بہت بگڑے۔ لیکن لوگوں نے آنکو بنا کر سید ہا کر دیا۔ واقعہ یہ ہے کہ عیسائی پریسیڈنسی میں مسلمانوں کی حالت نہایت افسوس ناک ہے۔ شولا پور کے مسلمان تعلیم سے بالکل نا آشنا ہیں۔ حاجی حضرت خاں صاحب کنڑا کٹر یاں کے مسلمانوں میں لکھ پتی اور وقیع بزرگ ہیں لیکن قومی کاموں اور تعلیمی جہاد سے کنارہ کش ہیں۔ ان کے پاس گیا۔ کچھ کرنے کا وعدہ فرمایا۔ مگر وعدہ آسان ہے وعدہ کی وفا مشکل ہے۔

نشو و لا پور میں پچیس تیس کپڑوں کی ملیں چل رہی ہیں۔ انہیں پچاس ہزار مزدور کام کرتے ہیں۔ مگر افسوس کہ مسلمانوں کی ایک بھی مل نہیں۔ بیوپار کے لحاظ سے صرف چند مسلمان اچھی حالت میں ہیں۔ لیکن تعلیم اس قدر کم ہے کہ بیس ہزار مسلمانوں کی آبادی میں صرف دو انٹرنس پاس ہیں۔ اور ایک سب انسپکٹر پولیس کے سوا باقی تمام ملازمین و عمال حکومت غیر مسلم ہیں۔ مسلمانوں کا ایک ابتدائی مدرسہ اسلامیہ بھی ہے جس میں اس وقت صرف پچاس طالب علم زیر تعلیم ہیں۔

شیخ ابراہیم خاندیسی ڈپٹی انسپکٹر اردو مدارس سے ملازمہ معقول ہیں۔ مولوی عبدالرزاق مدرس مدرسہ میونسپل بورڈ بھی اچھے آدمی ہیں۔ شیخ ابراہیم صاحب نے ایک دن دونوں وقت مجھے روٹیاں بھی کھلائیں۔ بحالت موجودہ مسلمانوں سے ناخوش تھے۔ ہاں جب اچھی ملازمت مطلوب تھی تو ہمدرد اسلام و اسلامیان ہو کر محض اُردو مڈل ٹرمینڈ ہونے کے باوجود ڈپٹی انسپکٹر ہو گئے اب وہی مسلمان جو کبھی حواریں میں تھے محسن کش ہیں !!! اور مسلمانوں پر عتاب ہے !!! گو رمنٹ کی عنایت دیکھئے کہ اعلیٰ تعلیم یافتہ ہندوؤں کے ہوتے ہوئے ان کے سے کم تعلیم یافتہ کو محض مسلمان ہونے کے خیال سے ایسا اعلیٰ عہدہ دیدیا ہے اب کیا آپ ڈائریکٹر سرورشتہ تعلیم ہونے کے آرزو مند ہیں۔ مسلمانوں کو دیکھ بھال کر دیگر ہمدرد انسانوں سے کام نہ لانا چاہا۔ جتنی مل کے رنگ ماسٹر رام سنگھ سے ملاقات ہوئی۔ لکھنؤ کے رہنے والے۔ راجپوت۔ اور عالی منشا انسان ہیں۔ عرصہ سے یہاں قیام ہے۔ مزارجی گوگل داس کی کپڑوں کی مل میں رنگ ماسٹر ہیں۔ آٹھ سو روپیہ تنخواہ کا پار ہے ہیں۔ اور ماسٹر تنگ کی پارٹی کے سرگرم ممبر۔

تعلیم کے بڑے حامی و دلدادہ ہیں۔ اپنی مل میں چار مدرسے قائم کر رکھے ہیں۔ جن کے اخراجات کے لئے ہر مزدور سے اسکی آمدنی پر ایک روپیہ سیکڑہ کے حساب سے چندہ وضع کر لیتے ہیں۔ دو مدرسہ مزدور عورتوں کے ہیں جنکو ایک گھنٹہ کی چھٹی میں کسی دن حساب۔ کسی روز مشین کی سیلائی کا کام۔ کسی دن کپڑا رنگنا۔ صحت و تندرستی کے قواعد۔ بچوں کی پرورش کے قاعدے اور دیگر مفید کام سکھائے جاتے ہیں۔ ان مدرسوں میں چار سو عورتیں زیر تعلیم ہیں۔

ایک مدرسہ مزدور لڑکیوں کا ہے۔ چھ گھنٹہ روزانہ ہر قسم کی تعلیم دیا جاتی ہے۔ کپڑا سینا۔ کھانا پکانا۔ بچوں کی پرورش۔ کپڑا دھونا۔ خانگی زندگی کے بہترین سادہ طریقے۔ حساب مرہٹی زبان۔ ادب۔ تاریخ۔ کشیدے کاڑھنا۔ رنگنا وغیرہ وغیرہ۔ اسمیں ۲۰۰ لڑکیاں ہر عمر کی تعلیم پاتی ہیں۔

دوسرا مدرسہ مزدور لڑکوں کا ہے۔ اسمیں ۶۰۰ طالب علم ہیں۔ پڑھنا لکھنا معمولی طور سے اور فٹر۔ بڑبھئی۔ لوہار وغیرہ کی تعلیم زیادہ ہوتی ہے۔ یہاں کا فارغ شدہ طالب علم ملوں اور کارخانوں میں انجن ڈرائیور۔ فٹر۔ رنگ ساز۔ یا سٹر کی جگہوں پر بلا کسی دقت کے لیلیا جاتا ہے۔ اگر کوئی پاس شدہ طالب علم ملازمت نہ کرنا چاہے تو عمدہ کاریگر ہو کر آزادی سے چالیس پچاس روپیہ ماہوار بلکہ زائد کما سکتا اور مزہ میں زندگی بسر کر سکتا ہے۔

رام سنگھ صاحب اپنے کارخانہ کے مالک کے آجانے سے مصروف کار تھے۔ وعدہ فرمایا کہ صبح کی رقم وہ بعد میں بھیج دینگے۔

حکومت اسلامی کے عہد میں شولا پور خاندان عادل شاہ کا پایہ تخت رہا ہے۔ قلعہ بالکل سمار ہے اب اسمیں پولیس اور میونسپل آفس بنادیا گیا ہے۔ جدید انگریزی وضع کی عمارتوں میں کوئی بھی قابل تعریف نہیں۔

۱۱ ستمبر کو نو بجے صبح کو گلبرگہ پنپا۔ سید رضا حسین صاحب وکیل سے ملا اور انہیں کے ہاں قیام ہے۔ چونکہ عرس شریف ہے اور ۲۰ ستمبر ۱۹۱۴ء تک تمام لوگ اس میں مصروف ہونگے۔ اس لئے تازمانہ عرس صرف عرس شریف کی شرکت ہے۔

درگاہ خواجہ بندہ نواز گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ میں حاضر ہوا۔ خواجہ بندہ نواز گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ کا نام نامی۔ حضرت سید محمد اکحینی ہے۔ پیر نصیر الدین صاحب چراغ دہلوی کے ارشد غلام ہیں۔ اور دکن میں حضرت کی درگاہ اُسی پایہ کی ہے۔ جیسے خواجہ بندہ نواز خواجہ معین الدین چشتی رحم کی ہندوستان میں۔ مولوی معشوق حسین خاں صاحب کی وجہ سے شب کو روضہ خرد میں رہا۔ اس درگاہ میں ایک لاکھ بیس ہزار کی معافی تھی۔ خواجہ کے پوتے حضرت سید قبول اللہ صاحب حسینی رحمۃ اللہ علیہ کو نصف جاگیر مل گئی۔ آپ نے حضرت قبول اللہ حسینی کو اپنے سامنے ہی خلافت دے دی تھی۔ وہ حقیقت میں بڑے پایہ کے بزرگ ہوئے ہیں۔ وہاں کے صاحب سجادہ علیحدہ ہیں۔ اور بڑے پایہ کے بزرگ ہیں۔ بقیہ ساٹھ ہزار کی جاگیر موجودہ صاحب سجادہ کے پاس ہے۔ یہ نابالغ ہیں۔ اور جاگیر زیر نگہانی گورنمنٹ نظام ہے۔ انکا نام اکبر حسینی ہے۔ اور اُس ساٹھ ہزار کی جاگیر کے محاصل نوے ہزار کے قریب ہیں۔ اور تیرہ ہزار روپیہ نقد سرکار عالی اور امر و حیدر آباد سے ملتے ہیں۔ روضہ خرد کے صاحب سجادہ کا نام شاہ حسین ہے۔ اور مذہب ہاشمیہ میں۔ ۱۵ ذیقعد کو صندل ہوتا ہے۔ ایوان صوبہ دہلی سے صندل آٹھتا ہے۔ ۱۶ کو قفل ہوتا ہے۔ اور

پانچزار روپیہ معافی واقع ضلع گلبرگہ سے عرس کا خرچ پورا ہوتا ہے۔ اور دو ہزار روپیہ سالانہ صرف خاص سے اُسکے اخراجات ہوتے ہیں۔ ۱۸- ستمبر ۱۹۱۶ء کو مولوی ضیاء الحسن صاحب تعلقہ دارا اول سے ملا۔ کوشش کرنیکا وعدہ کیا ہے۔ آج گلبرگہ میں گیا۔ سید شہاب الدین صاحب تحصیلدار شولا پور سے ملاقات ہوئی وعدہ کیا ہے کہ شولا پور آگئے۔ تو معقول چندہ کراؤنگا۔

۲۲- ستمبر ۱۹۱۶ء کو صوبہ داری گلبرگہ میں مرزا محمود بیگ صاحب مددگار صوبہ نے پوری مدد کی۔ تمام دفتر سے رقم چندہ لکھوائی ہے۔ اور فرمایا کہ ایک ہفتہ میں یہ رقم آپکو ملیگی۔ ۲۵- ستمبر ۱۹۱۶ء آج مسٹر بخت بہادر داروغہ شمس الدین صاحب و حقانی صاحب رجسٹرار کی ہمراہی میں کام کیا۔ یکم اکتوبر ۱۹۱۶ء مولوی غلام علی صاحب مبلغ ساکن بکلی سے ملاقات ہوئی۔

۳۰- اکتوبر ۱۹۱۶ء کو شاہ تاج الدین صاحب سجادہ روضہ شیخ گلبرگہ نے دعوت دی۔ تعلقہ دار صاحب اول مولوی ضیاء الحسن صاحب اور مولوی رضائین صاحب بالنوی وکیل گلبرگہ بھی دعوت میں شریک تھے۔ یہ صاحب سجادہ حضرت شیخ جنید بغدادیؒ کے خاندان کے ہیں۔ یہ بزرگ خاندان بہمنیہ سے پہلے یہاں آئے تھے۔ اور صاحب مرزا حضرت پیران پیر کے پوتے ہیں۔ مولوی ضیاء الحسن صاحب مددگار مال اور مولوی مرزا محمود بیگ صاحب مددگار صوبہ دار نے پوری مدد کی عید الفضحیٰ میں نے گلبرگہ میں کی۔ مولوی ضیاء الحسن صاحب تعلقہ دار اول نے دعوت کی۔

۱۳- اکتوبر ۱۹۱۶ء کو گلبرگہ سے واڑی پونچا۔ واڑی میں مولوی حمید الدین صاحب ڈاکٹر نظام اسٹیٹ کے یہاں قیام ہے۔ واڑی جنگشن ہے۔ یہاں سے جی۔ آئی۔ پی۔ ریلوے براہ راجپور مدراس کو جاتی ہے۔ اور ایک ٹرین جہد آباد و کن

ہوتی ہوئی بجواڑہ جاتی ہے۔ صرف جنکشن ہے۔ اور کچھ بھی نہیں۔ ڈاکٹر سعید الدین صاحب الہ آباد کے رہنے والے۔ ۳۳ سال سے جنکشن واٹری پڑوا کر ہیں۔ نہایت متواضع۔ خلیق منکسر۔ یار باش۔ فیاض انسان ہیں۔ ماشا اللہ اولاد اور خوش بھری سے فارغ ہیں۔ بڑے جگت آسٹنا ہر چیز کی گندہ اور بھید کے پیچھے پڑنے والے کبھی صوفی تھے۔ اب تو حنفی اور سخت موجد ہیں۔

۱۴۔ اکتوبر ۱۹۱۶ء کو میں یادگیر پینچا شیخ عبود چاؤش عرب کے یہاں مقیم ہوں مسٹر سنگر نرائن کے یہاں گیا تھا۔ یہ صاحب یہاں کے تحصیلدار ہیں۔ اعانت کا وعدہ فرمایا ہے۔ ۱۶۔ اکتوبر ۱۹۱۶ء بجے دنگو سا ہوکاروں کا جلسہ بابہ فراہمی چندہ کا نفرنس بصد رشیدی تحصیلدار سنگر نرائن صاحب کلب میں منعقد ہوا۔ میں نے چندہ پر تقریر کی۔ لوگوں نے تقریر پسند کی۔ مبلغ مال نہ معہ کے اس وقت وعدے ہوئے۔ یادگیر میں سید حسن قادیانی کا ایک دیسی سگرٹ یعنی بٹری کا بہت بڑا کارخانہ ہے۔ کارخانہ میں اس وقت پانچ سو مزدور کام کرتے ہیں۔ کارخانے کے متعلق ایک بتدائی مدرسہ ہے۔ جس میں قرآن اور اردو حساب کی تعلیم ہوتی ہے۔ میں نے رائے دی ہے۔ کہ اس مدرسہ میں صنعت و حرفت کی شاخ کھول دیجادے۔ دکن میں مسلمانوں کا یہ مدرسہ اپنی پہلی مثال ہے۔ رائے گو بند راؤ جی صاحب پٹیکار تحصیل یادگیر نے مدد فرمائی۔ مولوی قاضی محمد یسین صاحب ساکن یادگیر حنفی۔ بڑے معلومات کے آدمی ہیں۔ زہد و اتقا کے لحاظ سے اپنی آپ مثال ہیں۔ مجھے آن سے ملکر بید خوشی ہوئی۔

۲۲۔ اکتوبر ۱۹۱۶ء یادگیر سے رانچ پور آیا۔ اور سید نثار احمد صاحب کنوا کر کے یہاں ٹھہرا۔ ۲۳۔ اکتوبر ۱۹۱۶ء سے جو بھار چڑھا اور زکام ہوا ہے۔ اب تک جب کہ یکم نومبر ۱۹۱۶ء ہے۔ اُس کو لئے پڑا ہوں۔ دور دراز سے اس قدر سخت بارش پور ہی

شہر کے تالاب و چقتر لبالب بھر گئے ہیں۔ مکانات کے گرنے سے کئی جانیں بھی ضائع ہوئی ہیں۔

۱۳۔ نومبر ۱۹۱۶ء کی شب کو ممبران کلب راجپور کی جانب سے بصدات مولوی نور اللہ صاحب حسینی تعلقہ دار اول راجپور جلسہ ہوا۔ جس میں میری تقریر ضرورت تعلیم پر ہوئی۔ ملاحظہ کی رقم چندہ میں ملی۔

۲۷۔ نومبر ۱۹۱۶ء۔ سید راس محمود صاحب ناظم تعلیمات سے ملاقات ہوئی۔ دورہ پر آئے تھے۔ راجپور کا کام ختم کر کے کل واڑی جاؤنگا۔ راجپور میں ایک بہت اعلیٰ صفات انسان نواب ملک یار جنگ بہادر سے ملاقات ہوئی۔ یہ بزرگ حقیقت میں انسان شناس ہیں۔ لَوْ جَہَ اللہ۔ دوسروں کی اعانت اپنے اوپر فرض سمجھتے ہیں۔ نواب اکبر جنگ مشہور کو تو ال کے سب سے چھوٹے صاحبزادے ہیں۔ اور یہاں دوم تعلقہ دار ہیں۔ پیراہ کرم مولوی علی کریم صاحب وکیل۔ مولوی سید بشیر حسین صاحب دارا قاسم محمد جان صاحب مجھے رخصت کرنے اسٹیشن تک آئے۔ راجپور میں پورا ایک ماہ گذرا۔

۲۹۔ نومبر ۱۹۱۶ء کی شام کو واڑی پہونچا۔ ڈاکٹر سعید الدین صاحب کے ہاں قیام کیا۔ یہاں ایک مولوی صاحب ہیں۔ گو انہیں اسلام کی محبت نے چور کر رکھا ہے۔ لیکن دنیا میں سبکو بلحاظ مذہب بری نظروں سے دیکھتے ہیں۔ اور ہر شخص میں اسلامی کمزوری ملاحظہ فرماتے ہیں۔ محبت اسلام اور سچائی خوب شے ہے۔ مگر دوسروں کو برا سمجھنا اچھا نہیں۔

ڈاکٹر سعید الدین صاحب کے خط کے ذریعہ سے یکم دسمبر ۱۹۱۶ء کو چیتا پور پہونچا۔ مولوی عطاء الدین صاحب ناظم اسٹیشن چیتا پور خاندان قاضی نظام آباد وکن سے ہیں۔ آدمی ذی علم۔ اسلامی ہمدردی کے صحیح خوگر۔

پاکباز۔ متدین ہیں۔ میرے دو لکچریاں ہوئے۔ انجمن معاونت المسلمین چیتا پور کے سکریٹری سے ملاقات ہوئی۔ یہ یہاں کے ایک تاجراور ابھی نوجوان ہیں۔ دو ایکٹ ہوئے۔ یہ انجمن مسلمانوں کے فائدے کے لئے کھولی ہے۔ کوشش کر رہے ہیں۔ خدا استقامت بخوبی بارو غیرہ پنہا کر بحکومت کی۔ چند یہاں کم ہوا۔ کیونکہ طاغوت کی وجہ سے پھیل ہے۔ ۵۔ دسمبر ۱۹۱۴ء کو میں پھر واڑی واپس ہوا۔ اور ۱۹۔ دسمبر ۱۹۱۴ء واڑی سے شاہ آباد پہنچا۔ مولوی سید اسد اللہ صاحب نقشبندی اسٹیٹ شاہ آباد کے ناظم عدالت کے یہاں قیام ہوا۔ یہ بزرگ نہایت قدیم وضع کے مولوی وعالم ہیں۔ مذاق نہایت عمدہ۔ ہزاروں پاکیاں و بہتریاں انہیں موجود ہیں۔ سنت و فرائض کے پورے پابند۔ صورت و شکل میں ایک بہترین مسلمان۔ لیکن درو قوم سے نا آشنا۔ ۸۔ دسمبر ۱۹۱۴ء کو منٹواکسپریس سے بھلسہ چلا۔ شاہ آباد میں سے حاجی محمد علی خاں ملازم کروڑ گیری سکندر آباد کا ساتھ ہو گیا۔ یہ بیچارے اپنی لڑکی کی علالت کی وجہ سے اجیر شریف مع اپنی اہلیہ کے جا رہے ہیں۔ اور کندو سے پر آتر پڑینگے۔ بھلسہ میں ماموں صاحب قبلہ سے ملکر اور ایک دن قیام کر کے روولی چلا آیا۔ اور یہ سفر بخیر و خوبی ختم ہوا۔

۲۷۔ دسمبر ۱۹۱۶ء کو روولی سے کانگریس کی شرکت کے لئے لکھنؤ آیا۔ حقیقت میں اس سال کانگریس کا اجلاس بہت اہم ہے۔ مسلمان و ہندو پولیٹیکل اغراض میں متحد ہوئے ہیں۔ سر ہندو ناتھ بھرجی۔ مسٹر تلک۔ اینی بیسنٹ۔ بین چند رپال۔ ہندوؤں کے بڑے بڑے لیڈر۔ اور راجہ صاحب محمود آباد۔ مسٹر مظہر الحق۔ مسٹر جناح۔ مسٹر سید وزیر حسن وغیرہ مسلم سربراہ اور دکان قوم شریک اجلاس ہوئے۔ کانگریس کا جلسہ دیکھ کر ۲۹۔ دسمبر کو علی گڑھ پہنچا۔ یہاں حساب صاف کیا۔ الحمد للہ کہ میرا کام اول نمبر پر ہوا۔

۷۔ جنوری ۱۹۱۷ء سے تین ماہ یعنی آخر مارچ تک خاص اسلامیہ اسکولوں اور مکتبوں کے جاری کرائے کی خدمت دفتر کانفرنس سے سپرد کی گئی۔ ۹۔ جنوری کو سلطان آیا۔ مسٹر انعام الرحمن نعمانی انسپکٹر کو اپریٹو بینک موسساتی کے یہاں ٹھہر کر کام شروع کیا۔ اسی روز سلطان پور کے ایک مکتب کی درخواست لی گئی۔ ۱۰۔ جنوری کو مولوی رفیع الدین خاں صاحب ڈپٹی کلکٹر کی وساطت سے مردم شماری کی رپورٹ معائنہ کی اور جن مواضعات میں چار سو سے زائد مسلمانوں کی آبادی تھی انکی فہرست مرتب کر لی۔ اسکے بعد ۱۳۔ جنوری سے مواضع کا دورہ شروع کیا۔ پہلے گنجپڑی۔ دہراوان۔ اور کوڑواڑ گیا۔ دہراوان میں ایک بوڑھے مسلمان زمیندار نے بیان کیا۔ کہ پچاس سال سے زائد ہوئے جب اس موضع میں گورنمنٹ نے ایک مدرسہ کھولنا چاہا تھا مگر ہمارے بزرگوں نے یہ کہا کہ ہم اپنے بچوں کو کرائی بنائیکے لئے اسکول میں نہ جانے دینگے۔

۱۲۔ جنوری۔ منہار پور۔ نوہر دکھن وغیرہ مواضع میں گیا۔ درخواستیں لیں منہار پور کے مسلمان نہایت خلیق ہیں۔ نوہر دکھن میں درخواست کی خانہ چری خود جھمکو کرنا پڑی۔

۱۵۔ جنوری۔ میں مسافر خانہ آیا۔ یہ حقیقت میں مسافر خانہ ہے چند ہٹیاں اور دکاندار آباد ہیں۔ دن بھر عدالت تحصیل میں مقدمات اور دیگر کاروبار کی وجہ سے آبادی و رونق رہتی ہے اور رات کو سناٹا۔ مولوی سید احمد رائے بریلوی ^{الشیخ} کے یہاں ٹھہر گیا۔ بڑے خوش خلق آدمی ہیں۔ حکیم عبدالباری صاحب لکھنوی یہاں سب رجسٹرار ہیں۔

۱۶۔ جنوری ۱۹۱۷ء۔ قاضی طرف رسولی اور رسول آباد کا دورہ کیا۔ رسول آباد میں مسلمان گھوسا آباد ہیں اور تعلیم کے بڑے دل داہ۔ اپنی بے ماگی اور

تھوڑی سی حیثیت کے باوجود ایک مدرسہ جاری کر رکھا ہے۔ اس میں اس وقت ۱۵۰ بچے پڑھتے ہیں۔ خان زادگان اس مدرسہ کو کچھ امداد نہیں دیتے۔ ابھی صرف قرآن کیم کی تعلیم ہوتی ہے۔ میں نے درجہ دوم تک کا تعلیمی انصاب درست کر دیا ہے۔ قاضی طرف رسولی کسی زمانہ میں بڑا اور پر رونق قصبہ تھا۔ اب یہاں مسلمان زمینداروں کی حالت ابتر ہے۔ گرے پڑے مکانات۔ مکیں مفلسی و تنگ حالی میں مبتلا۔ زمینداریاں رہن۔ افسوس! اسلامی آبادی پر عام زوال ہے۔ رات کو مسافر خانہ میں قیام کیا۔ داروغہ سید احمد و مولوی عبدالعادل صاحب سب رجسٹرار سے نیاز حاصل ہوا۔

۱۸۔ جنوری۔ وارث گنج۔ سدھیاوان۔ نہال گڈھ۔ کمرولی۔ اورسندروا۔ گیا۔ شبکو سندروا میں غفور خاں صاحب کے ہاں قیام کیا۔
۱۹۔ جنوری۔ مہونہ و نواز گڈھ ہو کر کشنی پہونچا اور وہاں شب باش ہوا۔
۲۰۔ جنوری سٹھن اور وہاں سے براہ نہال گڈھ مسافر خانہ کو واپسی۔ وہیں شب کو مقام۔

تمام مذکورہ بالا مواضعات میں خان زادگان یا بھالے سلطان زمینداروں کی آبادی ہے۔ باہمی مناقشات اور تنازعات کی وجہ سے مقدمہ بازی کرتے رہتے ہیں جبکہ نتیجہ یہ ہے کہ اب صرف کاشتکاری بسر اوقات کا ذریعہ رکھی ہے۔ جہالت نے آدمیت اور حسن اخلاق سے دور کر رکھا ہے۔ عزت کے صحیح معنی تک نہیں جانتے تعلیم سے کوئی مَس نہیں۔ فزندگی عسرت اور ادبار میں لبر کر کے ہیں مگر اپنی حالت کا احساس نہیں کرتے۔

راجہ یار محمد خاں صاحب (مرحوم) تعلقدار مہونہ سے شرف ملاقات حاصل کیا۔ آدمی سادہ مزاج۔ سادہ وضع اور اچھے ہیں۔ ظاہری قطع مولوی کی سی تھی مگر فطرتاً سے خواہ

زیادہ نہیں پڑا تھا۔ بہت نیک مگر غیر منظم۔ قرضہ دو لاکھ سے زائد۔ ریاست کی حالت اتر رہی۔ اولاد بھی تعلیم و تربیت سے بے بہرہ۔ نادانی کے باعث نیک و بد کا خیال کیسے آئے۔ اس نواح میں مسلمانوں کی عام کیفیت یہی ہے۔ اور اسکو دیکر بے حد قلق ہوتا ہے۔

نہال گڈہ چک جنگلات سے واپسی میں تھوڑی دیر کے لئے وارث گنج میں ٹھہرا ہوا شام کو مسافر خانہ واپس آیا۔ داروغہ سید احمد صاحب و حکیم عبدالباری صاحب نے دودن روکا۔ اور یہ سب وقت انکی دلچسپ صحبت میں گزرا۔ ۲۳۔ جنوری کو حکیم عبدالباری صاحب مدوح نے دعوت طعام دی اور خوب پڑھتے صحبت ہوا ۲۴۔ جنوری سلطانپور ہو کر ایٹھی آیا۔ سب رجسٹرار محمد شریف صاحب کا مہمان ہوا۔ آپ مسٹر بدر الحسن لغمانی ردولوی ڈپٹی کلکٹر کے دوست ہیں۔ تحصیل ہاما ضلع گورکھ پور میں دونوں کا ساتھ رہا تھا۔ ایٹھی تحصیل ہے مگر اپنی بہن مسافر خانہ کی ہم وضع بلکہ اس سے بھی کچھ کمتر۔ چند خستہ حال کسان۔ بہتیارے۔ اور دیگر غریب پیشہ وردوں کی مختصر آبادی۔ مگر اس آجاڑ جگہ میں ایک خاص رونق یہ ہے کہ الہ آباد کے ایک بزرگ حکیم عبدالسلام صاحب نے عالی شان مسجد بنوائی ہے اور وہ اگرچہ ابھی ناتمام ہے لیکن بڑی تفریح کی جگہ اور بہت خوشما ہے۔ مسجد میں ایک مکتب اسلامیہ بھی ہے۔ حافظ صاحب جو مسجد کے امام ہیں۔ لڑکوں کو قرآن پڑھاتے ہیں۔ اور اردو و حساب کی بھی کچھ تعلیم ہوتی ہے یہ مسجد تو کسی بڑے آبادی میں ہونے کے قابل ہے حکیم صاحب الہ آباد میں مطلب فرماتے ہیں اور آجکل جنگ یورپ کی وجہ سے چندہ میں کمی ہو گئی ہے لہذا تعمیر اور تکمیل مسجد بند ہے۔ مسلمانوں کی حالت یہاں بھی بدستور ہے۔ جل واد میں عام طور پر مبتلا ہیں۔

۲۵۔ جنوری ۱۹۱۷ء آج پرتاب گڈہ میں ہوں۔ شیخ کفایت اللہ صاحب و خیر علی

صاحب سے ملا ہوں۔ نجف علی صاحب نے اپنا مہمان بنایا ہے۔ ۲۶ سے اس ضلع میں کام کروں گا۔

تخصیص پتی۔ اور صدر پربت گڈہ میں دورہ کیا۔ ان ہر دو تحصیلوں میں زیادہ نوز باف اور قریشی مسلمان آباد ہیں۔ قریشی مسلمان کاشتکاری و زمینداری پیشہ ہیں۔ مگر زمینداریاں چھوٹی چھوٹی ہیں اور تعداد بھی کم ہے۔ زیادہ آبادی برادران ہنود کی ہے اور وہ صاحب ثروت و جاہ ہیں۔ صرف ایک مسلمان قلعہ دار خان بہادر شیخ احمد حسین صاحب رئیس پریا نواں ہیں۔ اور شیخ کفایت اللہ صاحب خود ساختہ آدمی ہیں یعنی اپنی محنت سے ترقی اور فراغت معاش حاصل کی ہے۔ اور خاص عزت پیدا کی ہے۔ انکے علاوہ بازار بابو گنج میں شیخ محمد یعقوب صاحب تاجر پارچہ ایک مدرسہ چلا رہے ہیں یکم فروری ۱۹۱۷ء۔ پرتاب گڈہ سے روانہ ہو کر پچھا پچھا منوجنکشن کے راستہ سے لال گوپال گنج گیا۔ اسٹیشن پچھا پچھا منو پر قصبہ ردولی کے رہنے والے ایک کالیقہ صاحب اسٹیشن ماسٹر تھے۔ ہموطنی کی وجہ سے بڑی خاطر داری اور محبت کے ساتھ پیش آئے۔ شیرینی منگو کر کھلایا۔ انکی عنایت کا شکر گزار ہوں۔

گوپال گنج میں آ کر کمرہ زور تلاش کر رہا تھا کہ نندورائیک جاؤں۔ اسی اثنا میں مولوی حبیب اللہ صاحب زمیندار نندورہ کے برادر خرم دہلکئے اور وہ اپنے ساتھ کمال راحت سے نندورائے گئے۔ مولوی حبیب اللہ صاحب نندورہ کے شیخ زادہ اور شریف بزرگ ہیں۔ زمینداری اور ملازمت سرکاری نے انکے خاندان کو ممتاز بنایا ہے۔ خلیق و مہمان نوازی ہیں۔ درد قوم بھی دل میں ہے۔ ۲۔ اگست ۱۹۰۹ء سے لال گوپال گنج میں ایک اسلامیہ مدرسہ انکی زیر سرپرستی جاری ہے۔ اس وقت ۵۴ بچے مدرسہ میں تعلیم پاتے ہیں۔ عربی۔ فارسی۔ اور اردو کی تعلیم دی جاتی ہے۔ حساب بھی سکھایا جاتا ہے۔ اس مدرسہ کو آجکل لکھنؤ ہوا ایک تہ کیٹی

سے ملتے ہیں۔ باقی چندہ سے خرچ ہوتا ہے۔ چندہ منتقل نہیں۔ اسکی ایک شاخ موضع بہاڑی میں بھی ہے۔ ایک مولوی صاحب۔ ایک حافظ صاحب۔ اور ایک اردو ٹل پاس مدرس تین استاد ہیں طلبہ کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

درجہ عربی میں ۶ درجہ حفظ قرآن کریم میں ۴

درجہ فارسی و اردو میں ۴۴ بیاری کے مدرسہ میں۔ ۳۴ لڑکے ہیں اور اردو و حساب کی تعلیم ہوتی ہے۔ اردو کورس انجمن حمایت اسلام لاہور کا نصاب میں داخل ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ شیخ حبیب اللہ صاحب کے ایسے درویند اسلام آدمی کم دیکھنے میں آئے ہیں۔ ان کاموں میں آپکا انماک زائد از وصف ہے۔ میری میزبانی بڑی خوش اسلوبی سے فرمائی۔ آپکے والد بزرگوار مولوی عظیم اللہ صاحب تحصیلدار۔ میرے بزرگ منشی حاجی محمد کرم رحمن صاحب لغمانی سابق تحصیلدار کے خاص دوست ہیں۔

۳۔ فروری کو کنڈہ میں آیا۔ عبد المجید صاحب سب رجسٹرار ساکن الہ آباد کے یہاں سامان رکھکر اسی وقت دوسرے موقع کو چلا گیا اور وہاں سے درخت لیکر کنڈہ واپس آیا۔ کنڈہ تحصیل کا صدر مقام اور کسی قدر آباد ہے۔ شیخ سید اور پٹھان معززین یہاں رہتے ہیں اور زمیندار ہیں۔ یہاں کے عام مسلمان شاہدکے باستثنائے چند کلکتہ و بمبئی میں مزدوری کرتے ہیں لیکن حالت یہ ہے کہ چار پانچ سال وہاں رہکر خرابی آب و ہوا کے باعث سخت بیمار ہوتے اور گھر واپس کے سفر آخرت کر جاتے ہیں۔ یہ سب شریف عربی النسل شیوخ و سادات ہیں اور خالص پٹھان۔ رات کو سب رجسٹرار صاحب ممدوح کے یہاں ٹھہرا صبح کو پرمیا نواں پہنچا۔ اور خاں بہادر احمد حسین صاحب تعلقدار کے دولت کدہ میں قیام کیا۔ خان بہادر موصوف ضلع پرتاب گڈہ کی مکتب کیمٹی کے ممبر بھی ہیں۔

لیکن کیا عرض کروں۔ ”چراغ تلے اندھیرا“ کے مصداق خاص پر یانواں ہیں
 نہ کوئی مکتب ہے نہ مدرسہ !!!

خان بہادر صاحب ماشا اللہ ایک منظم تعلقدار ہیں۔ اگرچہ بارقرض
 کچھ بھی نہیں تاہم دو سال سے اپنا تعلقہ کورٹ آف وارڈس کے ماتحت کراؤں
 ہے علی مذاق نہایت عمدہ ہے۔ صاحب تصانیف و تالیفات ہیں۔ شاعر
 و فنشی۔ ذی علم و قدر و ادا کمال ہیں۔ کئی تصانیف اپنی مجھے عنایت فرمائیں۔
 انکے بڑے صاحبزادہ سے ملاقات ہوئی وہ بھی محقول رئیس زادہ ہیں محجوبو
 ہر طرح راحت ملی۔ دوسرے ہی دن صبح کو پر یانواں سے روانہ ہو گیا۔ صرف دو
 درخواستیں ایک پر یانواں کی اور ایک مرصع پور کی روانہ کیں اور خان بہادر بھی
 کی سواری پر مانگ پور آیا۔ عبدالوحید خاں صاحب رئیس کے ہاں ٹھہرا۔ یہ نہایت
 صحبت یافتہ خوش تقریر۔ اور معاملہ فہم معزز شخص ہیں۔ پہلے ضلع اٹاواہ کی
 کسی ریاست میں کارکن تھے اب خود زمیندار اور خوش باش ہیں۔ خلیق و
 شریف انسان ہیں۔

مانگ پور مسلمانوں کی قدیم بستی ہے۔ حضرت شاہ حسام الحق حیدری نقمانی
 قدس سرہ کا مزار پر انوار یہاں واقع ہے جو بزرگان سلون ضلع راے بریلی کے شیخ
 تھے۔ مزار کے متعلق کچھ معانی بھی ہے۔ مگر پیر زادگان کا حال تباہ ہے۔ باہمی
 تنازعات اور مقدمہ بازی کا انہیں زور ہے۔ ایک بزرگ زادہ مولوی ظہور الاسلام
 صاحب نامی درگاہ شریفین میں ایک مدرسہ جاری کئے ہیں۔ صرف ایک مدرس
 مقرر ہے۔ سات روپیہ ماہوار مدرسہ کوڈ سٹرکٹ بورڈ سے ملتے ہیں اور پانچ روپیہ
 ماہوار شاہ صاحب حبیب خاص سے عطا فرماتے ہیں۔ اسی سے روپیہ ہیں
 مدرسہ کا خرچ پورا ہوتا ہے۔ (سوقت تیس طلبہ زیر تعلیم ہیں۔ عربی۔ فارسی۔
 سن ۵)

اُردو کے۔ حساب بھی سکھا یا جاتا ہے۔ لیکن ایک مدرس کو اتنا وقت کہاں سے ملے کہ وہ ہر چیز کی تعلیم بخوبی دے سکے اس لئے تعلیم میں نقص ہے۔ اور مدرس صاحب بھی بڑے فاضل و قابل نہیں۔

مانک پور پہلے سادات کی ملکیت میں تھا۔ اب بڑا حصہ پٹھانوں کے پاس ہے اور انکی حالت اچھی ہے۔ لیکن ان میں و نیز عام مسلمان آبادی میں تعلیم کی بیدگی ہے۔ اتنے بڑے قصبہ میں صرف دوا نٹرنس پاس اور ایک فاضل مولوی صاحب ہیں۔ باقی بس۔ گردش زمانہ کا تماشا یہ دیکھا کہ میں جس اکہ پر آ رہا تھا اسکا اکہ بان سابق اصل زمیندار مانک پور کا پوتا تھا۔ جواب اس حال میں ہے کہ اکہ بانی سے اپنی اوقات گذرانی کرتا ہے۔ پیر زادگان میں سے بعض اعلیٰ تعلیم یافتہ اور ممالک متوسط میں گورنمنٹ کے مناصب پر فائز ہیں۔

۷۔ فروری ۱۹۱۷ء۔ آج میں گوتنی میں ہوں۔ یہاں پٹھانوں اور مختلف گوتھ کے مسلمانوں کی آبادی ہے۔ اور سب پر جوش مسلمان ہیں۔ ابتدائی تعلیم عام ہے اور اسی کے ساتھ علمی ذوق بھی پیدا ہے۔ گوتنی میں اس علمی پیاس اور ذوق کے اصلی محرک یہاں کے ایک معقول زمیندار محمد علیم خاں صاحب ہیں۔ یہ صاحب پانچ سال سے ایک مدرسہ اچھی حالت میں چلا رہے ہیں۔ مدرسہ ماہوار مدرسہ کا خرچ ہے۔ آجکل ابنائے وطن کی نادہندی اور عدم تعاون سے عاجز آکر اس مدرسہ کو اسپشل اسلامیہ سکول بنا رہے ہیں۔ میں نے مدرسہ کو تفصیلی طور پر دیکھا اور طلبہ کا امتحان بھی لیا۔ تعلیم و نصاب تعلیم دونوں بہت خوب ہیں۔ تین مدرس اور ۳۰ طلبہ ہیں۔ انگریزی۔ فارسی۔ عربی۔ اور اردو زبان اور حساب و جغرافیہ کی ابتدائی تعلیم ہوتی ہے۔

جولائی ۱۹۱۱ء سے ڈسٹرکٹ بورڈ سے غلہ رہا ہوا ملتے ہیں۔ یہاں ایک ریڈنگ روم بھی ہے۔ کئی اخبار اور رسائل آتے ہیں۔ محمد علیم خاں صاحب نہایت صاحب دل اور زمانہ کے تازہ معلومات سے بہرہ ور ہیں۔ ان سے دیر تک تعلیمی مسائل پر گفتگو رہی۔ مدوح کو اپنی جائداد کے انتظام میں مصروف رہنے سے کچھ زیادہ وقت بچتا تو وہ مدرسہ کو بڑی شان پر پہنچا دیتے۔ تاہم یہ انکی توجہ اور محنت ہی کا ثمرہ ہے کہ گوئی میں تعلیم کی طرف لوگوں کو توجہ ہے۔ اور علم کا ذوق پیدا ہو چلا ہے۔

میرا قیام محمد مسلم خاں صاحب کے یہاں رہا۔ اور انکی مہمان نوازی سے راحت اندوز ہوا۔ گوئی کے خاں صاحبان زمینداری کے علاوہ سرکاری ملازمتوں پر بھی مامور ہیں اور اسی وجہ سے خوش باش اور کسی قدر فارغ البال ہیں۔

گوئی سے گنڈہ ہونا ہوا موضع ڈروا میں گیا۔ اس موضع میں خوش حال نوریات آباد ہیں۔ یہاں سے ہی درخواست مدرسہ کی لی۔ اور پرتابگڈہ واپس آیا۔ پرتاب گڈہ میں عدالت کلکٹری اور ڈسٹرکٹ بورڈ سے ضروری معلومات کام کے متعلق حاصل کی۔ اور یہ دیکھ کر کہ اب اس ضلع میں زائد کارگذاری کا میدان نہیں فیض آباد چلا گیا۔

فیض آباد سے بوجہ علالت مکان پر آیا اور ایک ہفتہ سفر نہ کر سکا۔ بعد فیض آباد گیا تو ڈپٹی صاحب دورہ پر تھے۔ مجبوراً ضلع بارہ بنکی کا رخ کیا اور منشی اکبر علی صاحب سررشتہ دار کلکٹری سے امداد لیکر کتاب مردم شماری حاصل کی۔ مواضعات کی فہرست تیار کر لی۔ یہ دیکھ کر مسرت ہوئی کہ ضلع بارہ بنکی میں شریف مسلمانوں کی آبادی بکثرت ہے۔ سلطانپور و پرتابگڈہ میں چار سو سے زائد مسلم آبادی رکھنے والے مواضعات برتیب ۳۵ و ۳۶ تھے۔ مگر ضلع بارہ بنکی

میں ایسے دیہات ۸۶ نکلیے۔ اب انکی اخلاقی حالت کی دیکھ بھال دورہ کے زمانہ میں کروں گا۔

۴۔ مارچ ۱۹۱۶ء قصیدہ سترکہ۔ اسمیں شریف مسلمان آباد ہیں سید شیخ اور پٹھان بھی ہیں۔ قاضی زین العابدین صاحب شیوخ میں سربراہ اور وہ ممتاز ہیں۔ پٹھانوں کی حالت زیادہ اچھی ہے۔ غنی محمد خاں صاحب واولاد محمد خاں صاحب معزز اصحاب میں ہیں اور سب بھائی اعلیٰ عہدوں پر مامور ہیں۔ میں قاضی وجیہ الدین صاحب کے ہاں فروکش ہوا۔

چودھری صاحبان میں ایک چودھری اصغر علی صاحب منظم و خوش باش ہیں۔ باقی اصحاب کی حالت درست نہیں اور نہ علم و ہنر کا ذوق کسی میں ہے۔ ۵۔ مارچ۔ دیوہ شریف میں فدا علی صاحب کے ہاں قیام کیا۔ محمود علی

صاحب سے ملا۔ یہ صاحب مزار پرانوار حضرت حاجی سید وارث علی شاہ قدس سرہ کے مدرسہ اسلامیہ کے منتظم و نگراں ہیں۔ علاقہ بہار کے ضلع گیا کی ایک مسلمان خاتون عایشہ بی بی نے اس مدرسہ کے لئے نو سو روپیہ سالانہ کا وقف کیا ہے۔ مدرسہ میں ایک عالم اور دو حافظ صاحبان درس دیتے ہیں۔

حضرت حاجی وارث علی شاہ قدس سرہ تیرھویں صدی ہجری کے بڑے نامی اور کامل درویش ہیں۔ آپکے مریدین کا ایک گروہ شیخ کی طرح دنیاوی تعلقات سے آزاد اور تمہید پوش یعنی احرام میں ملبوس ہے۔ انہیں اکثر شریعت کے احکام ظاہری کی پابندی سے بھی آزاد ہیں۔ اور صرف ”یادارث“ کا وظیفہ روز زبان رکھتے ہیں۔ انکے متعلق میں حسن عقیدت نہیں رکھتا۔ دوسرا گروہ عام مرید ہونے والوں کی طرح براے نام مرید ہوا ہے اور دنیاوی تعلقات کی زندگی بسر کرتا ہے۔ حاجی صاحب قدس سرہ کے بعد پہلے سجادہ نشین

سید ابراہیم صاحب ہوئے تھے۔ احرام پوش جماعت ابتدا سے انکے خلاف تھی اور انکو مقدمہ بازی میں مبتلا کر لیا تھا۔ لیکن عدالت سے سید صاحب کے حق میں فیصلہ ہوا۔ اب سید ابراہیم صاحب فوت ہو چکے ہیں۔ اور انکی جائینی کے لئے دو فریق برسر جنگ ہیں۔ معاملہ عدالت میں پہنچ گیا ہے۔ ع۔ ہڈیوں پر میری لڑتے ہیں سگان کوئے دوست !!!

شرفا دیوہ میں شیخ فخر الدین صاحب کی حالت بہتر ہے۔ باقی سب باہمی نزاعات کی وجہ سے مقدمہ بازی کر کے برباد ہو رہے ہیں۔ علم کا فوق اور کمال کا شوق کیسے ہو۔

۴۔ مارچ۔ فتحپور میں آیا۔ شریف زمینداروں کا قصبہ ہے۔ سید اور شیخ زمیندار ہیں لیکن یہاں کے ہونہار اور معزز اصحاب ریاست حیدر آباد کوں میں مصائب عالیہ پر فائز نہیں اور کسب معاش کرتے ہیں۔ انہیں سے کچھ تو وہیں بود و باش اختیار کر چکے اور چند وطن کے ساتھ بھی تعلقات قائم کئے ہیں۔

منشی احسان علی صاحب قصبہ بڑے باکمال شاعر ہیں۔ آن سے نیاز حاصل ہوا۔ مگر اب انکے حواس درست نہیں ہیں۔ اس قصبہ میں ضلع اور اس جوار کے مایہ ناز بزرگ مولوی عابد حسین صاحب قبلہ ہیں آپ علم و عمل اور کمالات معنویہ کے جامع اور حقیقت میں لائق زیارت ہیں۔ آپکا دینی و مذہبی حلقہ اثر بھی بہت وسیع ہے۔ عام طور پر لوگوں سے ملتے ہیں اور اُسی بے تکلفی اور سادگی کے ساتھ جو قدیم زمانہ کے علمائے ربانیمین کی شان تھی۔ آپنے ایک مدرسہ اسلامیہ بھی جاری کر رکھا ہے جس میں اس وقت ۵۰ طلبہ پڑھتے ہیں۔

فتحپور پور کے شیعہ جماعت میں حکیم ابوالقاسم صاحب نہایت معزز اور پابند وضع انسان ہیں۔

میں نے منشی حسین الدین صاحب سب انسپکٹر کے یہاں قیام کیا۔ آپ ایک خاص انسان ہیں۔ سید مخلص۔ دوست نواز۔ اور علم مجلس کے ماہر ہیں۔ شاعری کا بھی مذاق اچھا ہے۔ اور ہر دل عزیز ایسے کہ بیان نہیں کیا جاسکتا۔ فتحپور سے فیروز پور قریب ہے۔ وہاں میرے نہایت سچے دوست مرزا عبد علی بیگ صاحب رئیس دریا باوزراعت کے کام میں مصروف ہیں۔ ان سے ملنے چلا گیا۔ مرزا صاحب کو جناب حاجی نواب محمد اسحق خان صاحب (محموم) کے ساتھ تعلق قرابت ہے۔ ہونہارا اور سعید لوجوان ہیں۔ مرزا یان دریا باو کے خاندان سے ہیں۔ اگر دریا باو ہی میں پڑے رہتے تو ترقی اور مشغول زندگی کا لطف نہ اٹھاتے مگر اچھا ہوا کہ انھوں نے فیروز پور میں آکر زراعت کا شغل کیا اور ماشاء اللہ اسمیں اتنی کامیابی ہوئی ہے کہ ایک اچھے زمیندار کے برابر حیثیت اور آمدنی پیدا کر لی ہے۔ اللہم زود فرد چند گھنٹہ آنکی دید سے مسرت اندوز ہو کر رات کو فتحپور واپس آ گیا۔

4۔ مارچ ۱۹۰۷ء۔ آج میں قصبہ سہالی میں ہوں۔ یہ قصبہ علمائے فرنگی محل لکھنؤ کا قدیم اور اصل مسکن ہے۔ عین صدی سے ان علماء نے شہر لکھنؤ میں سکونت اختیار کر لی ہے۔ انہوں نے شاہنشاہ نور الدین جہانگیر خلد مکان کے عہد میں نقل مکان کیا تھا۔ قصبہ سہالی میں اب تک انکے ہم نسب اور ایک جدی صاحب موجود ہیں اور زمیندار کی حیثیت سے ہیں۔ اگرچہ اب یہ قصبہ راجہ صاحب محمود آباد کے تعلقہ میں شامل ہے تاہم یہاں کے شرفا ماتحت داری کے طور پر قابض و ذلیل۔ اور زمیندار کی پوزیشن رکھتے ہیں۔

عالی نسب شیوخ انصاری کے صرف پانچ گھر یہاں رہ گئے ہیں۔ باقی ماندہ آبادی مسلمان اہل حرث کی ہے۔ نور بافول کی تعداد زیادہ ہے۔ یہاں صرف

ایک حکیم عباد الدین صاحب طبیب اور علوم عربیہ کے فاضل ہیں۔ باقی شرفا معمولی پڑھے لکھے ہیں۔ انگریزی علوم کا یہاں چرچا نہیں۔ چھ ماہ سے ایک کتب قبطیہ اسلامیہ یہاں قائم ہے۔ ۵۳ طلبہ اسمیں پڑھتے ہیں۔ محمد ایوب صاحب کا کوئی ضلع دار ریاست محمود آباد اس مدرسہ کی ترقی اور تنظیم میں پوری دلچسپی لیتے ہیں۔ مولوی ابوالحسن صاحب انصاری کتب کے منیجر ہیں۔

مولانا قطب الدین صاحب انصاری مصنف کتاب تنقید کا مزار اسی قصبہ میں ہے۔ مولانا نظام الدین احمد صاحب انصاری قصبہ نرول سے سہالی میں آئے تھے۔

رام نگر۔ سہالی سے رام نگر آیا اور مولوی رحمت اللہ صاحب غازی پوری سب انسپکٹر پولیس کے ہاں ٹھہرا۔ پولیس میں ایسے سیدھے سادے مسلمان کم ملینگے۔ نہایت نیک مزاج خوش اخلاق۔ اور ملنا را انسان ہیں۔ یہیں انکے بھائی مولوی اشرف اللہ صاحب بی۔ اے۔ انسپکٹر رجسٹریشن ریاست بھوپال سے نیاز حاصل ہوا۔ بہت خوش خلق و خندہ رو آدمی ہیں۔ راجہ صاحب رام نگر کا علاقہ سالانہ چار لاکھ روپیہ بچت کا ہے۔ مگر رئیس سید سادہ مزاج ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ سادھوؤں کی سی زندگی بسر کرتا ہے۔ لباس و بستر کھل اور گاڑ با۔ غذا معمولی مزدوروں سے بھی گئی گذری۔ یہ بھی ایک آن ہے۔ اور اللہ کی شان ہے۔

مواضع سعادت گنج و نواب گنج میں نوابان مسلمان آباد ہیں۔ وہاں جلتے پراہل دیہہ سمجھے کہ جنگی بھرتی کرنے والا سرکاری آدمی آیا ہے۔ کوئی نزدیک نہیں پھٹکا۔ ناچار سب کے دروازوں پر جا کر انکا شک وور کیا اور درخواست مکتب کی خانہ پیری کرائی۔ یہاں سے ایک موضع حضرت پور نزدیک ہے۔

وہاں شرفا کی آبادی مٹی۔ گیا تو معلوم ہوا کہ قاضی شیخ ولی محمد خاں صاحب دربار عالمگیری کے قاضی تھے۔ موضع انکا آباد کیا ہوا ہے۔ اور انکی اولاد اسپر قابض رہی اور ہے۔ مگر تو روزمانہ سے اب یہ حالت ہے کہ بانی موضع کی اولاد جو یہاں زندہ ابھی ہے تباہ حال ہے۔ زمیندار نام کی لگتی ہے۔ علم و کمال سے شوق نہیں خانہ جنگی اور ادبار زدہ جماعتوں کے طریقے انہیں دیکھے۔ اتفاق سے میں وہاں پہنچا۔ تو اسی دن امام مظلوم شہید کربلا علیہ السلام کی مجلس عزائت تھی۔ ذکر شہادت اور بیان مصائب شروع ہونے سے پہلے ہی حضار نے شور شیون بپا کر دیا۔ اور بربزید وہی خواہان یزید لعنت کے جملہ سے ماتم شروع ہوا۔ سب ملکر یہی غل مچاتے تھے۔ میں ڈرتا تھا کہ کہیں اور کچھ نہ بکنے لگیں۔ اس لئے تیور بدل لئے خیر شکر ہے کہ سب خاموش ہو گئے اور کچھ مرحوب بھی ہوئے۔ میں نے کہا کہ رو دو ہو کر سلطنت تو کھو دی اب کیا باقی ہے جو چین نہیں لیتے۔ یہ سن کر پشیمان سے ہوئے۔ مگر عادت کا پورا کرنا ضروری تھا۔ اپنے شغل میں منہمک ہو گئے۔ مجلس ختم ہوئی تو لوگوں نے ناچنا کودنا اور خفیف حرکتیں کرنا شروع کر دیا جس سے مجھکو اور کبیدگی ہوئی۔ نہ گیا پوچھ بیٹھا کہ آپ لوگوں نے دربار اودہ کے زیر سایہ شیعیت اختیار کی ہے یا پہلے سے امامیہ مذہب تھے۔ جواب ملا کہ ”قاضی صاحب خود شیعہ تھے۔ عالمگیری کے خیال سے دربار میں تقیہ کئے رہے۔ سلطنت اودہ کے دور میں جہلوگ تقیہ کا لبادہ اتار کر اصلی رنگ میں نمایاں ہو گئے۔“ اس وقت تقیہ کی فلاسفی کے مزے لے رہا تھا اور خاموش تھا۔

بہر حال علاقہ رام نگر کے مواضع کو دیکھ بھال کر بارہ بنکی واپس آیا تو منشی نواب علی صاحب وکیل کو ایک ڈپٹی صاحب کی مہر عدالت توہین بالفرض کے مقدمہ میں بدنام سنا۔ سخت افسوس ہوا دنیا کی کج فہمی پر۔ یہ شریف انسان

ہرگز ایسے کاموں کے پاس پھٹکنے والا نہیں ہو سکتا۔ اتنا محض غلط۔ افترا۔ اور
تقصیب کا کرشمہ ہے۔ (ایسا ہی ثابت ہوا۔ اور منشی صاحب کا دامن پاک نکلا۔
مولف)۔

۱۲۔ مارچ ۱۹۱۶ء۔ شہاب پور میں نوزبات مسلمانوں سے درخواست
مکتب لینے کی کوشش بے سود ہوئی۔ ان بندگان خدا نے ایک نہیں سنی اور
تعلیم پر ہمت کھینچ کر مجھے وہاں سے بھاگ کھڑے ہونے پر مجبور کر دیا۔ یہاں سے
سرسنڈہ آیا۔ شریف زمینداروں کی حالت زار دیکھی۔ مگر جو ہر نجات کچھچک
رہا تھا۔ درخواست لی۔ اور وہاں سے رسولی پہنچ گیا۔ شیخ عبدالرشید صاحب
ناپ تحصیلدار کے ہاں قیام کیا۔ آپ عارضہ درد عرق النساء میں علیل اور رخصت
پر ہیں۔ علاج میں مصروف ہیں۔ آج سہل ہوا ہے مجھ کو مکان میں بلو کر ملے۔
میں انکے برادر زادہ شیخ محمد احمد صاحب کو ساتھ لیکر کندہ بئی پور گیا۔
مولوی حاجی احمد صاحب وہاں تھے۔ ان سے درخواست مکتب
پر دستخط لئے اور انہیں کی وساطت سے عرض روانہ کر دی گئی۔ رسولی شریف کی
بستی اور ماشا اللہ تعلیم و تربیت۔ عزت و جاہت۔ اور خوشحالی میں
بھی غنیمت ہے۔

رسولی ہی مین میری ایک سفر حج کی رفیقہ اور خواہر خواندہ چھا جو میاں صاحب
کی دختر موجود تھیں۔ سلام اور مزاج پرسی کے لئے ایک دروازہ پر گیا۔ نہایت
محبت سے شب کو قیام کرنے کا اہارا اور مرغ کباب کھانا دیکھا وعدہ کیا گیا۔ مگر
میں رات نہیں سکتا تھا عرض کیا کہ شیخ سدا یا پیر تیلے نہیں ہوں کہ مرغا کھائے بغیر جاؤں۔
معاف فرمائیے۔ زندگی ہے تو پھر کبھی حاضری ہوگی۔ ہزار جاہا کہ سلام و شیر بہت پرسی
پر ٹل جائے۔ لیکن شرفا ور و مساجد کے اخلاق و عادات کب مانتے۔

ایک روپیہ کی مٹھالی ساختھ کر دی۔ اور میں رسولی سے موضع وادرا میں آیا۔ شیخ احمد حنین صاحب رئیس وادرا۔ اس جوار میں سربراہ اودہ زمیندار اور خاص اثر کے آدمی ہیں۔ عدالتی کاروبار میں اپنا مثل نہیں رکھتے۔ خوش اخلاقی کے ساتھ پیش آئے۔ مگر کام یہاں کچھ نہ ہو سکا۔ غنی احمد صاحب رئیس زمیندار وادرا نے کرم فرمایا اور اپنا اگہ عنایت کیا۔ جہیز میں تیلیری آیا۔ شب کو اسی موضع میں شیخ محمد اسماعیل صاحب کے ہاں قیام کیا۔ دوسرے دن صبح کو قصبہ سداھو پہنچ گیا۔ سداھور۔ قدیم قصبہ ہے۔ شریف مسلمانوں کی آبادی تھی۔ اہل علم اصحاب طریقت۔ اور زمیندار سب یہاں تھے۔ قریشی سادات اور شیوخ کے علاوہ انصاریوں کا بھی یہاں مسکن ہے۔ مفتی نثار احمد صاحب منیر مکتب سلاہ حمیدیہ شیخ انصاری ہیں۔ مکتب کا معاینہ کیا۔ قرآن کریم ناظرہ اور حفظ کی۔ تعلیم ہوتی ہے۔ ۲۴ لڑکے پڑھتے ہیں۔ نثار احمد صاحب کسی طرح مکتب کو چلا رہے ہیں۔ اسکی درخواست بھی مکتب کمیٹی میں ارسال کر دی گئی۔

سداھور کے سادات میں جناب سادھومیاں صاحب کے مورث شاہ نجم الدین صاحب سلطنت اودہ کے دربار سے تعلق رکھتے تھے۔ لاکھوں روپیہ کی لاگت کی عمارتیں بنوا گئے ہیں۔ جو اسوقت ابتر حالت میں ہیں۔ سادھومیاں صاحب باکمال درویش اور صاحب باطن بزرگ تھے۔ اب انکا عرس ہوتا ہے۔ عام طور پر شریف خاندانوں کی حالت درست نہیں۔ علم و کمال کا چرچا مفقود۔ بستی کی رونق کیونکر ہو۔

سید نیور۔ سداھور سے براہ راست سید نیور آیا۔ شیخ امجد علی صاحب (مرحوم) کے ہاں قیام کیا اور وہاں سے ٹیکڑا رائے گنج۔ وریا آباد۔ قصبہ ایچولی اور ٹکٹ نگر ہوتا ہوا اپنے وطن قصبہ رودلی میں پہنچ گیا۔ انجن رفاه المسلمین

کے مدرسہ کا معائنہ کیا۔ دو سال کے بعد آج اس مدرسہ کو دیکھ کر دل خوں ہو گیا۔ مدرسہ کی حالت سخت ابتر ہے۔ محض گورنمنٹ کی امداد پر چل رہا ہے۔ افسوس کہ برادران وطن باوجود عالی نسب و علو ہمت ایک ابتدائی مدرسہ کو بخوبی چلا سکتے تھے۔ دنیا انکی علم پڑو ہی اور حوصلہ مندی کی کیا تعریف کریگی !!!



۲۰۔ مئی ۱۹۱۷ء سے کانفرنس نے مجھے تعلیم المسلمین اودہ کو دو ماہ کے لئے مستعار دیا ہے۔ اور میں لکھنؤ میں فراہمی چندہ کا کام کر رہا ہوں۔ بسم اللہ کو سید احمد حسین صاحب تاجر سے ملا۔ کارباری آدمی اور شان کے بزرگ ہیں۔ مگر میری کار برآری نہو کی۔ بلکہ ملک کی شان بڑھانے کی فکر نہ کی۔ یہاں سے بیرنگ اپس چلا۔ نواب ذوالقدر جنگ بہادر سکرٹری اور معتدا بنجمن تعلیم المسلمین اودہ ہیں۔ آپنے ۱۹۱۶ء سے اس خدمت کو سنبھالا ہے۔ آپ سے قبل مولوی نظام الدین صاحب معتدا بنجمن تھے اور یہ انجمن کانفرنس کی ایک شاخ تھی۔ مگر چونکہ مولانا عملی پہلو سے کنارہ کش ہیں اس لئے انجمن کا نام ہی نام رہا کام کچھ نہیں ہو سکا۔ نواب صاحب نے یہ بار سنبھالا اور کسی محنتی کارکن کے جو یاں ہوئے سید صاحب دہلوی ایڈیٹر ہمدم نے میرا ذکر کیا۔ اس لئے میں علی گڑھ سے طلب ہوا ہوں۔ اب شرم خداے پاک کے ہاتھ ہے اگر یہ کام بن پڑے تو اودہ کی تعلیمی حالت بہتر ہو جائیگی۔

۲۱ و ۲۲۔ مئی کو لکھنؤ میں گشت کیا۔ مولوی فرزند علی صاحب وکیل نے شروع جون میں چندہ موعودہ عطا کرنے کا وعدہ کیا اور حافظ محمد حسین صاحب سوداگر یکجہی گنج لکھنؤ نے ایک سو چھ روپیہ نقد عطا فرمادئے۔ ۲۵۔ کو موی سمیع اللہ بیگ وکیل نے فرمایا کہ اورنگ آباد ضلع کلیم پور جا کر سید تصدق حسین صاحب سے

چندہ موعودہ لے آؤ۔ میں نے عرض کیا کہ جب لکھیم پور جانا ہے تو وہاں سے اور بھی چندہ کیوں نہ لایا جائے۔ چنانچہ کشتی خطوط چھپوائے گئے اور میں ۳۱ مئی کو لکھیم پور پہنچا۔ مولوی سمیع اللہ صاحب کے ہاں اسباب رکھ دیا اور کام کے لئے آمادہ ہوا۔ لیکن رات ہی سے حرارت ہو گئی اور صبح کو زور کا بخار تھا۔ دفتر کا نفرنس کو گہرا بیٹ میں اپنی واپسی کا خط لکھ دیا۔ ۳۱ جون کو طبیعت سنبھل گئی۔ اٹھا۔ قاسم حسین صاحب سے ملا۔ صاحب درد آدمی ہیں۔ کچھ کام ہوا۔ مگر پھر بخار لے آ گیا۔ اور یہ سلسلہ علالت اس قدر بڑھا کہ انجمن تعلیم المسلمین اودہ کی خدمت گزاری کی حسرت دل ہی میں رہ گئی۔ دو ماہ سے زائد عرصہ تک لکھنؤ اور دہلی میں اطباء و ڈاکٹر صاحبان کا علاج کرتا رہا۔ آخر لکھنؤ میں ڈاکٹر میگا اور ڈاکٹر محمد عمر صاحب کے علاج سے صحت میسر آئی۔ اسکے بعد ضعف سے نجات حاصل کرنے کے لئے دو تین ہفتہ تک لکھنؤ میں رہا۔ اور اگست ۱۹۱۶ء کی آخری تاریخ کو علی گڑھ دفتر کا نفرنس میں حاضر ہو گیا۔ یہ سال جنگ یورپ کی وجہ سے سخت خراب ہے۔ آبرو خدا کے ہاتھ ہے۔ دائمی سرخروئی کی لاگ کام میں مددگار ہوگی۔ اور دہلی آگ کا میا بی ہی کے پانی سے بجھیں گی۔ واللہ المستعان۔

—*—

۴۔ ستمبر ۱۹۱۶ء کو پیرس ٹرین پر ۴۴ بجے شام کو علی گڑھ سے روانہ ہوا۔ دہلی ہو کر منٹاڑ کو چلا۔ صبح کو جھانسی میں پیار پی۔ اسی جگہ قادیان کی کماٹی جماعت کے پرجوش رکن مدثر شاہ صاحب سے ملاقات ہوئی۔ آپ اپنی جماعت کی مشن پر بھلی کے عازم ہیں۔ ۴۔ ستمبر کی ڈیڑھ بجے رات کو منٹاڑ پہنچ گیا۔ صبح اور سویرے موٹر کی سواری پر مالیکا ڈول آیا۔ مولوی عبدالحمید صاحب سکرٹری انجمن ہدایت الاسلام مالیکا نون کا مہمان ہوا۔

مالی گاؤں۔ ضلع ناسک صوبہ بمبئی میں ایک چھوٹا سا قصبہ اور دیسی کپڑوں کی

منڈی ہے۔ یہاں صرف ساڑیاں بنی جاتی ہیں۔ موناٹ بھجن ضلع اعظم گڑھ اور
 الہ آباد کے نوریات مسلمان یہاں آکر آباد ہو گئے ہیں۔ اور اپنی محنت سے ذریعہ سے
 خوشحالی کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ انہیں سے بعض اشخاص دستکاری سے آگے بڑھ کر
 بیوپاری بھی ہو گئے ہیں۔ اسی گروہ میں سے عبدالحمید صاحب اور امیر الدین صاحب
 دو پڑجوش افراد نے سعی و فہم سے انجمن ہدایت الاسلام قائم کی ہے۔ آٹھ سال
 سے یہ انجمن قائم ہے۔ اسکے زیر اثر ایک انگریزی مدرسہ سکندرشاہی نڈرڈ تک اور ایک
 نائٹ اسکول جاری ہے۔ میں نے مدرسہ کے طلبہ کا امتحان لیا۔ تعلیم معقول ہے۔
 تعداد طلبہ ۲۴۔ اُستاد محنتی ہیں۔ مدرسہ کا آٹھان اچھا ہے۔ انشاء اللہ کامیاب
 ہوگا۔ ایک مخلوط مدرسہ عربی۔ فارسی۔ اور اردو کا بھی تین سال سے یہاں جاری
 ہے اور اسکے ناظم مولوی عبدالحمید صاحب ہیں۔ اس مدرسہ کے طلبہ کا بھی امتحان
 لیکر دیکھا۔ نصاب کے باضابطہ اور مدرسین کے ماہر نہ ہونے کی وجہ سے معمولی کتب
 کی سی تعلیم ہے۔ شاید اصلاح سے ترقی نمایاں ہو۔ میں نے نصاب کی درستی میں
 حصہ لیا اور انجمن والوں اور اس مدرسہ کے بانیوں کی باہمی رہنمائی دے کر ان میں
 ناکامی کو شش کی اور یار زندہ صحبت باقی، لکھ کر یہ وعدہ کیا کہ جب تک دکن
 کے دورہ پر آتا رہوں گا۔ اس مدرسہ سے دلچسپی لینے میں کمی نہ کروں گا۔ یہاں سے
 ۱۷ روپیہ کا نفرش کے لئے چندہ وصول ہوا۔ اور ۱۲ ستمبر کو میں مقام منٹا میں
 آگیا۔ مسٹر محمد ایوب صاحب دلال کو اپنا میزبان بنایا۔ انکی دکان جائے قیام ہے۔
 جی۔ آئی۔ پی۔ ریوے کا بڑا جنکشن ہے۔ یہاں زیادہ تر مسلمان آبادی قلیوٹکی ہے۔
 باقی مسلمان بہت کم ہیں۔ سیٹھ طیب مبین ممبر لوکل میونسپل بورڈ منٹا صاحب
 دولت اور اہل دل مسلمان ہیں۔ انکو مسلمانوں کی تعلیمی و اماندگی کا احساس اور
 اس کی کو دور کرنے کا خیال ہے۔ کام کرتے ہیں اور کوشاں رہتے ہیں لیکن غافل

برادران قوم کو مست خواب کئے ہے۔ یہ بیچارے کیا کریں۔ ۱۳ اوسم ستمبر ۱۹۰۷ء میں منٹاڑ میں بیکار کھوکھو ۱۵۰ کو میں ابور ضلع ناسک کو گیا۔ ایوب میاں صاحب لال میرے ساتھ تھے۔ یہاں بھی مسلمان نور بافوں کی آبادی ہے۔ اور وہ دو قسم کے ہیں۔ ایک ممالک متحدہ آگرہ وادہ کے تارک الوطن۔ اور دوسرے خاص دکھنی۔ ہر دو جماعتیں باہم اختلاف رکھتی ہیں۔ تعلیم کا اکثر لوگوں میں وجود ہے۔ لیکن زیادہ تر عربی و فارسی وال ہیں اور اسی کو پڑھتے پڑھاتے ہیں۔ انگریزی تعلیم سے ذوق نہیں۔ اور عام طور پر جہالت کا زور ہے۔

ابور میں مولوی احمد اللہ صاحب برہان پوری عالم و طبیب اور نعت گو شاعر ہیں۔ نواب صدیق حسن خاں مرحوم کی صحبت دیکھی ہے۔ پہلے یہاں بہت با اثر اور صاحب عزت تھے۔ اب وہ بات نہیں۔ پھر بھی دم غنیمت ہے۔ اس قصبہ میں بوروں کی جماعت سے چند افراد اچھی حالت میں ہیں۔ اور ایک خانقاہ بھی خوشحال ہیں۔ قومی درد کی کمی ہے۔ ایک انجمن اور نائٹ اسکول نام کیلئے قائم ہے۔ دلوں کی حالت درست نہیں کام کو فروغ کیونکر ہو۔ صرف ایک منشی محمد حسین صاحب تارکش اس بستی میں عالی ہمت انسان ملے غربت میں اپنے اوپر سختی چھیل کر ایک لڑکے کو بی۔ اے پاس کرایا ہے۔ دوسرا بچہ میٹرک میں پڑھتا تھا وہ آجکل بیمار ہے۔ خدا شفا دے اور کامیاب فرمائے۔ منشی صاحب یار باش آدمی ہیں اور نہایت خلیق۔ سیٹھ نور محمد صاحب بھی ایک مالدار اور معقول آدمی ہیں۔ یہاں میری دو تقریریں ہوئیں۔ چندہ برائے نام ملا۔

ابور سے منٹاڑ واپس گیا۔ اور وہاں سے ۱۷ ستمبر کو دیبا پور پہنچا۔ مولوی عبدالقادر صاحب وکیل اور قاضی صاحب شہر کے ہاں جاے قیام کی تلاش میں ناکامی ہوئی۔ مجبوراً کسی اور مسافر نواز کی جستجو کا مرحلہ پیش آیا۔ قاضی صاحب کے نوجوان بھتیجے

جو اس وقت مکان پر تھے اور جگہ دینے سے انکار کر چکے تھے۔ اُن سے اتنی اجازت لی کہ اسباب وہاں رکھ دوں اور پھر کہیں پڑ رہنے کی جگہ تلاش کروں۔ بمشکل راضی ہوئے میں وہاں سے سید ہا منصف صاحب کے پاس گیا۔ مولوی امجد علی صاحب منصف ترقا بلدہ حیدر آباد میں سے ہیں۔ نہایت اخلاق کے ساتھ پیش آئے اور مولوی محمد نواز صاحب وکیل کے یہاں میرے قیام کا انتظام فرما دیا۔ مولوی محمد نواز خاں صاحب نہایت محبت سے مجھے اپنے مکان پر لے گئے اور با شائش رہنے کی جگہ ملی۔ مہمان بھی اُنہیں کا رہا۔ معلوم ہوا کہ مولوی حکمت اللہ صاحب دوم تعلقہ اردیجا پور میں تبدیل ہو آگئے ہیں۔ اُن سے ملنے گیا تو اُنھوں نے میرا اسباب اپنے ہاں اٹھوا منگوا یا۔ شام کو کلب میں عمال و حکام اور محرزین سے ملاقات کی۔ مسٹر بہرام جی صاحب پارسی سینک تحصیلدار نے میرے کام میں امداد و اعانت کی پورے زور سے تائید کی اور لوگوں کو اسپر آمادہ کیا۔ بہرام جی صاحب نہایت خلیق و شریف منش انسان اور قومی و ملی بہبود کے کاموں سے پوری دلچسپی رکھتے ہیں۔ اور کیوں نہ ہو۔ پارسی ہیں۔ اس قوم کے فرد ہیں جبکہ نظام ملی اس وقت ہندوستان کی اقوام میں سب سے بڑھ کر منظم اور مکمل ہے۔

۱۴۔ ستمبر کو مولوی حکمت اللہ صاحب کی صدارت میں ایک جلسہ منعقد ہوا۔ میں نے تعلیم پر تقریر کی۔ مائتہ چندہ نقد مورعہ ہوا۔ اور یہ سب مسٹر بہرام جی کے ہمت کا نتیجہ تھا۔ مولوی حکمت اللہ صاحب ام وہہ ضلع مراد آباد کے رئیس اور خلد مکان نواب وقار الملک مرحوم کے بھائی۔ نجیب اور سخا بہت نواز بہت خوبی کے انسان ہیں۔ انکی توجہ سے دیجا پور میں کانفرنس کو مامعہ روپے مل گئے۔ اُسی دن رات کو مسٹر بہرام جی صاحب نے ممبران کلب دیجا پور کی طرف سے مجھے کلب ہی میں کھانے کی دعوت دی اور بعد کھانے کے گانا بھی ہوا۔ مولوی حکمت اللہ صاحب نے بھی گانا سنوایا۔ اور انکی وجہ سے دیجا پور میں تمام وقت نہایت لطف سے گذرا۔ مولوی صاحب کے سالے

مشتاق حسین صاحب کی عنایتیں خاص طور پر یاد رہیں گی۔ یہ بڑے صاحبِ دل انسان اور محبت کے پتلے ہیں۔

دیباچہ وضع اور رنگ آباد کا ایک تعلقہ ہے۔ یہاں کے نوجوانوں کی خواہش سے میں نے کلب میں ایک اُردو لائبریری اور ریڈنگ روم کھولنے کی تحریک کی اور مولوی اسحق علی صاحب علوی ظفر الملک مہتمم التاظر یک ایجنسی کو اُردو کتابوں کا آرڈر بھجوا دیا۔ ان سے رعایت کی استدعا کی۔ رسالہ زمانہ کانپور۔ رسالہ معارف اعظم گڑھ۔ اور اخبار صبح کا ستارہ۔ ذریعہ وی۔ پی۔ لائبریری کے لئے طلب ہوا۔ یہیں حافظ محمد سلیم صاحب امین پولیس خلد آباد ضلع اورنگ آباد سے ملاقات ہوئی اور ان سے کانفرنس کے لئے دس ممبروں کی فراہمی کا وعدہ لیا۔ ارادہ ہے کہ اورنگ آباد سے خلد آباد جاؤنگ۔ ۵ ستمبر کو دیکھا پور سے روانہ ہوا۔ بوقت رخصت مسٹر بہرام جی صاحب نے کمالِ لطف و محبت سے الوداع کہا اور ہار پٹنایا۔

اورنگ آباد۔ ۲۵۔ ستمبر کو یہاں وارد ہوا۔ بقرعید یہیں کی۔ مولوی معصوم علی صاحب منصف نے دعوت کی۔ اور ۱۔ اکتوبر ۱۹۱۷ء تک اورنگ آباد میں بیکار پڑا ہوا۔ ۸۔ اکتوبر سے دورہ پر جانے کی تیاری شروع کی اور سید احمد اللہ صاحب تعلقہ دار اول اورنگ آباد سے منصف صاحب و تحصیلدار صاحب بیٹن کے نام شفا رشی خطوط لیکر بیٹن کا عازم ہوا۔ سواری بندھی کی ملی۔ میر عنایت حسین صاحب ہلوی سیکرٹری روڈ وگھاٹ صوبہ اورنگ آباد رفیق سفر تھے۔ شب کو بیٹن کن کے ڈاک بنگلہ میں قیام کیا۔ ڈاک بنگلہ بہت خوش فضا جگہ پر بنا ہے۔ ۱۰۔ اکتوبر کو چار بجے دن کے وقت بیٹن پہنچا اور ڈاک بنگلہ میں ٹھہرا غسل اور تبدیل لباس کے شام سے قبل قصبہ بیٹن میں گیا اور مولوی قاضی حاجی تمیز الدین صاحب وکیل سے ملا۔ انہوں نے کریم و مسافر نوازی فرما کر میرا اسباب ڈاک بنگلہ سے اپنے یہاں منگوا لیا اور میزبانی فرمائی۔ عجیب لطف و

مدارات سے پیش آئے۔ قومی کاموں میں انکی استعداد اور بیداری دماغ دیکھ کر مجھ کو متنا پیدا ہوئی کہ کاش تمام مسلمان ایسے ہی اہل دل ہو جاتے۔ آپ کو قلمی مشغلہ سے خاص ذوق ہے۔ اکثر اخبارات کے نامہ نگار اور دنیا کے صحافت کے بڑے سیاح ہیں۔ طبعاً قدامت پسند اور اقتدار دوست ہیں لیکن اختلاف کو انھیں لوگوں تک محدود رکھتے ہیں جو مٹیرٹ یعنی انکے اصول کے خلاف انتہا پسند ہیں۔ شیہ کاؤن ضلع احمد نگر دکن کے رہنے والے اور سلسلہ وکالت پٹن میں مقیم ہیں۔ رات سکون و آرام سے بسر کی۔ صبح ہوتے ہی کام کی فکر میں چلا۔

صاحبزادہ میر جانا علی خاں صاحب تحصیلدار سے ملا۔ آپ شاہی خاندان کے رکن ہیں۔ منصف شیہ و دش پر شاہ صاحب بخشی رکھنا تھے صاحب کے بھتیجے اور ہاتھرس ضلع علی گڑھ کے رہنے والے ہیں۔ نہایت خلیق اور عظیم دوست انسان ہیں۔ دوسرے روز ایک مجلس مرتب کی اور کانفرنس کے پچاس ممبر میا کر دیے۔ اس جلسہ میں میں نے تعلیم پر تقریر کی۔ اس کے دوسرے دن جمعہ تھا۔ مسیحی جامعہ میں گیا اور عام مسلمانوں کے حسب خواہش وہاں بھی کچھ بیان کیا۔ روز آئندہ ایک بزرگ کی درگاہ میں مسلمانوں نے وعظ کرایا۔ اور ۱۳۔ اکتوبر کو منصف صاحب نے ایک عام لکچر کرایا۔ اس جلسہ میں بھی حاضرین کی خاصی تعداد جمع ہو گئی تھی۔

پٹن۔ کوتاریخی دنیا میں آئے ہوئے ۱۹۷۲ سال ہو چکے ہیں شاہی دہن کے زمانہ میں اور اسکی توجہ سے یہ شہر بہت رونق اور عروج پا گیا تھا۔ شاہی دہن برہمن قوم کا ایک عالی حوصلہ حکمران ہوا ہے اس نے راجہ ناگ کی بیٹی سے بیاہ کیا اور اسکی یادگار میں پٹن میں ندی پر ناگر گھاٹ بنوایا ہے۔ یہ بہت بڑا سنگی گھاٹ ہے اور جس وقت ندی چڑھتی ہے اس گھاٹ پر خاص لطف کا سماں ہوتا ہے۔ صد ہا قلعہ شکوہ حویلیوں کے کھنڈر اس شہر کی عظمت و قدامت کے مظہر ہیں۔

شیعہ مغلوں کے آثار یہاں بکثرت ہیں شاہنشاہ اورنگ زیب کے عہد میں یہ قصبہ شیعہ مغلوں کو جاگیر کے طور پر ملا تھا اور یہاں اس گروہ کی کثیر آبادی تھی۔ اب صرف دو گھڑاس جماعت کے باقی ہیں اور وہ بھی بحالت زار۔ باقی مسلمان نوربانہ ہیں۔ پٹن میں زری کا کام بہت اعلیٰ ہوتا تھا اور مشہور عالم تھا۔ اکثر ریشمی ساریا زری کے کام کی بنی تھیں اور اتنی چمکار کہ ایک ایک ساری سیکڑوں روپیہ کی پیدا کرتی تھی۔ اب بھی بنی ہیں لیکن کم۔ ایک ساڑی میں نے دیکھی زری تاروں کا بہت پائدار کام کیا جاتا ہے۔ آج کل یہاں زیادہ تر دستاویں بنی ہیں کیونکہ اسی مال کی باہر سے مانگ ہے بنیوں کی قوم بھاٹیہ اور گجرات کے حبشی یہی دستاویں استعمال کرتے ہیں۔ نوربانوں کا روزگار اچھا ہے۔

پٹن کی جامع مسجد مسجد کوفہ کے نمونہ پر بنی ہے۔ خصوصاً منبر۔ جنوبی حجرہ۔ اور طاق تو بالکل ویسا ہی ہے۔ ایک چھوٹا مینار ایکڈال تچہ کا ہندوؤں کے وقت کا بھی قابل دید ہے۔ مسلمانوں کی عام حالت نہایت زار ہے۔ مرہٹے بھی پریشان حال ہیں۔ صرف برہمنوں میں خوشحالی کے کچھ آثار پائے جاتے ہیں۔ تو اس سے کیا ہوتا ہے کثیر آبادی کی مفلسی اور بے سروسامانی عام فارغ البالی منولے کا ثبوت ہے۔

ایک بزرگ اور قدیم زمانہ کے صوفی مولانا معزالدینؒ کا مزار یہاں ہے۔ آپ حضرت خواجہ رکن الدین زراریؒ زرخش رح کے خلیفہ تھے۔ گنگا گوداوری کے کنارہ پر۔ ایک پہاڑی کہہ دو پر نفیس قبۃ اور عمارت ہے۔ دس ہسات میں یہاں سے حجب دلکش منظر پیش نگاہ ہوتا ہوگا۔ اور ایام میں بھی یہ جگہ پر لطف رہتی ہے اور اہل دل کے واسطے تو ہر وقت ایک نورانی جگہ ہے۔

ہندو اصحاب کے متبرک مقامات کئی ایک ہیں۔ تیرتھ کیم۔ دلکش جگہ ہے۔ ستری رنگنا تھکا دیول بہت شاندار بنا ہے۔ انکی اولاد اب تک دیول کی منتظم ہے۔

اور سیکڑوں ایکڑ زمین مختلف مواضع میں سرکار نظام دام ملکہ کی طرف سے معافی ملی ہوئی ہے۔ ایک اور دیول رنگنا تھہ شیو دین ناتھ مہاراج کا ہے۔ اسکے متعلق بھی چھہ ستم مواضعات اور پانچ دیہات میں پٹیان سرکار عالی نظام دام ملکہ کی طرف سے جاگیر و معافی کے طور پر عطا کی گئی ہیں۔ ماہ پھاگن میں یہاں بہت بڑا میلہ لگتا ہے اور جاترا ہوتی ہے۔ یہ قصبہ احمد نگر کی سلمان ریاست نظام شاہی کا ماتحت اور مستقر نظامت بھی رہ چکا ہے۔ لیکن کسی سلمان حکمران یا رئیس کا مفکر حکومت نہ ہونے کی وجہ سے اس میں مسلمانوں کے عہد کی کوئی بڑی یادگار موجود نہیں۔

۱۶۔ اکتوبر ۱۹۱۷ء پنڈت بھگونت راؤ توڑے کرنجومی قصبہ پٹن میں عجیب فاضل۔ طبائع ذہین اور ماہر شخص ہیں۔ آج ایک جلسہ میری صدارت میں منعقد ہوا۔ اس جلسہ میں پنڈت صاحب مدوح نے اپنی تصنیف کردہ رامائن مرہٹی زبان میں سنائی۔ آپ نجوم ورمل کے بہترین ماہر۔ مرہٹی زبان کے خوشگو شاعر۔ اور ذو معنی کلام رکھتے ہیں۔ خوشنویسی کے استاد فن ہیں۔ خط طغرا بخند لکھتے ہیں۔ متحدہ نمونے اپنی قلمی شگوف کاری کے مجھے دکھائے اور چند عطا بھی کئے۔ مخصوص کرم یہ فرمایا کہ میرے نام کا ایک طغرا خطا ماہی میں لکھ کر مرحمت کیا۔ اٹنی رات کے وقت پٹن کے برہمنوں کی ایک موسیقی داں منڈی نے مجھے اپنا گانا بھی سنایا۔ اگرچہ گانا مذہبی تھا۔ لیکن فن کی وسیع معلومات سے بید مستفید ہوا۔ خود راجہ صاحب سمرستان رنگنا تھہ نے بھی اپنے کمال موسیقی سے مخلوق ظفرمایا۔ اور ۱۲ بجے شب تک پُر لطف صحبت رہی۔

۹۔ اکتوبر ۱۹۱۷ء۔ آج میں پٹن سے اورنگ آباد واپس آیا اور یکم نومبر تک یہیں قیام رہا۔ کیونکہ محرم شریف کا زمانہ تھا بوجہ تعطیل و مصروفیت عوامی ادارے لوگوں کا مصروف کار ہونا مشکل تھا۔ ایک شب رابعہ دورانی کے مقبرہ میں بسر ہوئی۔

مولوی معشوق حسین صاحب بی۔ اے۔ اسٹنٹ رجسٹرار کو اپریٹو بکس سوریج
ریاست نظام سے دیر تک لطف کی باتیں ہوتی رہیں۔

حضرات شیعہ کی مجالس عزائمیں شریک ہو کر ماتم و سوز کے لطف
اٹھاتا رہا۔ خواجہ نواب حسین صاحب وکیل اورنگ آباد آج سے پچاس سال
قبل مرثیہ خوانی کرتے ہوئے حیدر آباد دکن میں وارد ہوئے۔ اور نکالت کا امتحان
دیکر یہ پیشہ اختیار کر لیا۔ اورنگ آباد میں کام شروع کیا اور اچھا فروغ حاصل کیا۔
ماہ حرام میں مجالس عزائم کا اہتمام خاص ذوق سے کرتے ہیں۔ خاص اورنگ آباد
اور مصافات کے شیعہ اصبیہ مجتمع ہو کر بزم عزائم کو نوحہ و ماتم سے آراستہ کرتے ہیں
تحت لفظ پڑھنے میں خواجہ صاحب کو کمال ہے۔ اور ماشاء اللہ مرثیہ خوانی اس
عالم پیری میں بھی شباب کا جوش دکھاتی ہے۔

یکم سے ۸۔ نومبر ۱۹۱۷ء تک بیٹر جانے کے لئے سواری کا متلاشی رہا۔ ۸ رکو
معلوم ہوا کہ مصطفیٰ احمد صاحب سپروائزر تعمیرات گھوڑے بیڑ جا رہے ہیں۔ بیلو
ٹانگہ سواری کے لئے مہیا ہوا۔ بیڑ تک کسی طرف سے ریل نہیں۔ پختہ سڑک جالانہ سے
بنی ہے۔ لیکن محض ۲۵ کوس تک۔ وہ بھی پلوں سے عاری ہے۔ بہر حال بیڑ جانے سے
۳۲ کوس ہے۔ اسمیں ۲۵ کوس عمدہ سڑک ہونے کی وجہ سے بہت کچھ صعوبت
سفر کم ہو جاتی ہے۔ یہی راستہ اختیار کیا ہے۔ لیکن جالانہ سے دو کوس کے فاصلہ
پر پہنچا تھا کہ ٹانگہ کے ایک پہیہ کا بال نکل گیا۔ نزدیک کے موضع سے بیگار پکڑ کر
اور کسی دوسرے ٹانگہ کا ایک پہیہ کھول کے اپنا ٹانگہ چالو کیا اور مشکل تمام
دو دھتاندی تک گئے۔ ندی کا پل بن رہا تھا۔ نو باروں سچا کام کر رہے تھے۔ آج
بال چڑھوایا گیا اور ڈاک بنگلہ میں قیام کیا۔ ڈاک بنگلہ نہایت گندہ۔ آدمی سست
اور مجھول۔ خود کھانا پکایا تب بھوک کی آگ بجھائی اور چار بجے شام کو یہاں سے

چلکر آٹھ بجے شبکو انیٹر پہنچا۔ یہاں بھی ڈاک بنگلہ میں فروکش ہوا۔ خانہ سالن چنبا غائب تھے۔ ۹ بجے شبکو آئے اور بیماری کا حیلہ کیا۔ بڑی مصیبت سے رات بسر کی۔ ۲ بجے رات کو ٹھوڑی سی نیند آئی۔ کٹھنل تو نہیں تھے۔ مگر وحشت اور اسباب راحت کی کمی نے بیچین رکھا۔

صبح کو ناشتہ کر کے انیٹر سے روانگی ہوئی۔ یہ پورا دن اور اسکے بعد کی رات سفر میں کٹی۔ دوسرے دن شام کو گھوڑے پہنچے۔ یہاں بھی ڈاک بنگلہ میں ٹھکانا ملا۔ کچھ آرام ملتا مگر کھٹلوں نے ناک میں دم کر دیا۔ ۱۲ بجے شبکو یہاں سے بھی کوچ ہوا۔ دوسرے دن شام کو ۹ بجے پنڈگانوں میں منزل کی۔ اس مقام پر شمس الدین صاحب ٹھیکہ دار سڑک نے میزبانی فرمائی اور رات کو روک لیا چچیلاری میں رات بسر کی اور صبح سویرے حواج سے فارغ ہو کر آگے چلا۔ ۱ بجے دن کے وقت بیٹر پہنچ گیا اور مولوی فخر الدین جن صاحب موہانی منصف کے یہاں فروکش ہوا۔ بیٹر میں ایک خاندان چشتیہ کے بزرگ کا مزار ہے۔ اسکی زیارت کو گیا۔ صدر شاہ کے نام سے مشہور اور حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی کے خلیفہ تھے۔ اس مزار پر جاتے ہوئے تمام راستہ میں بے پائیاں قبروں اور قبرستان کے آثار دیکھے۔ شہر بیٹر کی آبادی بہت قدیم ہے۔ قلعہ کبھی بہت شاندار بنا رہا ہوگا۔ اب تو شکستہ ہے۔ قلعہ میں ایک مسجد شاہنشاہ جمانگیر کی تعمیر کردہ موجود ہے اور یہی جامع مسجد کہلاتی ہے۔ قبرستانوں کے سلسلہ میں قدم قدم پر نہایت عمدہ مسجدیں بنی ہیں۔ مگر سب دیراں ہیں۔ اب سے ایک سو برس قبل بیٹر کی آبادی بہت بڑی اور بارونق تھی۔ بعد میں آبادی کم ہوتی گئی اور پانچ سال پہلے دو برس تک ایسا سخت دورہ مرض طاعون کا ہوتا رہا کہ بیس ہزار آبادی اُسی کے نذر ہو گئی۔ اسوجہ اب دیہاتی برستی ہے۔ رؤساء اور آمر امٹ مٹا گئے۔ صرف ایک گھر جناب سری اور شاہ صاحب

کار لگایا تھا۔ یہ بزرگ زادے ہیں۔ والی ریاست گوالیار کے گرد ہیں۔ وہاں بھی معقول جاگیر ہے اور یہاں تین ہزار روپیہ سالانہ کی جاگیر الگ تھی۔ وہ اب قرضہ کی علت میں ضبط ہے۔ موجودہ گدی نشین سری قادر شاہ صاحب مکان و املاک کوڑیوں کے مول فروخت کر کے بھی میں عیش و عشرت منارہے ہیں۔ ڈیوڑھی سا ہو کاروں کے ہاتھ میں ہے۔

بیٹر کی آبادی دو حصوں میں تقسیم ہے۔ ایک حصہ جدید ہے اور دوسرا قدیم دونوں آبادیوں کے مابین ایک ندی حد فاصل ہے اور اس پر مختصر سا پل بنا ہے۔ ایکے ذریعہ سے عبور ہوتا ہے۔ قدیم بیٹر میں آبادی کے کنارہ پر ایک چل سٹون عمارت بہت پرانی بنی ہے۔ کسی زمانہ میں روکش جنت رہی ہوگی۔ لیکن اب نہایت اتر حالت میں ہے۔ اسکے گرد ایک تالاب پتھر کا بنا ہے اور بہت مستحکم بنا ہے بارش کا آخری زمانہ ہونے کی وجہ سے آج کل پل تک پانی میں غرق ہے عمارت تک جانا غیر ممکن تھا۔ کنارہ تالاب سے دیکھ کر واپس آیا۔ اس وقت تک سرکار عالی نظام کی توجہ عالیہ آثار قدیمہ کی طرف پورے طور پر نہیں ہوئی ہے۔ اگر کبھی ایسا ہو تو امید ہے کہ ایسی قابل قدر عمارتیں محفوظ اور کارآمد بنائی جاسکیں گی۔

یہاں چند بہت کم ہوا۔ وکلا میں سے برہمن پارٹی کے اصحاب بالکل الگ رہے۔ باقی صاحبوں میں سے دو تین نے کچھ اعانت فرمائی۔ جنہاں اللہ مصطفیٰ احمد صاحب سپر وائزر کی عنایتوں اور خوش اخلاقی سے بہت مسرت ہوئی۔ انکا تبادلہ مومن آباد کو ہو گیا ہے۔

مولوی حکیم محمد یوسف صاحب ساکن اورنگ آباد ضلع بلند شہر (پونہ) سے بیٹر میں ملاقات ہوئی۔ بہت خوب آدمی ہیں۔ دامن قناعت چھوڑ کر ہندوستان سے حیدر آباد آئے اور گتہ داری (ٹھیکہ داری) شروع کی۔ مگر اب

کام نہیں چلتا۔ متلاشی ملازمت ہیں معقول انسان ہیں۔ مولوی غلام حسین صاحب منصف بھی نیک دل سادہ مزاج بزرگ ہیں۔ بیڑ میں جو کچھ مدد ملی وہ صرف باوجود ولایت رام صاحب سے ملی۔ یہ بیڑے عالی منشا انسان اور خلق و انسانیت کے زیور سے آراستہ ہیں۔ آخر کار میں بیڑے حکیم محمد یوسف صاحب کے ساتھ جالانہ کو واپس چلا۔ راستہ میں بمقام گھوڑائی تحصیلدار حافظ محمد خاں صاحب کا مہمان ہوا۔ یہ بیڑے خلیق اور با اوصاف آدمی ہیں۔ مولوی نصیر احمد صاحب متمم تعمیرات گھوڑائی ایک با خدا بزرگ ہیں۔ ان سے شناسائی اور ملاقات ہوئی۔ گھوڑائی میں تحصیلدار حافظ محمد خاں صاحب اور ہاشم علی صاحب منصف میرے کام میں پوری مدد دی اور تیسرے دن یہاں سے روانہ ہو کر شاہ پور کے ڈاک بنگلہ میں قیام کیا۔ اسکے بعد کی منزل نمبر میں ہوئی اور یہاں مزار غلام حسین صاحب متمم کو قواری سے نیا حاصل ہوا۔ یہ صاحب دورہ پر تھے۔ انکی صحبت سے دل بستگی رہی۔ مسٹر ڈنشا صاحب تحصیلدار نمبر نے کوئی مدد نہیں فرمائی اس لئے وہاں کچھ کام نہیں ہو سکا۔ اور دوسرے دن وہاں سے چل کر جالانہ آگیا۔

جالانہ میں ایسا وقت رالیکاں ہوا کہ مایوس ہو کر وہاں سے سید ہا بھی چلا آیا۔ شاہجہاں پٹیل میں قیام کر کے مولوی عبداللہ صاحب سے ملا۔ ہوٹل میں علی گڈہ کے ایک قفل کے کارخانہ دار سے ملاقات ہوئی آپکا نام افتخار حسین صاحب ہے۔ ان سے خاص لطف ہو گیا۔ بمبئی میں چندہ کا نفرش کا جو کچھ کام ہوا اس شہر کی عظمت و دولتمندی کے مقابلہ میں ناقابل ذکر ہے۔ ہاں بسلسلہ کا جن لوگوں سے ملاقات ہوئی وہ حسب ذیل ہیں۔

سر کریم بہائی ابراہیم صاحب۔ محمد یوسف ثوبانی صاحب۔ فاضل بہائی صاحب بڑو وہ دالے۔ اور سر ابراہیم رحمت اللہ صاحب۔ عبدالحمید صاحب بی۔

انجمن اسلام بمبئی کے ایک ماسٹر صاحب سے ملاقات ہوئی۔ بہت خلیق و طنساہ آدمی ہیں۔ انکی صحبت میں دل بہلتا ہے۔ ایک معزز مہوطن حکیم نکتہ رسول (مجموعہ) بمبئی میں مطب کر رہے ہیں۔ کام اب تک چلا نہیں سکا امید ہے کہ اللہ پاک کوئی اچھا سامان کر دیگا۔ استقلال شرط ہے۔ انکی وجہ سے بہت لطف رہتا ہے عزیز می محمد یحییٰ سے بھی ملنا ہوا۔ اردو اسکول میونسپل بورڈ میں ماسٹر ہیں اور امید ہے کہ اب اپنی زندگی کا رآمد بنا کر ترقی کرینگے۔ اور لوگوں سے بھی ملنا ہوا۔ مگر کمین سے بامراد اور کسی جگہ سے بیرنگ واپس ہوتا رہا۔ بمبئی میں ہر شخص کار باری زندگی کرتا ہے مصروفیت بہت زیادہ ہے۔ لوگوں میں اخلاق ہے۔ بڑے اور نامی آدمی سب ملنے میں اچھے ہیں۔

۱۹۔ دسمبر ۱۹۱۷ء کو بمبئی سے پونا آیا اور سیٹھ آنر بیل جعفر مارون صاحب کے ہاں ٹھہرا۔ یہاں کوشش سے بارہ ممبر کانسفرنس کو مل گئے۔ اور ۲۲۔ دسمبر کو میں اور ننگ آباد (دکن) چلا آیا۔ مولوی عبدالحق صاحب بی۔ اے۔ سکریٹری انجمن ترقی اردو سے معاملت ہو گئی اور یہاں سے سید ہاکلکتہ روانہ ہو گیا۔ ۲۶۔ دسمبر کو کلکتہ میں تھا۔ مولانا محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی (حال نواب صدر یار جنگ) آنریری جنرل سکریٹری کانسفرنس نے فرمایا کہ بلا طلب بلکہ ممانعت کرنے پر بھی کیوں آئے۔ کانسفرنس تنگواپنا مہمان نہیں بنا سکتی۔ میں بھی دوسرا کام لے چکا تھا۔ اس لئے کوئی عذر نہیں کیا۔ اور یکم جنوری ۱۹۱۸ء سے انجمن ترقی اردو کا کام آغاز کر دیا۔ نمبر ۷ کو مولو لہ اسٹریٹ کلکتہ میں مقیم ہوں۔

انجمن ترقی اردو کی سفارت

دورہ بنگال

۱۲۔ جنوری ۱۹۱۸ء کو جملہ کاغذات چھپوا کر۔ کلکتہ کے سیالندہ اسٹیشن سے ڈھاکہ میل پر ڈھاکہ کوروانہ ہوا۔ انٹر کلاس پربنگالیوں کا مجمع کثیر تھا لیکن میں آرام سے سوٹا ہوا ۸ بجے صبح کو اندو گھاٹ پر پہنچ گیا اور وہاں اسٹیمر نارائن گنج تک لے گیا اور نارائن گنج گھاٹ سے پھر ریل ملی۔ نارائن گنج گھاٹ کی وجہ سے مختصر بستی ہے مگر آباد۔ یہاں سے ٹرین ڈھاکہ کوروانہ ہوتی ہے۔ ٹرین پر جاتے ہوئے راستہ میں ملک کی عام حالت دیکھتا جا رہا تھا۔ ویسٹرن بنگال میں ہر کاشتکار کی جھونپڑی ایسے کیست کے پاس ہوتی ہے۔ جھونپڑی ٹن سے چھائی جاتی ہے اور اسپر کوئی خوشامیل چھائی رہتی ہے۔ یہی منظر دیکھتا ہوا ۴ بجے شام کے قریب ڈھاکہ پہنچا۔ خاں بہادر نواب اعظم شاہ صاحب کا مہمان ہوا۔ نواب صاحب نے بکمال عنایت جھکو ڈاک بنگلہ میں اپنی طرف سے ٹھہرایا۔ ڈاک بنگلہ کا موقع بہت اچھا ہے اور اس کے گرد و پیش کا منظر بحد خوشنما۔

۱۴۔ جنوری ۱۹۱۸ء۔ خواجہ محمد موسیٰ صاحب رئیس حسن منزل ڈھاکہ جھکو ڈاک بنگلہ سے اپنے یہاں آٹھالائے۔ مولوی حکیم حبیب الرحمن صاحب سے نیاز حاصل ہوا۔ یہ صاحب ڈھاکہ میں ایک حقیقی زندہ دل ہیں۔ افغانی النسل۔ یو۔ پی۔ میں تعلیم پائی ہے۔ یہاں صاحب اثر و اقتدار میں مطلب اچھا چلتا ہے۔ تمام قومی حالات سے باخبر رہتے ہیں۔ اور آئینہ دروند کے ساتھ بحسن سلوک پیش آتے ہیں۔ آج ایک کمیٹی ۱۵۔ جنوری ۱۹۱۸ء کے لئے بلوائی گئی ہے۔ دیکھئے کیا ہوتا ہے۔ رات کو

میڈیکل کالج کے اسٹوڈینٹس نے مجھے میلاد شریف پڑھوایا۔

۱۵۔ جنوری ۱۹۱۸ء کو حسن منزل میں خواجہ محمد اعظم صاحب کی صدارت میں چار بجے دن کو کمیٹی ہوئی۔ ڈاکٹر مشرف الحق نے مجھ سے اغراض و مقاصد انجمن ترقی اردو کے بیان کرائے۔ حکیم حبیب الرحمن صاحب نے بھی تقریر کی۔ سنا حساباً ممبر ہونے کا وعدہ فرما گئے۔ آئندہ دن کی شام کو ڈاکٹر مشرف الحق صاحب نے اپنے مکان پر ایک سبکٹ کمیٹی طلب فرمائی ہے۔ شب کو نواب سلیم اللہ مرحوم آن ٹوٹھا کہ کی بیگم صاحبہ نے مجھ سے میلاد شریف پڑھوایا۔

۱۶۔ جنوری ۱۹۱۸ء۔ خواجہ محمد موسیٰ صاحب کے ساتھ بارہ بجے تک ممبروں کی تلاش میں کوشاں رہا۔ میرزا فقیر محمد صاحب نواب فیلی میں ایک علم دوست نوجوان ہیں۔ معلومات بہت وسیع اور اردو کے نہایت دل دادہ۔ خواجہ محمد موسیٰ صاحب میرے مینزبان تعلیم نواں کے سجدہ مؤید اور اپنی بچیوں کی تعلیم و تربیت میں پورے سرگرم ہیں۔ شمس العلماء مولینا وحید صاحب پرنسپل ڈہاکہ مدرسہ نہایت عظیم مصر اور یورپ کے سیاح۔ نہایت باخبر اور وسیع معلومات کے آدمی ہیں۔ اردو کے سجدہ مؤید ہیں۔ قاضی ظہیر الحق صاحب ہیڈ ماسٹر انگلش برائچ مدرسہ ڈہاکہ عجیب و غریب شخص ہیں۔ سونگن کی وجہ سے ممبری ترقی اردو منظور نہ فرما سکے۔ ان سے کچھ مڑنے کی بات چیت ہوئی۔ مگر اپنی کہنے لگئے۔ رات کو ڈاکٹر مشرف الحق صاحب پروفیسر ڈہاکہ کالج کے ہاں جگمگٹا ہوا۔ مولوی عبدالحق صاحب سے ناخوشی معلوم ہوئی۔ وجہ ناراضی ظاہر نہیں کی۔ آپ کو قلمی کتابوں کا شوق بدرجہ کمال ہے۔ کہتے ہیں گیارہ سو قلمی کتابیں حج کی ہیں۔ بعض نسخے میں نے بھی دیکھے۔ دیوان صائب کا قلمی نسخہ خود صائب کے ہاتھ کا لکھا ہوا لا جواب ہے۔ تیمور نامہ بھی خوب کتاب ہے۔ ایک نا در چیز اور بھی دیکھی وہ یہ کہ آصفیہ کے نام دربار دہلی سے آئے ہوئے خطوط

محمد شاہ اور فرخ میر کے دستخطی انکے پاس موجود ہیں اور حقیقت قابل دید ہیں غرض کہ یہ کیدی محض قلمی کتابوں سے باہرہ افزوی پر ختم ہوئی۔ میرز فقیر محمد صاحب مبین بھی شریک تھے۔ اسی رات میں خاں بہادر سید اولاد حسین صاحب پشتر انسپکٹر رجسٹریشن سے ملاقات ہوئی۔ خواجہ محمد موسیٰ کے ساتھ انکے مکان پر گیا۔ بڑے علم دوست آدمی ہیں۔ پہلے اس امر پر گفتگو رہی کہ اردو تمام ہندوستان کے مسلمانوں کی مادری زبان کنوکر ہو سکتی ہے۔ اور خصوصاً بنگالہ میں کہ یہاں کے مسلمان بنگالی زبان بولتے ہیں۔ یہ انکی مادری زبان ہے اور بنگالیوں نے اپنی زبان کو علوم و فنون کے سرمایہ سے بھر کر علی زبان بنالیا ہے تا آنکہ اب سائنس کو بھی بنگلہ زبان میں ترجمہ کر رہے ہیں۔ دیر تک یہی امر زیر بحث رہا۔ میں انکی معلومات سے دیر تک مستفید ہوتا رہا۔ سید صاحب بروان کے رہنے والے تھے۔ انیس سال کی عمر سے سرکاری ملازمت شروع کی۔ اور پہلے ہندوستانی ہیں کہ اسپتال سب رجسٹرار سے انسپکٹر رجسٹریشن ہوئے۔ اب ۴۲ سال کی عمر ہے۔ پشتر لینے کے بعد سے کتب بینی کا مشغلہ اختیار کر رکھا ہے۔ ۱۸۸۸ء میں اسپتال رجسٹرار ہو کر ڈاک میں آئے اور یہیں قیام اختیار کر لیا۔ اب کلکتہ میں مکان بنوایا ہے اور آخری عمر وہیں بسر کرنے کے عازم ہیں۔ فن تاریخ سے زیادہ دل چسپی ہے۔ انگریزی۔ فارسی کچھ عربی۔ اور بنگلہ زبانیں جانتے ہیں۔ فارسی کا مذاق زائد ہے۔ کتابی اردو صحیح بولتے ہیں۔ چھوٹا سا کتب خانہ بھی رکھتے ہیں۔ ضلع ڈہاکہ اور خاص شہر کی قدیم عمارتوں اور انکے کتبوں پر انگریزی میں ایک کتاب لکھی ہے جو شائع ہو گئی ہے۔ ایک اور مختصر رسالہ ”قدیم ڈہاکہ“ کے نام سے انگریزی میں شائع کیا ہے۔ جو وقت سرزمین ڈہاکہ میں مسلم لیگ کی بنا پڑی ہے یہ بھی اُسکے بانیوں میں تھے۔ بنگالہ کے عربی و فارسی مدارس کے نصاب کی اصلاحی تجویز آپ ہی کے دماغ سے نکلی ہے اور خوب مدلل لکھی ہے۔ ڈائریکٹر پبلک انسٹرکشن سے اس بارہ میں ابتدائی

خط و کتابت کر کے آپ ہی نے یہ مرحلہ طے کیا تھا۔

۵ بجے شام کو خواجہ موسیٰ صاحب جدید شہر ڈہاکہ کی سیر کرانے لے گئے۔ دو میل تک آبادی کی عمارتیں خوشامسٹرک پر پھیلی ہیں۔ تقسیم بنگالہ کے وقت گورنمنٹ نے اپنے مصارف سے یہ بستی آباد کی تھی۔ کھوڑے کھوڑے فاصلہ پر خوش وضع چھوٹے چھوٹے بنگلے مع باغ و کمپاوند واقع ہیں۔ اس ٹاؤن کی آبادی پر نوے لاکھ روپیہ صرف ہوا تھا۔ آجکل جنگ کی وجہ سے یہ سب غیر آباد سا پڑا ہے۔ کیونکہ ان بنگلوں میں تمام آفیشل یورپین ہی رہتے تھے کہ انہیں سے اکثر جنگ پر چلے گئے ہیں۔

جدید شہر کے سر آغاز پر سر احسن اللہ انجینیئرنگ کالج اور اسکے بورڈنگ کی خوشامعارت ہے۔ نواب صاحب نے گورنمنٹ کو پانچ لاکھ روپیہ اس کالج کے لئے دیا تھا۔ تقسیم بنگالہ کے فوراً بعد اس جگہ عالیشان گورنمنٹ ہاؤس تیار ہوا تھا۔ لیکن اس تقسیم کے مسترد ہونے پر وہ عمارت اور دفتر سکرٹریٹ ڈہاکہ یونیورسٹی بلڈنگ کے نام سے موسوم ہو گئی ہے اور اب وہاں دارالعلم قائم ہے۔ اس بستی کے جانب شمال دریائے گنگا کی ایک شاخ بہ رہی ہے۔ لب دریا دو میل تک ایک نہایت عمدہ سڑک بنوادی گئی ہے اس پر شام کے وقت لوگوں کی ہوا خوری سے چل پھل رہتی ہے۔ صرف پیادہ چلنے کی اجازت ہے۔ گاڑی یا کوئی اور سواری اس پر نہیں آنے پاتی۔ لب دریا بھرے اور کشتیاں سیکڑوں کی تعداد میں موجود ہیں۔ موسم سرما ہونے کی وجہ سے دریا میں انکی چلت پھرت کم ہو گئی ہے۔ بارش میں کشتی رانی کا بڑا زور رہتا ہے۔ کیونکہ اس زمانہ میں نقل و حرکت کا یہی ذریعہ ہے۔ دیہات کے مابین سلسلہ آمد و رفت کشتیاں ہی قائم رکھتی ہیں۔

اسی دن میں ڈہاکہ کے ایک جوشیلے بنگالی سے ملا۔ یہ صاحب انتہا پسند پارٹی کے سرغنہ ہیں۔ پہلے ڈہاکہ کے سربراہ و ردہ وکیل تھے مگر ۱۶ سال سے اس کام کو

ترک کر دیا ہے۔ آپ با اثر شخص ہیں۔ اُردو خوب جانتے ہیں اور ٹائپ کی اُردو خوب پڑھ لیتے ہیں۔ انجمن ترقی اُردو کی ممبری پیش کی لیکن صاف انکار کیا اپنے مرتبہ و شان کا کوئی لحاظ تک نہ کیا۔ اسکی جگہ سی استدعا اگر کسی پو۔ پی۔ کے ہند رئیس سے کی گئی ہوتی تو وہ ہرگز اسکو مسترد نہ فرماتے اور اپنی شان ریاست کو فروقاہم رکھتے۔ یہاں اسکا کوئی پاس نہیں۔ شوریدہ ممبری پرنا ہے۔ نوجوانوں کی انارکستانہ روش اور ہوم وول لیگ کے قیام سے اور اتر گئے ہیں۔

۱۷۔ جنوری ۱۹۱۸ء بیگم صاحبہ سلیم اللہ مرحوم نے دوبارہ میلاد شریف پڑھوایا۔ صبیحہ نواب سراج حسن اللہ خاں صاحب نے بھی ذکر میلاد شریف سنا اور انجمن ترقی اُردو کو دس روپے عطا فرمائے مولوی حکیم حبیب الرحمن صاحب کی قلمی کتابوں کے نسخے دیکھے۔ علامہ ذہبی کی کتاب ”المکاشفہ“ کا نسخہ خط کوفی میں لکھا ہوا بیحد نایاب چیز ہے۔ اسکے کاتب عبدالشکور بن علی الدین کبھی خالدی ہیں ۱۲۹ھ کی تحریر ہے اور وہ نسخہ ہے جو حضرت جام زمرہ پہلے کے مقبرہ پر دفن ہوا تھا۔ اور ایک نسخہ منطق الشفا ۹۸۸ھ کا لکھا ہوا کتب خانہ عالمگیری کا نسخہ ہے۔ یہ کتاب ایک ہزار روپیہ قیمت کو خریدی گئی ہے۔ حامد کاتب کی لکھی ہوئی بوستان سعدی عجیب دیدہ افروز کتابت کا نمونہ ہے۔ بید پرند قلم ہے۔ ۹۸۸ھ کی لکھی ہوئی رباعیات حکیم ساجی خود منصف کے قلم کی تحریر ہے۔ ابن عبدالفتاح کی شرح قانون سچہ ابن اسمعیل حسینی کی لکھی ہوئی بہت خوشخط ہے۔ نور شاہی کا نسخہ دیکھا کشیدہ عطر کی ترکیبول پر مشتمل ہے۔ نظام الدین محمود کی تصنیف اور ایراہیم عادل شاہ دانی بیجا پور کی نذر کے لئے لکھا گیا تھا۔ تاریخ تحریر ۹۸۶ھ ہجری ہے۔

اور بھی کئی جگہ گیا۔ اب ممبری قبول کرنے والوں کی تعداد بہت کم ہو گئی ہے۔

۱۹۔ جنوری۔ آج آٹھ ممبر ہوئے۔ خواجہ محمد موسیٰ صاحب رفیق کار رہتے ہیں آج شب کو کوئیل اسکول بلڈنگ میں مسلمان طلبہ نے میلاد شریف پڑھوایا۔ پانسو

آدمیوں کا مجمع رہا ہوگا۔ سب بید محفوظ ہوئے۔ خان بہادر محمد اعظم صاحب نے
زور دیا کہ ان رسائل ذکر مبارک کو شائع کر دیا جائے تو اچھا ہے۔ ۱۷

۲۱۔ جنوری ۱۹۱۵ء۔ خواجہ محمد موسیٰ صاحب کے یہاں میلاد شریف پڑھا۔
خواجہ کریم اللہ صاحب نے بھی ذکر شریف پڑھا کر سنا۔ اور شب کو
بیگم محمد اعظم صاحب نے میلاد پڑھوایا۔ آج ایک بزرگ طریقت سے ملاقات
ہوئی۔ آپ کے ایک ہزار مرید الیٹرن بنگال میں ہیں۔ اُن سے بقول حضرت
شیخ ایک ہزار روپیہ سالانہ فتوح ہو جاتا ہے۔ اور یہی وجہ معاش ہے۔

ڈہاک میں مسلمانوں کی حالت روز بروز گرتی چلی جاتی ہے۔ نواب سلیم اللہ
مرحوم کے عہد حیات تک قومی قوت قائم تھی۔ مگر انکی وفات کے بعد سے وہ
اقتدار مٹ گیا ہے۔ نواب حبیب اللہ صاحب نواب مرحوم کے فرزند جوان
کے اطوار سے مغلوب اور مقروض ہو گئے تھے۔ گورنمنٹ نے ریاست کو رٹ آف
دارٹس میں لے لی ہے۔ اور نوجوان رئیس کو عراق بھیج دیا ہے کہ شاید وہاں
انکی حالت درست ہو جائے۔ خیریت یہ ہے کہ جائداد سب وقف ہے ورنہ
اب تک مٹ مٹا کر برابر ہو گئی ہوتی۔

احسن منزل وسط بازار میں لب دریا واقع ہے ایک ہی احاطہ کے اندر تمام
اراکین خاندان کے مکانات محصور ہیں اور اچھی عمارت ہے۔ خواجہ محمد موسیٰ صاحب
میرے میزبان نہایت پختہ مزاج آدمی اور بہترین انسان ہیں انجن کے ممبر
بنائے میں ابکی سرگرم کوشش بید قابل شکر یہ ہے۔ تعلیم نسوان کے بہت بڑے
حامی اور تعلیم سے بڑھ کر تربیت اور دستکاری کے دلدادہ ہیں۔ آپکی خاتون محترمہ

۱۷۔ مرحوم کا عرصہ سے یہ ارادہ تھا کہ وقت نے مساعدت نہیں کی۔ اب انشاء اللہ اس سفر نامہ
کی اشاعت کے بعد رسائل میلاد شریف بھی شائع کر دئے جائیں گے۔ مؤلف

بڑی اعلیٰ درجہ کی دستکار ہیں۔ انکی بنائی ہوئی ٹوپیاں۔ تکیہ کے غلاف، زنانہ دستی
 رومال۔ میز پریش اور بہت سی چیزیں خواجہ صاحب نے مجھے دکھائیں۔ سلیم صاحبہ
 محدود کئی نمائشوں سے چاندی کے منے بھی پانچکی ہیں۔ کھانا پکانے میں بھی خوب ہوشیار
 اور بڑی منتظمہ بی بی ہیں۔ آپکے دو ہونہار بچے ہیں۔ خدا انکی عمر میں دراز اور ان کو
 صاحب اقبال کرے۔ اسوقت اسلامیہ اسکول اٹاوہ میں دونوں تعلیم پارتے ہیں
 نواب فیملی میں خان بہادر محمد اعظم صاحب بھی نیکتائے روزگار ہمدرد قوم
 و ملت انسان ہیں۔ ہر مفید کام میں امداد دینا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ آجکل ڈھاکہ
 میں بنگالیوں کا بہت عروج ہے۔ مسلمانوں کے آباد محلے سب انہوں نے خرید
 لئے ہیں اور وہاں نفیس و وسیع عمارتیں بنوا کر رہتے ہیں۔ چار پانچ مسلمان ٹیپو
 اور دو چار مسلمان وکلاء کا اب وجود ہوا ہے۔ مگر مسلمانوں کی کثیر آبادی کے لحاظ سے
 یہ تعداد ہیچ ہے۔ خدا ترقی کی صورت پیدا کر دے۔

۲۲۔ جنوری ۱۹۱۸ء۔ خواجہ عبد الحفیظ صاحب بازار ناراین گنج میں چاء
 کی دعوت کے ساتھ ایک جلسہ کا انتظام کرائے تھے کہ بجے شام کو انکی عالیشان
 کوٹھی پر مسلمان جمع ہوں اور مجھ سے ترقی آردو کے متعلق تقریر کرائی جائے۔
 مگر اتفاق سے دعوتی چٹھی کا گشت نہیں ہوا تھا۔ آج وہ مجھ کو لیکر ناراین گنج پہنچے
 تو وہاں جلسہ کا کوئی انتظام نہ تھا۔ بیچارے خود دوڑ کر گئے اور بڑی کوشش سے
 چند مسلمانوں کو لے آئے۔ ان سے کچھ کہا گیا۔ تین صاحب فوراً ممبر ہو گئے۔ ٹرین
 کا وقت تنگ تھا اسلئے جلد واپس جانا تھا۔ چند اصحاب اسٹیشن پر ملے
 آئے۔ ٹرین روانہ ہو گئی اور یہ طے پایا کہ کیلا جاتے وقت ناراین گنج میں
 ٹھہروں اور ایک بار پھر کوشش کی جائے۔ ۸ بجے شب کو ہم ڈھاکہ کو واپس پہنچ گئے
 ایک دن وہاں قیام رہا۔ اسکے بعد ۶۔ جنوری کو یمن سنگد آیا۔ شب کو وہاں

پہنچا۔ سسٹر ابولفیض صاحب ڈویزنل افسر کے یہاں ٹھہرا۔ نوجوان مہذب۔ ایم۔ اے۔ پاس۔ قابل اور اچھی معلومات رکھتے ہیں۔ کارمنصبی کے ادا کرتے ہیں کوئی خاص تندہی نہیں کرتے اسلئے ترقی نہیں کر سکتے لیکن دم غنیمت ہے نواب عبداللطیف صاحب رئیس کلکتہ کے صاحبزادہ ہیں خلیق و مہماں نواز آدمی ہیں۔ میمن سنگہ میں اردو جاننے والے مسلمان اس قدر کم کہ گویا صفر تھے۔ کارروائی کیا کرتا۔ غفر گانوں ضلع میمن سنگہ کے لوکل سکریٹری نصیر الدین صاحب نے فرمایا کہ اگر ہمارے اسلامیہ ہائی سکول میں اپنی لائبریری کی ایک شاخ کھول دیجئے اور مفت کتابیں دینے کا وعدہ کیجئے تو دس ممبر بنادوں گا۔ چونکہ خاص طور پر مدعو کیا تھا اسلئے

۲۷۔ جولائی کو غفر گانوں گیا۔ آج وہاں اسلامیہ ہائی اسکول کو کالج بنانے کی تجویز پر غور کرنے کے لئے ایک کمیٹی تھی۔ مدرسہ کے تمام ممبر اور بعض معزز مہماں موجود تھے۔ خواجہ محمد اعظم صاحب خان بہادر رئیس حسن منزل ڈہاکہ بھی مدعو تھے صاحب کلکتہ ضلع صدر نشین تھے۔ جلسہ میں میری بھی تقریر ہوئی۔ صرف چار ممبر ہوئے۔ میں نے لوکل سکریٹری صاحب سے کہہ دیا کہ بقیہ چھ ممبر آپ اور بنادینگے تو میں بھی انجن ترقی اردو کی لائبریری آپ کے ہاں کھول دوں گا۔

غفر گانوں ایک قصبہ ہے۔ اس کے اطراف و جوانب میں پچاس ہزار مسلمان کاشتکار آباد ہیں۔ مدرسہ اسلامیہ کی بنیاد یہاں ۱۹۰۶ء میں پڑی تھی۔ پہلے جماعت مدرسہ تک تعلیم رہی پھر اب انٹرنس کلاس تک تعلیم ہوتی ہے۔ عمارت مدرسہ ۱۸ ہزار روپیہ میں بنی ہے۔ آہنی پیل پالیوں اور اینٹ کی پختہ دیواروں پر ٹین کی چھت قائم ہے۔ ٹین کے نیچے خوشناباش کی چٹائی کا استر ہے۔ مستحکم اور سبک عمارت ہے تین ہزار روپیہ کی لاگت سے بورڈنگ ہاؤس الگ بنا ہے۔ آسمیں فی الحال تیس مسلمان طلبہ قیام پذیر ہیں اور اسی قدر بورڈروں کی جگہ خالی ہے۔ مدرسہ صرف مسلمانوں کے

چندہ سے بنا ہے۔ اور ایک بورڈنگ ہاؤس سچاس آدمیوں کی گنجائش کا ہندو طلبہ کے لئے بھی بنوایا ہے۔ اسیں ۱۹ بورڈریں۔ اسکول کے احاطہ میں پختہ مختصر تالاب مع گھاٹ کے بنا ہے۔ اسکے ایک کنارہ پر مسجد ہے۔ نئی بن رہی ہے۔ اندر پلاستر مکمل ہو گیا ہے۔ اور باہر سے کام ہو رہا ہے۔ اسکول کے احاطہ کی جگہ خوب کشادہ اور خوش منظر ہے۔ اسکول میں بیس مدرس ہیں۔ دو اردو کے مدرس تین فارسی کے اور ایک مولوی صاحب عربی کے مدرس ہیں۔ مگر عربی تعلیم صرف قرآن کریم پڑھانے تک محدود ہے۔ نوا و طلبہ ۱۷۴۵ ہیں۔ مسلمان ۳۱۵۔ ہندو ۱۵۶۔ ہیڈ ماسٹر پیپلے ایک ہندو تھے۔ اب ایکماہر مسٹر مستفید الدین ایم۔ اے۔ بی۔ ایل۔ ہیڈ ماسٹر ہو کر آئے ہیں۔ پڑھانے میں قابل۔ مگر خاموش اور بے زبان ہونے کے باعث تربیت اور سچی روح اسلامی پیدا کرنے سے قاصر ہیں۔ مدرسہ کو گورنمنٹ سے ماحصہ ماہوار گرانٹ ملتا ہے۔ فیس کی آمدنی ایک ہزار روپیہ ماہوار ہے۔ اسی آمدنی سے سب خرچ پورا کر کے للعہ روپیہ ماہوار بچ جاتے ہیں۔ جب کبھی مدرسہ کے لئے سامان۔ فرنیچر۔ یا عمارت بڑھانے کی ضرورت ہوتی ہے تو عام مسلمانوں کے چندہ سے کام چل جاتا ہے۔ بورڈنگ میں مشائخ سادگی ہے۔ دیواریں بانس کی جھڑیوں کی۔ کل صرفہ خوراک۔ دہولائی۔ اور روشنی وغیرہ کا۔ فی کس چھ روپیہ ماہوار۔ لڑکے بہت سیدھے سادہ طریق سے رہتے ہیں۔ وضع اور شان کا کوئی نام نہیں۔ بڑی سادگی اور حسب حال زندگی ہے۔ مدرسہ کے جنرل سکرٹری خاں بہادر مولوی محمد اسماعیل صاحب گورنمنٹ پبلیڈر مین سنگد ہیں۔ لیکن اصل میں اسکی جان اور روح رواں نصیر الدین خاں صاحب لوکل سکرٹری ہیں۔ آپ نہ انگریزی جانتے ہیں اور نہ اردو۔ معمولی بنگالی لکھ پڑھ سکتے ہیں اور خوشحال بھی زیادہ نہیں۔ ہاں شریف طینت پر جوش۔ محنتی۔ اور نیک نیت آدمی ہیں۔ یہ تمام آثار خیر و برکت سب انکی ہمت کریمانہ اور صاحب دلی کی وجہ سے ہیں۔ اس

اسکول کا صدر مجسٹریٹ و کلکٹر ضلع ہوتا ہے۔

کالج کمیٹی کا جلسہ تین بجے دن کو آغاز ہوا۔ کالج کی ضرورت پر میں نے تقریر کی۔ خان بہادر محمد اعظم صاحب نے گورنمنٹ کی ہمدردی اور چندہ میں اعانت کا شکریہ ایک ایڈریس پڑھ کر ادا کیا۔ صاحب کلکٹر ضلع نے فرمایا کہ آج کچھ کم سے کم ایک لاکھ روپیہ جمع کر لیں تب کوئی وعدہ کر سکتا ہوں۔ ایک قابل تقلید اور سبق آموز بات جو یہاں دیکھی وہ یہ ہے کہ دوسو کے

قریب مسلمان طلبہ ضلع غیر کے رہنے والے اس مدرسہ میں پڑھتے ہیں۔ یہ سب اسی جوار کے خوشحال کاشتکاروں کے یہاں رہتے ہیں۔ اور کھانا پاتے ہیں۔ ایسٹرن بنگال میں خاص دستور ہے کہ ہر ایک کھانا پیتا آدمی دو ایک طالب علم کو کھانا کھانا ناواں سمجھتا ہے۔ اور ایسے کھانے کو جاگیر کہتے ہیں۔ یہ طلبہ اسی طرح اپنا پیٹ بھر کر نہایت شوق و محنت سے علم میں ترقی کیا کرتے ہیں۔ جاگیر کا کھانا بہت سادہ ہوتا ہے۔ موٹے چاول۔ دال یا مچھلی تیل میں پکی ہوئی۔ ایک ہی تین میں ڈال کر طالب علم کو دیا جاتا ہے۔ اگر۔ یو۔ پی۔ میں اس قدر کفایت اور ایسی سادگی کھانے میں ہوتی اور خوبی و نفاست کا لحاظ نہ کیا جاتا تو خدا جانے وہاں کے مسلمان ایسے کتنے مدرسے قائم کر کے غریب مسلمان بچوں کو علم کے زیور سے آراستہ کر سکتے تھے۔ مگر افسوس یہ ہے کہ اپنے وطن کے غریب سے غریب آدمی بھی اس طرح کھانا لینا گوارا نہیں کرتے۔ وہ ہمیکہ مانگتے ہونگے مگر بھیک کا نام ایک آنکھ کو کچھ دیا جائے تو لینے سے انکار کر دینگے۔ یہی وجہ ہے کہ گو وسط ہند کے باشندے اس طرح کھانا دے سکتے ہیں لیکن انگریزی خواں طلبہ یوں پیٹ پال کر تعلیم حاصل نہیں کر سکتے۔ عربی خواں طلبہ آخر اسی طور پر کم پری کرتے اور پڑھتے ہیں۔ چاہے یہ اس وجہ سے ہو کہ زیادہ تر بنگال و بہار یا پنجاب وغیرہ کے طلبہ ہوتے ہیں جنکو

یوں کھانا لینے میں عار نہیں ہوتا۔ یہ حال بنگال کے مسلمانوں کی یہ سادگی اور خیر پسندی
بہت قابل ستائش اور لائق تقلید ہے۔ اور ہمارے ہموطنوں کی نمود پرستی انکی طبیعت
میں نخوت و ہندار کی روح پیدا کر کے آنکھوں میں دھندلکے اور بار کی طرف لیجا رہی ہے۔
غفر گانوں کی آب و ہوا ایسٹرن بنگال میں بہت غنیمت ہے۔

۲۶۔ جنوری ۱۹۱۸ء۔ غفر گانوں سے ۲۵۔ کی شام کو واپس آیا۔ رات مسٹر
فیض کے یہاں مین سنگ میں بسر کی۔ صبح کے ۸ بجے لولائی کی طرف روانہ ہوا۔
لولائی تک ریلوے لائن نہیں ہے۔ صرف کشور گنج تک لائن نئی بنی ہے اسپرٹرین
نہایت آہستہ چلتی ہے۔ کشور گنج مین سنگ سے ۲۲ میل ہے۔ ٹرین کی سست خوامی
سے یہ مسافت ۸ گھنٹہ میں طے ہوئی۔ مین سنگ ریلوے اسٹیشن تک مسٹر فیض ڈیزل
بجھڑیٹ اور خواجہ عبدالاحد صاحب رخصت کرنے آئے۔ یہ جوان بڑے زندہ دل
ہیں۔ کشور گنج سے لولائی تک ۲ میل جانا تھا۔ گاڑی کرایہ کی اور بیچا۔ مولوی
مصلح الدین جو آدم صاحب کے یہاں ٹھہرا۔ کیا عرض کروں کہ یہاں کس لطف کیساتھ
وقت کٹا۔ ایسی پاکیزہ صحبت و بخت و اتفاق ہی سے حاصل ہوتی ہے۔ انسانیت
کے جو ہر مہربانوں کی شریف طبیعت میں اپنی آب و تاب دکھارہے ہیں۔ ایک لمحہ
بھی لطف و سرور سے خالی نہیں پاتا۔ مولوی مصلح الدین صاحب خورشید میاں صاحب
خالہ میاں صاحب۔ کریم خان میر بکر بنگالہ کی اولاد ہیں۔ کریم خان دربار اکبری کے
سے بنگالہ کے میر بکر تھے۔ اس خاندان کے پاس بہت اچھی زمینداری تھی اور اب بھی
لیکن جوانوں کی جوانی اور تقسیم ترکہ کی بارہ سازی نے قرض کے چنگل میں الجھا دیا ہے
تاہم اتنا زائد قرضہ نہیں ہے کہ ریاست جلد تباہ ہو جائے۔ ہاں سنبھل کر چلنے
کی ضرورت ہے۔ اگر ایسا کریں تو پیش قرار آمدنی باقی رہ سکتی ہے۔ اس وقت
۲۴ ہزار روپیہ سال کے قریب منافع کی زمیندار رہی ہے۔

اس خاندان کو یہ فضیلت ورثہ میں ملی ہے کہ اس میں ہمیشہ ایک باعمل عالم ہوتا آیا ہے۔ آج سے ایک سال قبل تک مولوی عبدالحی صاحب اختر مرحوم بڑے عالم باعمل اس کنبہ میں موجود تھے۔ وہ وفات پا گئے۔ انکا لڑکا خالد اس وقت آگرہ میں ”دلگیر“ کو شاد کر رہا ہے۔ مکانات پختہ ہیں۔ اور آجکل خاندان کے رکن رکیمن میرے میزبان جو آدمیاں صاحب ہیں۔ ایک نونال احمد میاں علوم عربیہ کی تحصیل میں مصروف ہیں۔ ایک اور صاحبزادے ایف۔ اے کلاس میں پڑھتے ہیں۔ یہ پہلے انگریزی خواں اس خاندان کے ہیں ورنہ اب تک ادھر کسی نے توجہ نہیں کی تھی۔ خورشید میاں صاحب جو اب میں کسی کام سے گئے ہوئے تھے۔

اسی خاندان کے خانہ داماد کا ایک اور خاندان ریاست میں ایک ٹلٹ کا شریک ہے۔ اس خاندان کے موجودہ رکن عظیم سید شاہ محمد عزیز الحق صاحب ہیں۔ قدیم ضلع کے نورانی صورت بزرگ۔ صاحب دل۔ صوفی منش۔ وظیفہ گزار۔ حاجی۔ پابند صوم و صلوة ہیں۔ بشرہ پر نور سیادت آشکارا ہے۔ جوانی میں مروانہ حسن چلکا کا نمونہ رہے ہونگے۔ پڑھاپے میں بزرگی کا نور اپنی چمک دکھلاتا ہے۔ نفیس مزاج۔ صفائی پسند ہیں۔ خلیق متواضع اور با محبت آدمی ہیں۔ مجھ سے بڑے خلق کے ساتھ پیش آئے۔ شاہ صاحب کا مولد و مسکن قصبہ داؤد نگر ضلع گیا ہے۔ حضرت شاہ جلالؒ کے ہمراہیوں میں سید ابراہیم ملک العلماء آئے تھے۔ انکی اولاد میں ہیں۔ مہیت نگر والوں سے انکی رشتہ داری یوں ہے کہ سید ابراہیم ملک العلماء نے اپنی بیٹی کالی داس گجدانی نو مسلم سے بیاہ دی تھی۔ اور اس کا اسلامی نام سلیمان رکھا تھا۔ اسی سلیمان کا پوتا عیسیٰ خاں مسند عالی دربار اکبری کا ایک رکن ہوا۔ عیسیٰ خاں پہلے صوبہ دار بنگالہ مقرر ہوا تھا۔ مگر اس نے بغاوت کی اور خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ راجہ مان سنگھ اکبری دربار سے

اسکی سرکوبی کے لئے آئے اور اس نے مغلوب ہو کر اطاعت قبول کر لی۔ اسکے بعد یہ دربار اکبری میں مختلف مناصب پر مامور ہوتا اور ترقی پاتا رہا۔ عینسی خاں کی نسل جنگل باڑی میں جاگیر و علاقہ پا کر آباد رہی۔ اس نسل کے آخری یادگار دیوان عظیم دادا اب موجود ہیں۔ ریاست و جاگیر سب تلف ہو چکی ہے۔ محض دو ہزار روپیہ سالانہ آمدنی کی معافی باقی ہے۔ ورنہ ایک لاکھ روپیہ سالانہ سے زیادہ توفیر کا علاقہ تھا۔ دیوان عظیم دادا خاں کی روش ٹھیک نہیں۔ آنکے ہاتھوں سب جاؤں تلف ہو چکی ہے اور باقی ماندہ بھی کچھ ہی دن کی مہمان ہے۔ افعال خواہ کیسے ہی ہیں لیکن اس رئیس کی فیاضی کا شہرہ بہت سنتا ہوں۔ غیروں کے لئے اپنی دولت برباد کرنا۔ اسی کا کام تھا۔ اب اسکے بعد خاندان کا چراغ گل ہو جائیگا۔ اور گواسکے ایک جوان فرزند موجود ہے لیکن نام اور کام ہمیشہ دولت کے ماتحت ہوتے ہیں۔ دولت نہ تو حسب و نسب کی کیا قیمت۔ اس اطراف میں مسلمانوں کی یہ بہت بڑی ریاست تھی۔ مگر مسلمانوں پر ہر جگہ اوبار کا اثر ہے۔ یہاں کیوں نہ ہوتا۔ افسوس۔ میں دو گھنٹہ کے لئے بولانی سے جنگل باڑی کو گیا اور پھر پلٹ آیا۔

جمعہ کے دن بولانی میں مجھ سے میلاد شریف پڑھوا یا گیا۔ مجمع بہت اچھا تھا۔ جو ادبیاں صاحب نے خوب حق مہمانداری ادا کیا اور وقت نہایت لطف کے ساتھ گزرا۔ آپ نے مزید عنایت یہ کی کہ مجھے اپنے ساتھ ہمیت نگرے لئے وہاں کے رئیس اور شریک ریاست سید شاہ محمد حامد اللہ صاحب کا مہمان ہوا۔

ہمیت نگرہ۔ بولانی سے چار میل اور کشور گنج ریلوے اسٹیشن سے ایک میل کے فاصلہ پر ہے۔ راستہ میں کشور گنج کے اسلامیہ بورڈنگ کا معاملہ کیا۔ بنگالہ کی خاص طرز کی عمارت معمولی تختہ دیواروں پر مین کی چھت ڈال کر نیچے مختلف حصے کر کے کمرے بنائے گئے ہیں۔ جملہ خرچ فی طالب علم سات روپیہ

ماہوار ہے۔ کوا میا رسی سب ڈویژن میں ایک مدرسہ اسلامیہ انٹرنیشنل تک ہے یہ بورڈنگ اسی سے تعلق رکھتا ہے۔ اور مدرسہ و بورڈنگ غفرگانوں کا سایہاں بھی انتظام ہے۔ مولوی حشمت الدین صاحب مختار سکریٹری مسلم ایسوسی ایشن کشور گنج اس مدرسہ و بورڈنگ کے بھی سکریٹری ہیں اور بہت پر جوش آدمی ہیں میں نے اس ایسوسی ایشن میں میلاد شریف پڑھا۔ لوگ دو ایک روز روکتے اور تقریر کرنے پر اصرار کرتے رہے۔ لیکن میں جلد سے جلد ایسٹرن بنگال کے دورے سے فارغ ہونا چاہتا تھا اس لئے کمی فرصت کا عذر کر کے معافی مانگی اور ہیبت مگر ہنسی رئیس صاحب سے رات کے گیارہ بجے ملاقات ہوئی۔ اخلاق کے ساتھ ملے۔ منیجر صاحب کو بلوا کر حکم دیا کہ صبح کے وقت آپ کو محافظ خانہ میں لے جا کر شاہی اسناد اور دیگر کاغذات دکھا دینا۔ ان رئیسوں کو عیسیٰ خاں صوبہ دار بنگال کی اولاد ہونے کا دعویٰ ہے۔ میں نے اسناد دیکھے۔ اکبری فرمان تو ایک بھی نہ تھا۔ ہاں شاہ جہاں اور عالمگیر وغیرہ کے احکام اس قسم کے ملے کہ اس خاندان کا فلاں جاگیر دار فوت ہو گیا ہے۔ اُسکے بیٹے فلاں کو یہ جاگیر بعوض اس قدر سالانہ زر مالکدار کے دی گئی۔ البتہ ایک مرقع دربار اکبری (دستی مصوری) کا ان کے ہاں بہت نادر ہے۔ اس مرقع میں اکبر۔ ابوالفضل۔ عرفی۔ بیربل۔ مان سنگ۔ ٹوڈر مل۔ حکیم ابوالفتح وغیرہ کی تصویریں ہیں اور عیسیٰ خاں کی بھی اس میں تصویر ہے۔ تیرا سکے ہاتھ میں ہے۔ اب یہ بات کہ مرقع صحیح ہے یا نہیں اس کا علم خدا کو ہے۔ ہاں میں نے جو دیگر مرقعے دربار اکبری کے دیکھے ہیں اُن سے اسکی تصویریں فرود ملتی ہیں۔ رئیس حال کو قدیم سکجات جمع کرنے کا بھی شوق ہے۔ مگر یہ امتیاز نہیں کہ اس وقت کیا چاہئے۔ راجہ رام چند راجی۔ بکرماجیت۔ نادر شاہ۔ محمود غزنوی وغیرہ کے زمانہ کے بعض بہترین سکجات بھی ہیں اور موجودہ عہدہ کے یورپین سکجات

بھی ونیز کابل و ریاستہائے ہندوستان کے۔ جواب نہیں تو آئندہ زمانہ میں بہترین یادگار ہو جائیں گے۔ بشرطیکہ محفوظ رہیں۔

ہیبت نگر کی موجودہ رئیسہ عائشہ اختر خاتون ایک ضعیفہ بی بی ہیں۔ انکے شوہر علیم دادخواں اپنی بیوی کی طرف سے کارپرداز ہیں ان کا ایک نوجوان فرزند بھی ہے۔ مگر باپ اور صاحبزادے دونوں پڑھے لکھے تک نہیں۔ اور اوصاف کا کیا ذکر۔ اطوار وحشیانہ اور خراب ہیں۔ ڈہائی لاکھ کا قرضہ ریاست پر کر رکھا ہے اور اندیشہ انجام سے غافل۔ دو چار سال میں رہے یا جائے۔ رئیسہ کے داماد سید عبید اللہ صاحب تعلیم یافتہ اور دنیا کے حالات سے باخبر ہیں۔ منتظم ریاست کے حالات دیکھ کر اور ریاست کا انجام سوچ سوچ کر خون کے آنسوؤں سے روتے ہیں مگر کچھ کر نہیں سکتے۔ میں بھی اس ریاست کا حال دیکھ اور سن کر سخت کبیدہ خاطر ہوا اور دوسرے ہی دن وہاں سے واپس ہوا۔

۳۔ فروری ۱۹۱۵ء۔ ۸ بجے صبح کو ڈہاکہ واپس آگیا ہوں اور اپنے محبت میزبان خواجہ محمد موسیٰ صاحب کی سہانی کالطف اٹھارہا ہوں۔ ڈہاکہ میں احسن منزل اور نواب ڈہاکہ کا مکان حیرت انگیز درس عبرت دیتا ہے۔ غدرے کچھ پہلے سید عبداللہ اور سید محمد دو کشمیری تاجر ڈہاکہ میں آئے تھے۔ یہاں انکے کاروبار کو خدائے فروغ دیا۔ اور تجارت کے ساتھ زمینداری خریدتے رہے۔ تھوڑے ہی زمانہ میں وہ ایک بڑے زمیندار ہو گئے جس بارہ لاکھ روپیہ کی جائیداد پیدا کر لی۔ ان کے پوتے سید عبدالغنی نے اپنے وقت میں یہ تمام جائیداد وقف کر دی اور وقف نامہ کی شرط یہ رکھی کہ ہر متولی کا فرزند اکبر اسکے بعد متولی وقف ہوتا رہے گا۔ وقف میں جملہ اہل خاندان کے حصص شرعی تقسیم کے مطابق مقرر کر دئے اور لکھ دیا کہ متولی وقف مصارف زمینداری اور ادائے مالگزاری پر کما

کے بعد توفیر کی رقم کو حسب حصار اکیں خاندان میں تقسیم کرتا رہے۔ یعنی سب خاندان والوں کو نقد ناکار دیتا رہے۔ سید عبدالغنی صاحب کے بعد ان کے فرزند عظیم سید احسن اللہ صاحب متولی وقف ہوئے۔ آدمی خوش انتظام اور صاحب حوصلہ تھے گورنمنٹ میں رسوخ پیدا کیا۔ سر اور نواب کا خطاب پایا۔ پانچ لاکھ روپیہ ایک انجنیئرنگ کالج کے لئے عطا کیا۔ سر احسن اللہ خاں انجنیئرنگ کالج اسی روپیہ سے بنا اور آج تک کامیابی کے ساتھ چل رہا ہے اس سے ڈہاکہ اور ایسٹرن بنگال کے ہندو اور مسلمان ایکساں فائدہ اٹھاتے ہیں۔ بلکہ ہندو اپنی مستعدی اور شوق تحصیل کمال کے باعث زیادہ نفع اٹھاتے رہے ہیں۔ سر احسن اللہ خاں نے دوسرا کارخیر یہ کیا کہ اپنے خاص خرچ سے شہر ڈہاکہ میں واٹر ورکس قائم کیا اور بجلی کی روشنی بھی جاری کی۔ چنانچہ پہلے شہر کو بلا کسی محمول کے پانی ملتا تھا۔ اب میونسپلٹی نے پانی پر ہلکا سا محمول لگا دیا۔ نواب سر احسن اللہ خاں کی وفات کے بعد فرزند اکبر نواب سر سلیم اللہ خاں (مرحوم) ان کے جانشین ہوئے۔ جوانی کا عہد تھا۔ بااختیار ہو کر عیش و عشرت کے رنگ میں رنگین ہو گئے اور بہت سا روپیہ برباد کر دیا۔ مگر خوبی نجات سے علی گڑھ پارٹی کے اقتدار میں آ گئے اور اس جماعت نے ان کو قومی لیڈر اور ہمدرد قوم و ملت بنا دیا۔ اب نواب سر سلیم اللہ خاں ایسٹرن بنگال کے مسلم لیڈر اور پبلک و گورنمنٹ دونوں کے نزدیک صاحب اثر و اقتدار تھے۔ تقسیم بنگال کے وقت وہ حکومت کے حامی اور اس تقسیم سے قومی فوائد حاصل کرنے کے درپے تھے۔ بنگالی ہندو اپنا نفع ہاتھ سے جاتے دیکھ کر ایسی جیش میں مشغول ہو گئے اور اتنی شورش مچائی کہ گورنمنٹ کو اپنا فیصلہ تقسیم بنگال کا منسوخ کر دینا پڑا۔ نواب سر سلیم اللہ پر حکومت کے اس رویہ کا بہت بڑا

اثر ہوا۔ اور وہ اسی کوفت میں جوان مرگي سے ہم آغوش ہو گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا
 اِلَیْہِ رَاجِعُونَ۔ نواب سلیم اللہ کے بعد ایسٹرن بنگال میں کوئی بڑا اور عام
 مسلمان لیڈر نہ رہا۔ اور نہ امید ہے کہ کوئی جلد ترائیکی جگہ لے سکے۔ کیونکہ اس خطہ کے
 مسلمان روساء اور امراء کی جو حالت میں نے دیکھی ہے اس سے یہ امید نہیں ہوتی
 کہ کسی کو مسلمانوں کی عام ترقی کا اتنا شغف ہو جس قدر مرحوم نواب سلیم اللہ خاں
 کو ہو گیا تھا۔

نواب سر سلیم اللہ مرحوم کے بعد ان کے فرزند جوان سال نواب سید حبیب اللہ
 صاحب احسن منزل وقف کے متولی ہوئے۔ عنوان شباب نے رنگ رلیاں
 منانے کے سوا کسی خوبی کی طرف مائل نہ ہونے دیا۔ ریاست کو زیر بار کر لیا۔ اور اگر
 حکومت دخل نہ دیتی تو وہ اپنی کامل بربادی کر لیتے لیکن گورنمنٹ نے ریاست
 کو رٹ آف وارڈس کے زیر انتظام کر لی اور نوجوان رئیس کو جنگ عراق کے
 سلسلہ میں بغداد روانہ کر دیا۔ کہ شاید اس طرح انکی کچھ اصلاح ہو جائے۔ اس وقت ریاست
 موقوفہ کا مینجیر ایک انگریز مسمیٰ ہارڈنگ ہے۔ اور اسٹیٹ کے صد ہا ملازمین میں سے
 صرف ایک مسلمان چالیس روپیہ ماہوار کا نوکر ہے ورنہ سب ہندو بنگالی اور انگریز ہی
 ملازم ہیں۔ یہ ایک اسلامی وقف کا حال ہے۔ خدا ہی رحم فرمائے۔

اب احسن منزل عالی منش اور خوش خیال افراد سے خالی ہے۔ یوڑھوں میں
 ایک خواجہ محمد موسیٰ صاحب زمانہ دیدہ اور بہتر آدمی ہیں اور جوانوں میں خواجہ محمد
 اعظم صاحب سر سلیم اللہ مرحوم کے بہنوئی خوش مزاج اور باخبر آدمی ہیں۔ ان کو
 جس قومی کام میں لے لیا جاتا ہے اس میں سوز و دل سے کام کرتے ہیں۔ باقی ہوس۔
 کمیلا۔ ۵۔ فردری ۱۹۱۸ء کو ڈہاکہ سے کمیلا کی جانب رہ سپار ہوا۔ خواجہ
 محمد موسیٰ صاحب مع اپنے نواسہ سید سنا اللہ سلمہ اللہ کے اسٹیشن تک

مشائعت کو آئے۔ اور مولوی مصلح الدین جو ادبیاں صاحب ایک ملازم کے ساتھ ناراین گنج اسٹیشن تک ساتھ رہے۔ ۴ بجے ٹرین ناراین گنج پہنچی۔ ڈاک کا جہاز لگا ہوا تھا۔ اسپر سوار ہو گیا۔ ۱۰ بجے شکو چاند پور پہنچا۔ اور چاند پور سے آسام میں ملگئی جس نے ۱۱ بجے شب کو گھیلا پہنچایا۔ نواب حسام حیدر صاحب کا اردلی مع انکے عزیز سعود میاں صاحب کے مجھ لینے آیا تھا۔ اُن کے ساتھ ۱۲ بجے نواب صاحب کے مکان پر پہنچ کر سو رہا۔ رات کا کھانا ہماز کے ہوٹل میں کھالیا تھا۔

۴۔ فروری ۱۹۱۸ء۔ صبح کو جناب نواب حسام حیدر صاحب سے ملاقات ہوئی۔ کمال خلق و مردت اور نہایت تپاک سے ملے۔ یہاں کے رئیسوں کی ایک خانہ شاہ ہے۔ ملنے میں نہایت بے تکلف۔ نہ حاجب ہے نہ دربان۔ وضع بالکل سادہ۔ ایک تبند معمولی قمیص۔ اوپر سے کوٹ۔ کسی تکلف یا تصنع کا نام تک نہیں۔ اسی حیثیت کا کوئی رئیس اپنے ملک یعنی آگرہ کا ہوتا ہے کہ حضور میں بیایا ہی مشکل سے ہوتی ہے۔ مگر یہاں نواب صاحب بفضل خدا ایک لاکھ روپیہ سالانہ سے زائد توفیق کا علاقہ رکھتے ہیں۔ اور ان اطراف میں ممتاز رئیس ہیں۔ ایسی سادگی اور بے تکلفی سے ملے کہ اسلامی اخوت کا لطف آگیا اور دل خوش ہو گیا۔ نواب صاحب ساداتِ بارہا کے خاندان سے ہیں۔ عہد شاہانِ مغلیہ میں ان سادات کا عروج محتاج بیان نہیں۔ نواب صاحب کے مورث اعلیٰ سید جعفر صاحب پیر کے راجہ صاحب کے استاد و اتالیق مقرر ہو کر ایسٹرن بنگال میں آئے اور یہیں رہ پڑے۔ زمینداری پیدا کی۔ مال و دولت جمع کر کے عزت و جاہ بڑھائی۔ اور اب تک اُنکی اولاد خوش گذارانِ حالت میں ہے۔

نواب حسام حیدر صاحب سید جعفر صاحب سے چوتھی پشت میں ہیں۔ چار پشت سے ریاست کا سلسلہ چلا آتا ہے۔ اور ذاتی اثر اور وجاہت کے ذریعے

خان بہادر نواب کا خطاب پایا ہے۔ کمیلہ کے میونسپل کمشنر ہیں اور مختلف کمیٹیوں کے صدر انجمن۔ بنگال کونسل میں مسلمانوں کے نمائندہ بھی رہ چکے ہیں۔ خان بہادر کا خطاب ۱۹۱۸ء میں پایا۔ اور ۱۹۱۹ء دربار دہلی کے زمانہ میں نواب ہونے کا اعزاز حاصل کیا۔

کمیلہ کے حرب ذیل سربراہ اور وہ مسلمانوں سے ملا۔ پہلے منشی مولوی علی احمد صاحب آپکا خاندان بھی اکبری عہد میں آیا ہوا معلوم ہوتا ہے انکے یہاں ایک سند غازی اللہ بادشاہ دہلی کی دیکھی (۹) جس میں خلیفہ حضرت قطب الاقطاب مخدوم شاہ شیخ منیر شاہ نور قطب عالم کو برائے دعائے دولت و اقبال موضع کلوالی پر گنہہ ہسلوہ ضلع ٹوکانہالی میں عنایت ہوا تھا۔ یہ سند ۱۳۷۴ھ میں عطا ہوئی تھی اور موضع مذکور اب تک بصورت معافی خاندان میں موجود ہے۔ اسکے علاوہ اور زمینداری بھی خرید کر لی ہے۔ اب میسور خاندان منشی مولوی علی احمد صاحب ہیں۔ اور اسی خاندان کے ایک رکن واصل الدین احمد صاحب المعروف بہ رمضان میاں گورنمنٹ پوسٹل ڈیپارٹمنٹ میں نوکرتھے اب پنشن لے رہے ہیں۔ اس خاندان کا مولوی علی احمد صاحب ہی کی ذات تک ختم سمجھئے۔ آپ بنگلہ زبان کے من چلے طرفدار اور ہندو پارٹی کے خاص دوست ہیں۔ علمی مذاق بھی رکھتے ہیں۔

مولوی عبدالکریم صاحب بی۔ اے۔ بی۔ ایل۔ آپ ایسٹرن بنگال کے پرجوش مسلمانوں میں سے ہیں۔ دل میں قومی درد رکھتے ہیں۔ اس نواح کے مسلمانوں میں دو ہی چار آدمی اس رنگ کے دیکھنے میں آئے۔ ان کے مورث اعلیٰ اہمدا فغانان میں وار و ضلع مین سنگہ ہوئے تھے اُن کا نام تاج محمد صاحب تھا۔ اور مقصد تشریف آوری اشاعت اسلام۔ اصلاً ترکستانی تھے۔ انکا مزار مقام گلیا چوڑا ضلع مین سنگہ میں ہے۔ ہمیشہ سے یہ خاندان علما و فضلاء کا گھربا ہے۔ ایسٹرن

بنگال میں پیران طریقت کو "خودکار" کہا جاتا ہے۔ یہ خاندان بھی اسی نام سے مشہور ہے۔ تین پشت سے بعض اشخاص ملازمت گورنمنٹ بھی کر رہے ہیں۔ مگر مولوی عبدالکریم صاحب نے وکالت کا آزاد پیشہ پسند کیا۔ اور بفضل خدا کامیاب کیل ہیں۔ بڑی بات یہ ہے کہ سچا جوش اور قومی درد رکھتے ہیں۔

مولوی محمد یونس صاحب ساکن موضع اکھدی ضلع مونگیر ایک قابل بزرگ تین سال سے کیلا میں ہیں اور مدرسہ حامیہ کے سپرنٹنڈنٹ ہیں۔ آدمی باخدا۔ پاکیزہ صفات اور خوش خیال ہیں۔ انکی صحبت سے روزانہ لطف رہتا ہے۔ نواب حسام حیدر صاحب نے میلاد شریف کی مجلس ترتیب دی۔ مجھ کو پڑھنا پڑا۔ شرفاً کیلا موجود تھے۔ سب نہایت محفوظ ہوئے۔

۸۔ فروری۔ نواب حسام حیدر صاحب ممبروں کی تلاش میں میرے ساتھ ہوئے۔ مولوی عبدالجلال خاں صاحب بی۔ اے۔ ڈپٹی مجسٹریٹ سے ملنا ہوا۔ آپکے بزرگ بھی پٹھانوں کے عہد میں وارد ایسٹرن بنگال اور یہاں سکونت پذیر ہوئے۔ مکان آپکا رے کھالی بکرم پور میں ہے۔ انکے مورث شاہ محمد خاں صاحب فوجی سردار تھے۔

مولوی دلیل الرحمن صاحب بی۔ اے۔ ڈپٹی مجسٹریٹ۔ شاہ قتال جنگا دین کی اولاد میں ہیں۔

مولوی وحید الدین صاحب بی۔ اے۔ ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ ہائی اسکول کیلا۔ ساکن کلکتہ معمولی مسلمان خاندان کے رکن اور ذاتی شوق و محنت سے کسب علم کر کے ملازمت سررشتہ تعلیم میں داخل ہوئے ہیں۔ اب ترقی کر کے ہیڈ ماسٹر بن گئے ہیں۔ اور یہ ایک خاص بات ہے کہ تمام ایسٹرن بنگال میں تعلیم کے صیغہ میں جن مسلمان مدرسین یا ماسٹروں سے مجھے سابقہ پڑا ہے۔ وہ سب کم و بیش

ایسے ہی ملے۔

مدرسہ عزیز یہ تجزیہ حافظیہ کا معاینہ کیا۔ دو بھائی حافظ کبیر محمد و حافظ صغیر محمد صاحبان اسکے ہمتی ہیں۔ زیادہ تر یہ مدرسہ نواب حسام حیدر صاحب کی داد و دہش سے چل رہا ہے اور کچھ دوسری آمدنی بھی ہو جاتی ہے۔ ڈپڑ پھوٹا، سچم زیر تعلیم ہیں اور ایک سو حافظ اور مجتہد ہو کر نکل چکے ہیں۔ یہ دونوں بھائی قرآن کریم کے حفظ سے ہندوستان میں فارغ ہوئے تھے۔ مگر فن تجزیہ مکہ مکرمہ میں حاصل کیا۔ نواب صاحب نے شہزادہ شجاع ابن شاہ جہاں بادشاہ کی ایک مسجد دکلائی۔ یہ مسجد دریا کے کنارہ پر بنی ہے۔ عمارت میں کوئی خاص خوبی نہیں۔ کہتے ہیں کہ جو وقت شجاع اپنے بہائی عالمگیر کے خون سے بھاگ کر ادھر آیا اور گھسلا میں ٹھہرا تھا تو یہاں سے جاتے ہوئے ایک انگوٹھی اپنے ہاتھ سے نکال کر دی کہ اسکی یادگار میں یہاں ایک مسجد تعمیر کر دی جائے۔ مسجد میں کتبہ بھی لگا تھا۔ مگر ہندو نے اسکو اکھاڑ لیا۔ اسکی وجہ یہ تھی کہ جوار کی ایک ہندو ریاست کا ایک موضع اس مسجد کے خرچ کے لئے معافی میں ملا تھا۔ اور وہ کتبہ اسکی سند تھی۔ اب کتبہ کے غائب ہو جانے سے کوئی سند باقی نہیں رہ گئی اور موضع ضبطی میں آگیا۔ نواب حسام حیدر صاحب اس مسجد کے اخراجات کی بہت کچھ کفالت فرماتے ہیں۔

نواب حسام حیدر صاحب نے ایک قرآن شریف قلمی نہدہب و مطلا دکھایا۔ دیز چکنے کا غذر کج خط و لاہیت لکھا ہوا ہے۔ بڑی تقطیع ہے۔ اسکے دیکھنے سے آنکھیں روشن ہو گئیں۔ خاص شہزادہ داراشکوہ کی تلاوت کا مصحف ہے۔ مہر اسکی موجود ہے۔ ایک یورپین لیڈی سے نواب صاحب نے لیا تھا عجیب نادری مصحف ہے۔

۹۔ فروری۔ مدرسہ عربیہ حسامیہ کے طلبہ نے مجھے تقریر کرائی۔ انجمن ترقی

اردو کے اغراض و مقاصد تھے۔ مدرسہ کار جیٹر دیکھا۔ ۲۰۴ طلبہ کے نام درج ہیں۔ مالک روپیہ ماہوار گورنمنٹ سے امداد ملتی ہے۔ اور نواب حسام حیدر صاحب کے وقف سے ایک سو روپیہ ماہوار۔ فیس ماہانہ کی آمدنی مال روپیہ ہے۔ جملہ صامعہ ماہوار آمدنی اور صامعہ ماہوار خرچ ہے۔ مکان نواب صاحب نے عطا کیا ہے۔ گورنمنٹ بنگال کا منظور کردہ عربی نصاب زیر تعلیم ہے۔ اسمیں عربی علم ادب کی مقدار زائد ہے۔ اس قسم کے مدارس سے جو طلبہ کامیاب ہو کر نکلتے ہیں وہ فاضی کے منصب پر مامور ہو جاتے ہیں۔ اور انہیں سے اکثر دیوبند یا ندوۃ العلماء کے دارالعلوم میں تکمیل علوم ادینیہ کر کے وعظ و ارشاد کیا کرتے ہیں۔

ہنگولی۔ ۱۱۔ فروری۔ نواب حسام حیدر صاحب اور رمضان میاں صاحب کی معیت میں ہنگولی ضلع چاٹگاؤں کو گیا۔ ریلوے اسٹیشن دھوم سے ہنگولی صرف نصف میل کے فاصلہ پر ہے۔ یہاں حضرت شاہ بدل صاحب کا مزار ہے۔ یہ بزرگ اس سرزمین میں ۱۰۰ سال ہوئے اشاعت اسلام کے لئے آئے تھے۔ دوسرا مزار شاہ متان کن کا ہے۔ انکی وفات کو سو اسو برس کا زمانہ ہوا۔ ان دونوں مزاروں کے خادم سید شاہ معز الدین صاحب محمولی سجادہ نشین خادمان مزارات کے ہم مشرب ہیں۔ کوئی قدیم کاغذ یہاں نہیں جس سے قدامت کے آثار معلوم ہوں۔ نواب حسام حیدر صاحب نے دونوں مزار پختہ بنوا دیے ہیں اور ایک مختصر سی مسجد بنوا دی ہے۔ ہر سال معقول رقم اس آستانہ کو نذر کیا کرتے ہیں۔ سجادہ نشین صاحب پرانے آدمی ہیں کچھ سبب بزرگی رکھتے ہیں۔ مگر انکے فرزند ارجمند تو ابھی کچھ بھی نہیں۔ ممکن ہے کہ آگے چلکر بزرگ اطوار ہو جائیں۔

شب کو حضرت شاہ بدل کے آستانہ پر رہنا ہوا۔ یہاں جوار کے موضع

پراگل پور ضلع چائنگاؤں کے زمیندار شیخ بذل السبحان صاحب نے مجاہد کرم فرمایا اور ملنے کیلئے قدم رنجہ کیا۔ ایسے اخلاق سے ملے کہ دل خوش ہو گیا۔ اس وقت یہ گھر تعلیم کے زیور سے آراستہ ہے۔ پانچ بہائی ہیں اور سب تعلیم یافتہ۔ ان کے مورث اعلیٰ غنی سے غوریوں کے زمانہ میں یہاں آئے تھے۔ انکے جدا مجد جزا خاں ایک دستہ فوج کے صوبہ دار منبجرتے۔ اگرچہ غزنوی الاصل افغان ہیں لیکن اب شیخ کہلاتے ہیں۔ ایسٹرن بنگال میں بہتیرے پٹھان گھرانے خود کو شیخ کہتے ہیں۔ شیخ بذل السبحان صاحب بی۔ اے۔ علیگ۔ آپ گھر کی زمینداری کا انتظام فرماتے ہیں۔ اور دیگر برادران شیخ ارادت پیر ستر و سب حج۔ شیخ نور الاسلام پیر ستر شیخ مظہر الدین پیر ستر۔ اور شیخ سراج الدین صاحب ہیں۔ شیخ سراج الدین صاحب بھی گھر کے کام میں مصروف رہتے ہیں اور بڑے بہائی کا ہاتھ بٹاتے ہیں۔ زمینداری تو صرف بیس ہزار روپیہ سالانہ کی ہے مگر خوش انتظامی کی وجہ سے حالت بہت اچھی ہے۔

۱۳۔ فروری۔ ہنگولی سے تین میل پر ایک انگریزی اسلامیہ ہائی اسکول ہے۔ فجر کی نماز کے بعد رمضان میاں صاحب کو ساتھ لیکر اسے دیکھنے گیا۔ نصف راستہ ملے ہوا تھا۔ کہ عین راہ میں ایک شکستہ اور زمیں دوز مسجد کے آثار نظر آئے۔ نزدیک جا کر دیکھا۔ پاشاں پتھروں پر خط کوفی میں آیات کلام اللہ کھدی ہوئی پائیں۔ دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ یہاں شہزادہ شجاع کے ایک ساتھی نے سکونت اختیار کر لی تھی اور اپنے نام پر سبحان نگر آباد کیا تھا گرچہ اور مسجد بنوائی تھی۔ اب ایک سو سال سے وہ خاندان فنا ہو گیا ہے۔ اسکی املاک پر گورنمنٹ قابض ہو گئی۔ گڑھی مع دیگر سامان کے پیوند زمین ہو چکی ہے۔ مسجد کے آثار یہ ہیں۔ اس داستانِ الم افزا سے داغ برجگہ ہو کر گے روانہ ہوا اور منزل مقصود ناک پہنچا۔

اسکول ایک تالاب کے کنارہ بلند پشتہ پر بنا ہے۔ تالاب بہت بڑا ہے اور سامنے پہاڑی کا دلکش منظر ہے۔ اسکول کا نام۔ رام سندر۔ رام گور۔ زور اور گنج بائی اسکول ہے۔ مدرسہ نوا سلامیہ ہے۔ مگر ہندو مسلمان زمینداروں کی چشمک پر ایک ہندو سا ہو کا رنے عمارت بنوائی اور سات ہزار روپیہ اس شرط سے دیا کہ اسکول اسکے باپ کے نام سے موسوم ہو۔ اس مدرسہ کے سکریٹری اور روح رواں مولوی فضل القدر صاحب بی۔ اے۔ سب رجسٹرار ہیں۔ پریسڈنٹ چودھری کامتی کنور ہیں۔ چندہ میں ہندو مسلمان دونوں شریک ہیں۔ ہندوہ مدرسین میں مسلمان اور ہندو ہیں۔ ہر چوتھے دن قرآن شریف اور دینیات کی تعلیم ہوتی ہے۔ مسلمان طلبہ کو پابند نماز رکھا جاتا ہے۔ مسجد اور بورڈنگ ہائس کی ٹیٹیوں کے درو دیوار اور ستونوں سے بنے ہیں اور خس پوش ہیں۔ صرف مدرسہ کی عمارت پختہ اور ٹین پوش ہے۔ بورڈنگ میں چھ ہندو اور بیس مسلمان بورڈر ہیں۔ بہت سے طلبہ جاگیر پر تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ مصارف بورڈنگ سات روپیہ ماہوار ہیں۔ مدرسہ کا موجودہ خرچ فاضلہ ماہانہ ہے۔ فیس سے تنوعاً روپیہ اور گورنمنٹ سے ایک سو روپیہ ماہوار آتا ہے۔ ساٹھ روپیہ کی کمی کبھی سکریٹری اور گاہے صدر انجمن کی جیب سے پوری کر دی جاتی ہے۔ ہیڈ ماسٹر محمد معظم حسین صاحب بی۔ اے۔ ہیں۔ آدمی صاحب دل اور اچھے ہیں۔ تین سال سے بڑی محنت کے ساتھ کام کر رہے ہیں۔ ۲۵۰ طلبہ زیر تعلیم ہیں۔ انجمن سے مسلمان صرف ایک سو ہیں۔ چانگاول۔ اسکول کے معائنہ سے فارغ ہو کر ہنگوئی واپس آیا۔ حضرت شاہ بدل جم کے آستانہ کالنگر کھایا۔ وہاں سے سب ایک بجے دن کو ریلوے اسٹیشن پر آ گئے۔ میں چانگاول کو چلا اور نواب حسام حیدر صاحب کمپلا کو واپس گئے۔ نواب صاحب نے مزید کہہ کر یہ فرمایا کہ مولوی عبدالستار صاحب وکیل

کو تار دید یا تھا۔ یہ بزرگ چاٹگاؤں ریلوے اسٹیشن پر میرے استقبال کیلئے آگئے تھے۔ اپنے ساتھ لے گئے اور اسلامیہ ہوسٹل میں ٹھہرانا چاہا۔ مگر میں نے لڑکوں میں رہنا پسند نہیں کیا۔ اور ناجسنی کی وحشت میں مبتلا ہونے سے گریز کیا۔ آخر وہ مجھ کو اسلامیہ ریڈنگ روم میں لے گئے اور وہاں جگہ دی۔ یہ ریڈنگ روم مسجد شائستہ خاں کے قریب ہوسٹل کی عمارت سے کچھ بلندی پر واقع ہے۔ بانس کے درو دیوار کی عس پوش عمارت ہے۔ اس سکن میں دو انیس بھی لگائے۔ ایک مولوی ظفر حسین صاحب عینی اعظم گڑھی جو یہاں گورنمنٹ عربی مدرسہ میں دوم لکچرار عربی ہیں۔ اور دوسرے مولوی جمال الدین صاحب ہیڈ مولوی گورنمنٹ ہائی اسکول مولنا عینی نہایت ذی علم ذکی، مہذب و متین۔ نیک طبع شریف خصال انسان۔ مولنا محمد فاروق چریا کوئی ٹچ کے شاگرد رشید۔ بڑے طباع اور سخندان و سخنگو آدمی ہیں۔ ایسے سچلیں کے مٹنے سے سید خوشی ہوئی۔ مولوی صاحب سیلا ڈھیر خوب پڑھتے ہیں۔ یہ ایک اور ہمرنگی ہے۔ مولوی جمال الدین صاحب مضافات چاٹگاؤں کے ایک دیہاتی شریف ہیں۔ اور دونوں صاحبوں کی مجالست لطف دے رہی ہے۔

مولوی عبدالستار صاحب بی۔ اے۔ بی۔ ایل۔ وکیل۔ جنکا میں مہمان ہوں شیخ قریشی اور مضافات چاٹگاؤں کے رہنے والے ہیں۔ اس وقت گورنمنٹ پلڈیا ہیں۔ آنکے دادا اور والد بھی وکیل تھے۔ اور دادا صاحب وکیل سرکارہ چکے ہیں۔ آدمی سادہ مزاج۔ صاف دل اور سچے پر جوش ہیں۔ اردو فارسی اور عربی نہیں جانتے رات کو آرام کر کے صبح کے وقت کام کے لئے اٹھا۔ پہلے عبدالرحمن صاحب دہاشی کے یہاں گیا۔ یہاں کے مسلمانوں میں سب سے زیادہ خوشحال آدمی ہیں۔ بادبانی جہازوں کے بنانے اور چلانے کا کارخانہ ہے۔ دو باشی بول کہلاتے ہیں کہ انکے بزرگ

یورپین افسروں کے خاندانوں میں۔ اور اس ملازمت میں اپنی ماوری زبان کے علاوہ انگریزی بھی بولنا سیکھ گئے۔ انکو لوگوں نے دو بھاشی یعنی دو زبانیں جاننے والا مشہور کیا۔ اس طرح یہ جماعت دو بھاشی کے نام سے موسوم ہو گئی ہے۔ علم و تہذیب کا انہیں کوئی چرچا نہیں۔ عادات عامیاناہ ہیں۔ قومی اور علمی کاموں کا مذاق ہوتو کیونکر۔ لیکن دولت مند ہونے کی وجہ سے مرجع آمال ہیں اور قومی گدا گراں کے پاس بھی جاتے ہیں۔ کامیابی اور ناکامی نصیب کی بات ہے۔ میں گیا تو مجھے سے بیڑے اخلاق کے ساتھ پیش آئے۔ اپنے مکان پر پھرانے کی استدعا کی۔ مگر میں ایک جگہ آرام ٹھہرا ہوا تھا۔ اس لئے معذرت کی اور انکی عنایت کا شکریہ ادا کیا۔

۱۴۔ فروری کو شاہ امان اللہ صاحب کے مزار۔ اور شاہ بدر اوشاہ بائیں بسطامی (۹) کے چٹوں پر زیارت کے لئے گیا۔ کوئی جگہ لمبا ط عمارت قدیم نہیں معلوم ہوئی۔ خصوصاً بائیں بسطامی کا چلہ تو محض غلط ہے۔ یہ بزرگ ہندوستان میں کبھی آئے ہی نہیں۔ ہاں کوئی دوسرے صاحب اس نام کے رہے ہونگے۔ میرے نزدیک بسطامی کی نسبت قطعاً غلط ہے اور اس سے دہوکا ہوتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب چانگادوں کی حالت عجیب ہے۔ مسلمان علماء اور صوفیہ کے درس و ارشاد کے حلقے بکثرت ہیں۔ مگر ان سے یہ زہر ملا اثر پیدا ہو رہا ہے کہ نہ دینی مسائل میں دو عالم متفق ہوتے ہیں اور نہ ارشاد و ہدایت میں دو صوفی ایک جنس نظر آتے ہیں۔ ہر عالم ایک دوسرے کی تکفیر و تذلیل کے درپے ہے اور پیران طریقت اپنے مریدوں کو دوسرے پیروں سے بدنظن بنانے میں سہرگرم ہیں۔ اور اس ساری کارروائی کی اصلی غرض و غایت حدیث شکم ہے۔ افسوس! عالمان دین ہدیٰ اور سالکان طریقت صفا میں سے کوئی صاحب قابل ذکر نہیں نظر آتے مگر ایک بزرگ مولوی عبد الحمید صاحب

ضروری ہے کہ آٹکا کچھ تذکرہ نکرنا ایک قسم کا جرم ہوگا۔ پنجاب میں حضرت میر غلام محمد صاحب قادیانی۔ اور چانگواؤں میں مولوی عبدالحمید صاحب وحی والہام کے متبیط ہیں۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ مرزا صاحب بیاناگ دہل تمام خلق کو اپنا الہام سناتے تھے اور مولوی عبدالحمید صاحب محض اپنے مریدوں سے سرگوشی کر کے وحی منزل کی اشاعت کرتے ہیں۔ سنتا ہوں کہ مولوی عبدالحمید صاحب بدوئے سجدہ تعظیمی پر بہت خوش ہوتے ہیں۔ اس علاقہ کے بعض علماء نے ایسے سجدہ کو ناجائز قرار دیا ہے اور اسکے خلاف کچھ رسائل لکھے ہیں۔ ان رسائل کا جواب عبدالحمید صاحب کے مرید بااختصاص اور خلیفہ خاص شاہ بدیع الزماں صاحب نے لکھا ہے۔ یہ رسالہ میں نے بھی دیکھا۔ پیر کو تعظیمی سجدہ کرنے کے جواز پر زور دیا ہے۔ زبان اردو بالکل غلط۔ اور دلائل لا طائل۔

ان مولوی صاحب کے ایک مرید اور داماد مولوی مستفید الرحمن صاحب ڈبٹی مجسٹریٹ ہیں۔ چانگواؤں میں ان سے بھی لوگ خوش نہیں پائے جاتے۔ شام کو میونسپل اسکول میں صاحب کشر کی زیر صدارت مولوی واحد حسین بی۔ اے۔ بی۔ ایل۔ کلکتہ کا لکچر تھا۔ میں بھی مدعو کیا گیا تھا۔ مولوی جلال الدین صاحب بی۔ اے۔ بی۔ ایل۔ پرچوش نوجوان۔ شیخ قرشی۔ قابل اور مغز گھرانے کے آدمی۔ انجمن اسلام چانگواؤں کے سکرٹری قومی اور تعلیمی کاموں سے گہری دل چسپی رکھتے ہیں۔ اس انجمن میں ترقی اردو کی مفت لا بُریری کھول دی گئی۔

چانگواؤں کے آثار قدیمہ میں۔ قدم رسول صلعم کی مسجد مشہور ہے۔ شاہجاں بادشاہ کے عہد میں تعمیر ہوئی ہے۔ کتبہ کوئی نہیں۔ معافی جو مسجد کیلئے تھی مولیٰ صاحبان بیچ کر کھا گئے۔ موجودہ متونی سید لا پروا۔ اور فضول خرچ ہیں۔ مسجد شکستہ ہو رہی۔ دوسری مسجد شائستہ خاں صوبہ دار بنگالہ کی بنوائی گئی ہے۔ اس گورنر نے چانگواؤں

اسلام آباد کے نام سے موسوم کیا تھا۔ تاریخ تعمیر مسجد کا کتبہ موجود ہے اور حسب ذیل ہے۔

خداوندے سلاطین قدردیندار	رواج دین پاک مصطفیٰ کرد
خلیل آسا ہمایوں مسجدے ساخت	کہ ازوے رونق دین ہدی کرد

خسر و گفتا بگو تاریخ تعمیر	
بجالم کعبہ ثانی بنا کرد	

۱۰۸۰ ہجری	
-----------	--

میں نے اس مسجد کو ۱۳۳۸ھ میں دیکھا۔ اس حساب سے آج یہ ۲۵۸ سال کی قدیم تعمیر ہے۔ اسلامیہ ہوسٹل اسکے قرب میں ہے۔ اُسکی وجہ سے خوب آباد رہتی ہے۔ مقامی مسلمانوں نے باہمی چندہ سے صحن میں ایک خوبصورت سائبان لگا دیا ہے جسکے نیچے اسوقت سنگ مرمر کا فرش لگوا رہے ہیں۔ اور نصف کام میرے سامنے ہو چکا تھا۔

خطاب یافتہ خاں صاحب عبدالعزیز خاں بی۔ اے انسپکٹر سرشتہ تعلیم کمشنری چائنگاؤں نئی تحریکوں میں سب سے بڑا حصہ لیا کرتے ہیں۔ آپ موجودہ روش روشن خیالی کے اعتبار سے خاص آدمی ہیں۔ اگرچہ سرکاری ملازم ہیں۔ لیکن قومی کاموں اور خاص کر مسلمانوں کے تعلیمی اعمال سے بے انتہا دلچسپی رکھتے ہیں اور بارہ میں سرپا عمل ہیں۔ ۹۰۱ء میں عام مسلمانوں سے ۵۸ ہزار روپیہ چندہ جمع کر کے وکٹوریہ اسلامیہ ہوسٹل بنوایا۔ ۸۴۲ء طلبہ اسوقت ہوسٹل میں رہتے ہیں اور ۹۰۹ء طلبہ کی جگہ ہے۔ جملہ خرچ محرومیہ ماہوار ہے۔ جس میں کھانا، پلنگ میز، کرسی۔ اور روشنی وغیرہ سب چیزیں ملتی ہیں۔ اپنے ہیڈ ماسٹری سے ترقی کو کہتے ہیں۔ یا یہ ہے۔ اپنے کام میں نہایت مستعد ہیں۔ اور قومی محبت کے نشہ میں سرشار۔ اشاعت اسلام کے بھی بڑے دل واہ ہیں۔ مگر مولوی صاحبان کی

فرض ناشناسی کام میں نا واجب سستی۔ اور کچ خلقی کے بیحد شاکی ہیں بہر حال آپ ایک مہذب، متین، کارکن، اور محب قوم آدمی ہیں۔ اور یہاں کی محمدؐ کی پوجن سوسائٹی کے سکریٹری بھی ہیں۔

چائنگاؤں آنے کے تیسرے دن شام کو جلال الدین صاحب کے ساتھ ساحل دریا پر گیا۔ نہایت خوشنما گھاٹ ہے۔ دریا بہت بڑا اور وسیع ہے۔ سمیں جہاز رانی ہوتی ہے۔ لب ساحل ہر وقت جہاز، بوٹ، بجرے، سنپان، اور بادبانی جہاز لنگر زن اور آتے جاتے رہتے ہیں۔ ساحل سے چھ میل آگے چلکر یہ دریا سمندر میں مل جاتا ہے۔

مولوی غلام قادر صاحب دیوبند اور دہلی کے تعلیم یافتہ فارغ التحصیل عالم ہیں۔ زمینداری بھی وسیع رکھتے ہیں۔ ان کے والد شیخ اشرف علی فاروقی ہیں۔ مورث اعلیٰ خلیجی سلاطین کے عہد میں وارد بنگال ہوئے تھے۔ اور یہیں رہ گئے۔ آدمی منظم اور صاحب خیر ہیں۔ جدید اسکیم کے مطابق اپنے موضع سنوا۔ تھانہ بانس کھالی ضلع چائنگام میں ایک عربی مدرسہ قائم کیا ہے۔ اس میں عربی علوم کے ساتھ انگریزی زبان بھی پڑھائی جاتی ہے۔ اس مدرسہ میں ڈیڑھ سو طلبہ ہیں۔ اور تیس کو اپنے پاس سے کھانا بھی دیتے ہیں۔

آنریبل خاں صاحب مولوی امان علی صاحب زمیندار و پلیڈر۔ پرانے وقت کے آدمی۔ ہفتاد سالہ۔ غوری افغان۔ نواب مرشد آباد کے ساتھیوں میں تھے۔ انکے مورث اعلیٰ امیر محمد خاں بیاں آرہے تھے۔ پہلے سکونت موضع باکھلیا ضلع چائنگاؤں میں تھی۔ اب خاص شہر میں ماندو بود ہے ۱۹۱۴ء میں بنگال کونسل کے ممبر ہوئے۔ میونسپلٹی چائنگاؤں کے چیرمین۔ اور ڈسٹرکٹ بورڈ کے ممبر بھی ہیں۔ زمانہ کی انقلابی تحریک سے طبعاً سخت خلاف ہیں۔ چائنگاؤں میں کوئی شریف مسلمان

ان سے زائد مقرر اور با اثر نہیں حقیقت میں بزرگ اور بزرگی کے مشایاں ہیں۔
 چاٹنگاؤں میں عربی تعلیم کا بہت رواج ہے۔ ماشاء اللہ تمام مسلمانوں کی
 آبادی ہے۔ یعنی بیشتر مسلمان آباد ہیں۔ یہاں پر وہ نسواں بہت سخت ہے۔
 مٹرکوں اور گھیلوں یا بازار میں عورت کی شکل بہت ہی کم نظر آئیگی۔ مسلمان صوم صلوٰۃ
 کے سجدہ پابند ہیں۔ اور منکرات شرعیہ سے بظاہر بالکل بری۔
 چاٹنگاؤں کی زبان بنگالی زبان سے اس قدر مختلف اور الگ ہے
 کہ بنگالی اسکو بالکل سمجھ نہیں سکتے۔ (خ) کا استعمال بکثرت ہوتا ہے۔
 چاٹنگاؤں۔ ساحل دریا پر ایک پہاڑی جگہ ہے۔ قصبہ نہایت خوبصورت
 بسا ہوا ہے۔ مٹی کی ٹیکریاں دور تک مسلسل چلی گئی ہیں جنکی نشیب میں اور بلندی
 پر بھی عمدہ عمدہ بنگلے بنے ہیں۔ بازار سلیقہ کا ہے۔ اور ٹاؤن صاف و ستھرا۔
 ۲۶۔ فروری کو چاٹنگاؤں سے کمپلا واپس آگیا۔ یہاں پہنچا تو نواب
 حسام حیدر صاحب کے یہاں بنگال محمدن کالج اسٹوڈنٹس ایسوسی ایشن کا
 وفد آیا ہوا تھا۔ یہ ایسوسی ایشن اسلئے بنی ہے کہ جو کلکتہ کالج کے مسلمان طلبہ اس
 ایسوسی ایشن کے عہدہ دار ہوں وہ جملہ مسلمان طلبہ کی تعلیمی شکایات اپنی
 وساطت سے افسران سررشتہ تعلیم تک پہنچائیں اور ان سے چارہ جوئی کیا کریں
 ایسوسی ایشن ۱۹۱۲ء میں قائم ہوئی۔ پہلے سکریٹری مولوی فضل الحق ساکن فوکلہ
 ایسٹرن بنگال یونیورسٹی فوت ہو گئے۔ تو اب سید اکبر علی بی۔ اے۔ سکریٹری ہوئے
 ہیں اور حسب ذیل ارکان وفد گشت کر رہے ہیں۔ سکریٹری سید اکبر علی
 بی۔ اے۔ چودھری نور الحق ایم۔ اے۔ محمد عبداللہ بی۔ اے۔ اور محمد
 عبدالرزاق بی۔ اے۔ ارکان۔ یہ تمام اضلاع ایسٹرن بنگال میں دورہ کر کے
 ایسوسی ایشن کی شاخیں کھولنے اور مسلمان طلبہ میں باہمی اتحاد و یکجا نگت

کارشتہ قائم کرنے میں کوشاں ہیں۔ خدا آنکی سعی بار آور کرے۔

چانگاوں کے متعلق ایک مدرسہ کا ذکر لگیا تھا۔ وہ یہاں لکھتا ہوں۔
 یسٹیا گنڈ ضلع چانگاوں کا اسلامیہ ہائی اسکول ہے اس میں چار سو طالب علم زیر
 تعلیم ہیں۔ سلمان ۲۴۰۔ ہندو ۱۵۰۔ بودھ ۱۰۔ اس مدرسہ کے سرکاری مولوی
 عبدالحق صاحب عربی مدرسہ کے سپرنٹنڈنٹ بھی ہیں۔ چھ سو روپے ماہوار خرچ
 اور اسی قدر آمدنی ہے۔ گورنمنٹ سو روپیہ ماہوار دیتی ہے اور پان سو روپے
 فیس سے آتے ہیں۔ اسکی عمارت کے فنڈ میں جمال برادر تاجر نگوں نے پانچ سو
 روپیہ عطا کیا ہے۔ محبوب الہی صاحب ایم۔ اے۔ ٹی۔ ایل۔ ایم۔ آر۔ ایس۔
 ہیڈ ماسٹر ہیں۔ ڈوبائی سنال سے پنجوی تمام کام کرتے ہیں۔ پرجوش۔ علم دوست۔ اور
 حقیقی قومی ہمدرد انسان ہیں۔ انگریزی اور بنگلہ زبان میں چند کتابیں بھی تصنیف
 کی ہیں۔ پشیم گرام بنگلہ زبان میں۔ اور انگریزی میں چند پوٹریاں لکھی ہیں۔
 چانگاوں کی آب و ہوا خشک تر ہے۔ ایسٹرن بنگالہ میں آب و ہوا کے لحاظ
 سے یہ بہترین جگہ ہے۔

۱۸۔ فروری کو کیلا سے لکھشام آیا۔ دو رات گنج تک جانے کے لئے دو گھنٹہ
 ٹرین کا منتظر رہنا پڑا۔ پیادہ پا لکھشام سے روانہ ہوا تاکہ کچھم گاؤں
 کی سیر کر لوں۔ ڈوبائی میل کا فاصلہ تھا۔ ایک گھنٹہ میں طے ہو گیا۔ مولوی حکیم سکندر علی
 صاحب کے یہاں فروکش ہوا۔ آپ کچھم گاؤں کے رئیس اور حضرت مولانا فضل
 صاحب گنج مراد آبادی قدس سرہ کے مرید ہیں وہلی میں فن طب حاصل کیا ہے۔
 زندہ دل اور یار باش آدمی ہیں۔ ستار بجلے کا شوق ہے اور اچھا بجلے ہیں۔
 گانے کا بھی ذوق ہے۔ مگر با خدا لوگوں کا سا۔ آپ نواب محمد علی چودھری صاحب
 رئیس کچھم گاؤں کے چچا زاد بھائی ہیں۔ جدی سلسلہ شاہزادہ چاند ارشاہ سے ملتا ہے۔

یہ شہزادہ شاہنشاہ عالمگیر رحمہ اللہ کے عہد ۱۶۳۷ء میں ٹیپرا ایسٹرن بنگال کے راجہ -
 رتن نانک کی گوشمالی کے لئے آئے تھے۔ یہ راجہ سرکش ہو گیا تھا۔ اس سے صلح کر کے
 اپنے فرزند اکبر ہمایوں کو یہاں کانگراں بنایا۔ ہمایوں نے ہمایوں آباد نامی قصبہ آباد
 کر کے اسی ملک میں رخت اقامت ڈال دیا۔ پرگنہ ٹیپرا میں یہ قصبہ آجکل ہمناباد
 کے نام سے موسوم ہے۔ عہد سلطنت انگلشیہ میں اس خاندان کے سرغنہ چودھری
 سلطان خاں موجود تھے۔ آنکا عرفی نام گوراغازی تھا۔ انکی اولاد میں ابخان بہادر
 محمد علی - نواب - نواب بہادر - چودھری موجود ہیں۔ ۲۲ - جون ۱۸۹۶ء میں خان بہادر
 کا خطاب اور ۱۹۱۲ء میں نواب بہادر کا خطاب پایا ہے۔

اسٹیٹ کی آمدنی ۵۶ ہزار روپیہ سالانہ ہے۔ شان ریاست نبھاتے
 ہیں۔ اور عالی منشا آدمی ہیں۔ دولت گنج ریلوے اسٹیشن سے چھم گاؤں تک
 خام راستہ ہے۔ رئیس کا مکان نیم یورپین وضع کا ہے۔ اور قصبہ میں لب تالاب
 ایک مسجد ہے۔ عمارت اسکی قدیم معلوم ہوتی ہے۔

مولوی حکیم سکندر علی صاحب ایسٹرن بنگالہ میں مجبکو پہلے شخص علیہ وجود دولت
 و جائداد رکھنے کے ساتھ علم و ہنر کے زیور سے بھی آراستہ ہیں۔ فن طب میں کامل مہارت
 ہے اور صورت و شکل سے دہلی کے شریف آدمی معلوم ہوتے ہیں۔ ان کے پاس بیٹے
 ایک خط فیروز شاہ ابن شاہ عالم بادشاہ دہلی کا دستخطی اور مہری دیکھا۔ یہ خط
 حکیم صاحب کے والد چودھری یعقوب علی صاحب مرحوم کے نام ہے۔ ۱۲۶۶ء میں
 بادشاہ نے یہ خط بھیجا ہے اسکی عبارت حسب ذیل ہے۔

چونکہ عزم بالجزم مابدولت واقبال جہت سیر و معائنہ عجائبات کلکتہ
 بخاطر عاطر بود۔ چونکہ عزیز موصوف از خاندان ماہمند ہندو امی خواہم کہ دیدار شام
 مہر وغیرہ کو میں نے غور سے دیکھا۔ یہ خط انکے شاہی خاندان سے تعلق کی

سند ہے۔ میں نے مولوی سکندر علی صاحب کے یہاں میلاد شریف پڑھا۔ یہیں مولوی سید اظہار الحق صاحب ساکن طرف پولی قلعہ سلٹ سے ملاقات ہوئی۔ سید قطب الاولیاء کی اولاد۔ اور چودہراہن بدر النساء صاحبہ کے شوہر ہیں۔ چودہراہن موصوفہ خاندان کچیم گانوں کی ایک معزز رکن ہیں اور اپنے والد مرحوم کے حصہ کی کل جائیداد کی مالک۔ مولوی سید اظہار الحق صاحب بی بی کی طرف سے ریاست کے کارپرداز ہیں۔ ناشاء اللہ پانچ ہونہار لڑکے ہیں۔ ایک صاحبزادہ صاحب ریاست کے انتظام میں شریک ہیں اور چار تعلیم پارہے ہیں۔ بڑے صاحبزادہ سید غازی الحق صاحب ایم۔ اے۔ ہو چکے اب بی۔ ایل کی تیاری کر رہے ہیں۔ دوسرے بی بی۔ اے۔ میں ہیں۔ تیسرے صاحبزادہ۔ ایف۔ اے۔ میں اور چوتھے صاحب انٹرنس کی جماعت میں پڑھ رہے ہیں۔ سید اظہار الحق صاحب آدمی منتظم ہیں۔ مگر خلق و مروت میں کم مایہ۔ خاندان والوں سے انکی ان بن رہتی ہے۔ اس ریاست میں انکی زوجہ سب سے بڑی حصہ دار ہیں۔ لیکن سید صاحب بالکل سادہ زندگی بسر کرتے ہیں۔

مولوی محمد ایوب صاحب پسر مولوی حکیم سکندر علی صاحب انٹرنس تاک انگریزی تعلیم اور کسی قدر فن طب سے بہرہ ور۔ شرافت و نجابت کے حامل۔ نہایت سعید نوجوان ہیں۔ مجبور خاص عنایت، فرماتے رہے۔ زمینداری کا انتظام یہی کرتے ہیں۔ اپنے والد کے فرماں پذیر ہیں۔

۲۱۔ فروری ۱۹۱۸ء کو کچیم گانوں سے واپس ہوا۔ اور بچے شام کو کمبلا

پہنچ گیا۔ مولوی عبدالکیم صاحب بی۔ اے۔ بی۔ ایل۔ کے یہاں ٹھہرا۔

۲۲۔ فروری۔ مولوی رقیب الدین صاحب سب ڈپٹی مجسٹریٹ کمبلا سے

ملاقات ہوئی۔ آپ کے مورث اعلیٰ سلطان جان ملک غور سے آئے تھے۔ نواب شہ آباد

کے فوجی سرداروں میں سے تھے۔ آپ قومی درد و محبت اور اسلامی جوش سے معمور ہیں۔ اس ضلع کی محدثن ایجوکیشنل سوسائٹی کے سرگرم رکن ہیں اور اچھا کام کرتے ہیں۔ مولوی لطف الرحمن صاحب بی۔ اے۔ بی۔ ایل۔ منصف۔ ساکن کشمیا ضلع ندیا۔ آدمی ذی علم اور اسلامی تاریخ کے ماہر ہیں۔ مجھے صبح کو ناشتہ پر مدعو کیا اور باخلاق تمام پیش آئے۔

آج مجھے سہراب علی خاں صاحب رئیس چمرو پور ضلع گوندہ نے ذریعہ ٹیلیگرام ۴۔ مارچ ۱۹۱۷ء تک بلا یا ہے۔ خدا نے چاہا تو دوران کی دعوت قبول کر دنگا نواب حسام حیدر صاحب نے بڑے اعلیٰ پیمانہ پر مجلس ذکر رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم ترتیب دی۔ اور مجھے پڑھنا پڑا۔ سہ پہر کو مجھے ناشتہ پر مدعو کیا اور اپنے ساتھ کھانا کھلایا۔

سید امداد الحق صاحب سے نیاز حاصل ہوا۔ موقع بکسر پر گنہ ہمنا باد کے باشندے ہیں۔ بحیم گالوں کے خاندان سے دامادی کا رشتہ ہے۔ ضلع سلہٹ کے رہنے والے۔ بندگی سید شاہ نصیر الدین کی اولاد ہیں۔ سید محمود سید جلال سیل سلہٹ کے اصحاب میں سے تھے۔ آپ اہل قلم ہیں۔ ایسٹرن بنگال کی اسلامی اور عام تاریخ سے پورے واقف ہیں۔ بنگلہ زبان میں ایک اسلامی تاریخ اسلام جگوتری ہسٹری لکھی ہے۔ کتاب اس وقت زیر طبع ہے۔ ہمنا باد کی بھی ایک تاریخ لکھی ہے ہیں۔ میں نے حکیم مولوی حبیب الرحمن صاحب کے بعد انکو اسلامی ہسٹری سے خاص تعلق رکھنے والا پایا۔

مولوی قاضی مظفر احمد۔ ڈاکخانہ مراد نگر ضلع نیپارہ کے رہنے والے۔ نہایت خوش مزاج اور مسلمان آدمی ہیں۔ جوش اسلامی سے بہرہ ور صاحب تصنیف ہیں۔ آروہ اور فارسی میں چند کتابیں لکھی ہیں۔ ایک کتاب اسلامی عقاید

پرو ایک مقالہ جات اقلیدس کے حل پر مشتمل ہے۔ سرمایہ ہوتا تو یہ کتابیں شائع کرتے۔ زبان کی خامی کے باعث کوئی صاحب مطبع ان کتابوں کو کیا شائع کرے گا۔ آج میں نے مولوی باڑی میں سیلا دھوانی کی۔ ابتدائے عہد انگریزی میں یہ ایک بڑی جگہ تھی۔ اس خاندان کے چودہ افراد صدر اعلیٰ اور منصف تھے۔ مگر اس وقت سوئی بستی ہے۔

مولوی تاج الدین صاحب چانگامی۔ آپ کے والد ناصر خان شاہ بھی ایک ایک مجذوب درویش تھے۔ آپ نے ہندوستان میں کسب علم کیا ہے اور ذاتی قابلیت کی برکت سے منصب رفیع پر مامور ہیں۔ اپنے عزیزوں کو بھی بڑے عمدوں پر پہنچایا ہے۔ نہایت عالی حوصلہ انسان ہیں۔

۲۵۔ فروری ۱۹۱۵ء کو کیلا سے براہ راست کلکتہ چلا۔ نواب حسام حیدر صاحب و دیگر شرفاء کیلا اسٹیشن تک پہنچانے آئے۔ مولوی عبدالکریم صاحب گورنمنٹ پلیڈر جنکا میں اس وقت مہمان تھا۔ ایک کیشن کے مقدمہ میں الجھتے تھے۔ چلتے وقت ان سے ملاقات ہو سکی۔ کیلا میں یہ آخری چار دن ان کے یہاں بہت پر لطف گزرے۔ انکی عنایتوں کا بحد شکر گزار ہوں۔

کیلا سے روانہ ہو کر بے بجے شام کو کالی باڑی اسٹیشن پر آئے۔ مولوی عبدالکبار صاحب ایم اے۔ ڈپٹی مجسٹریٹ اسٹیشن پر موجود تھے۔ مجھے لینے آئے تھے۔ آپ شیخ صدیقی ہیں۔ مورث اعلیٰ نواب شایستہ خاں کے عہد میں فوجی سردار ہو کر یہاں آئے تھے۔ خود مولوی صاحب اگرچہ ایم۔ اے۔ ہیں لیکن وضع و لباس بالکل اسلامی سادہ اور مولویانہ۔ نہایت دیندار۔ سادہ مزاج۔ نیک نفس۔ پابند صوم و صلوة عاشق رسول اور پاکباز مسلمان ہیں۔ آپ کا مسکن شہر ڈہاکہ ہے۔ محلہ ڈیوڑھی دیسارام میں مکان ہے۔ میں آپ کے ساتھ چاند پور گیا۔ چاند پور ریلوے

جنگلش ہے۔ اور ضلع نیاٹرا کا سب ڈویژن۔ چونکہ ساحل دریا پر واقع اور جہازوں کا گھاٹ ہے۔ اور کلکتہ اور ڈہاکہ سے برابر سدا آمد و رفت جہازات قائم رہتا ہے اسلئے مسافروں کی بھیڑ رہتی ہے اور سیاحتی کی رونق یہاں مولوی عبدالستار صاحب بی۔ اے۔ پبلیڈر حقوقوڑے دونوں سے پرکیش کر رہے ہیں۔ آدمی خوش اخلاق اور شریف ہیں۔ ان سے اور مولوی عبدالباسط صاحب سے دو تین گھنٹہ تک لطف ہم نشینی حاصل ہوا۔ مولوی عبدالباسط صاحب نے میرے واسطے ڈاک بنگلہ میں ٹھہرنے اور کھانے کا انتہام کر رکھا تھا۔ کمانا وہیں کرایا۔ یہاں ایک اسلامیہ ہائی اسکول بھی ہے۔ مولوی صاحبان موصوف اور مولوی سید الرحمن صاحب منصف کی کوششوں سے اسی سال ماہ جنوری میں قائم ہوا ہے۔ دو سو مسلمان طلبہ اسمیں تعلیم پاتے ہیں جنمیں سے ۱۵۰ جاگیر کے ذریعہ سے پڑھتے ہیں۔ یہاں کا جاگیردار مسلمانوں کی ترقی تعلیم کا بہت قابل قدر ذریعہ ہے۔ اس مدرسہ کے مصارف کے لئے پیسہ فنڈ قائم ہے جس میں اس وقت تک سو روپیہ نقد جمع ہو چکا ہے۔

میں ۱۲ بجے شبکو کھانے سے فارغ ہو کر چاند پور گھاٹ پر آیا اور جہاز پر ہوا رہ گیا۔ سیکنڈ کلاس میں ایک برہمن ہندو بنگالی ڈپٹی مجسٹریٹ پورے کمرہ پر قابض تھے۔ میرے آنے سے سخت جربز ہوئے۔ مگر آخر کار جگہ دینے کے سوا کچھ نہ کر سکے۔ میں اپنے لطف فرامیز بانوں سے خدا حافظ کہہ کر آرام سے لیٹ رہا اور سو گیا۔ جہاز ۴ بجے شب کو روانہ ہوا۔ کمر کی وجہ سے رفتار آہستہ تھی۔ گولندو گھاٹ پر تین گھنٹہ دیر سے پہنچا۔ یہاں اترتے ہی خفیہ پولیس کے ہندو کارکن اسباب کی جانچ کرنے آگئے۔ اور بکس کھول کر دکھانے پر مٹھ ہوئے۔ مجھے مذاق کا دلولہ پیدا ہوا۔ ان سے کہا کہ حضرت اس بکس میں بمب ہے۔ اگر وہ پھٹے تو میری ذمہ داری نہیں۔ اب کیا ہوتا اصرار میں خوب ترقی ہو گئی۔ دیر تک تنگ کرنے کے بعد میں نے بکس کھول دیا بہت

خفیف ہوئے۔ اور چپکے چپکے گئے۔ اصل یہ ہے کہ انارکرم سے صرف بنگالی ہندوؤں کا تعلق ہے اور پولیس اُنکے ساتھ شریک۔ لہذا کارگذاستی دیکھانیکے لئے مسلمانوں پر ہاتھ صاف کرتے ہیں۔

۲۶۔ فروری کی سب کو نو بجے کلکتہ دفتر اخبار جمہور کوٹوالہ اسٹریٹ میں پہنچا۔ قاضی عبدالغفار صاحب ایڈیٹر جمہور دہلی گئے ہوئے تھے۔ میں نے وہیں قیام کیا۔ رات بھر چھڑوں نے خون پیا اور سونے نہیں دیا۔ ایک دن کلکتہ رہنا پڑا۔ اور ۲۸۔ فروری ۱۹۱۷ء کو وہاں سے روانہ ہوا۔ مجلس رائے اور گونڈہ جو کہ بلرام پور اسٹیشن تک ریل پر اور بلرام پور سے آگے پر موضع پیری میں آگیا۔ سہراب علی خاں صاحب چشم براہ تھے۔ اُنکے سوا برس کے بچہ نظام علی خاں سلمہ لشدکی شادی اُن کے برادر کلاں امجد علی خاں صاحب کی ہشت ماہہ دختر سے تھی۔ اور سہراب علی کی دختر شش سالہ کامیوندا امجد علی خاں کے گیارہ برس کے لڑکے عظمت سلمہ سے ہونیکو ہے۔ پیری آکر معلوم ہوا کہ عقد کی تاریخ ۸ مارچ ۱۹۱۷ء ہے۔ اس لئے یہاں چار دن زائد قیام کرنا پڑا۔ تاریخ پر والدین کی ولایت میں دونوں عقد باندھے گئے۔ مولوی فدا علی صاحب مہتمم مدرسہ اسلامیہ بلرام پور نے نکاح پڑھایا۔ بین۔ مقصود علی خاں۔ امجد خاں صاحب اور محمود الحق خاں صاحب گواہ ہوئے۔ دس بجے تک سہراب علی خاں صاحب نے رکنا۔ ۱۱۔ مارچ کو پیری سے براہ بلرام پور۔ گونڈہ۔ ڈیگھا گھاٹ وپٹنہ جنگلش روانہ ہوا۔ اور ۱۳۔ مارچ کو پھر کلکتہ میں تھا۔ سہراب علی خاں صاحب کے یہاں تقریب میں حسب ذیل سہرا نذر اخلاص کے طور پر پیش کیا۔

سہرا

بنگیا ہے کسی معشوق کا بچپن سہرا

سیکھتا جاتا ہے انداز لڑکپن سہرا

ایک سہراب کے برزو ہیں کیا نجد کے اسد تیرے دادا کو سلامت ہوں بیچھوٹے دولھے	شیروں کے شیر سے جیتا نور ہزن سہرا تیرے بابا کو سلامت ہو یہ حسن سہرا
--	--

یہ نظام اور عظیمت بڑ ہیں پردان چڑ ہیں باپ کا طرہ ہو اور ماں کا ہو کنگن سہرا
--

کلکتہ - ۱۲ - مایچ ۱۹۱۸ء - کلکتہ میں کام کاروز آغاز ہے۔ آج شب کو سیٹھ غلام حسین صاحب عارف کے یہاں گیا تھا۔ وہیں شیخ محبوب علی صاحب سے ملاقات ہو گئی۔ دوسرے دن صبح کو انکے وہاں گیا۔ نہایت خلق و محبت سے ملے۔ خود ممبر ہو گئے اور ایک دیر مہربان دیا۔ اور وعدہ کیا کہ زائد ممبروں کی فراہمی میں ساعی ہونگے۔ رات کو دفتر جمہور کے عملہ سے پر لطف باتیں ہوتی رہیں۔ اور اخلاص احمد صاحب کے مکان پر آرام کیا۔ اخلاص احمد صاحب دہلی کے پنجابی تاجروں میں سے ہیں۔ کولوٹولہ میں انگریزی ادویات کی دکان کرتے ہیں۔ نہایت خلیق اور ملندہ را آدمی ہیں۔

سیٹھ غلام حسین عارف صاحب عربی النسل شریف ہیں آپ کے مورث اعلیٰ محمد بن قاسم کے زمانہ میں قصبہ رندیر ضلع سورت میں آئے تھے۔ اور وہیں توطن تھا۔ آپ کے والد کلکتہ چلے آئے اور یہاں تجارت شروع کی۔ لکھنؤ کے اکرم سے یہ حالت ترقی پذیر ہوئی۔ اور ریشمی کپڑے بننے کی مل قائم کر دی۔ یہ مل اس وقت بہت اچھی حالت میں چل رہی ہے۔ تین لاکھ روپیہ مالیت کی جائداد از قسم مکانات وغیرہ وقف ہے۔ مختلف مدارس وغیرہ میں کشادہ دلی سے مدد دیتے ہیں۔ ان کے والد نے منیر الدولہ وزیر فرخ سیر کے خاندان میں جو اس وقت پٹنہ میں رہتا ہے شادی کی تھی۔ غلام حسین صاحب کی شادی بھی اسی خاندان میں ہوئی ہے۔ آپ کلکتہ میں میونسپل کمشنر بھی ہیں۔ قومی کاموں میں شرکت کا بہت شوق

ہے۔ تحیر آدمی ہیں۔ آپ کا ایک لڑکا ولایت میں تعلیم حاصل کر رہا ہے۔ قانون میں ڈاکٹر ہو چکا اور اب تجارت کا کام سیکھتا ہے۔ آپ چھ سال تک بنگال کونسل کے ممبر بھی رہ چکے ہیں۔ آپ کے علمحدہ ہونے کے بعد وہ جگہ آئرلینڈ میں فضل حق صاحب کو ملی ہے۔ انگریزی۔ بنگالی۔ اور اردو زبانوں سے پورے طور پر واقف ہیں۔

۷۔ مایچ۔ شیخ محبوب علی صاحب سے ملنے گیا۔ آپ اپر سرکلر روڈ کلکتہ میں رہتے ہیں۔ اور حضرت مجدد الف ثانیؒ کی اولاد سے ہیں۔ آپ کے والد شیخ محمد علی غدر کے بعد کلکتہ چلے آئے تھے لکھنؤ کے ایک شریف شیخ مراد علی تلاش معاش میں بنگال آئے۔ اور اکیاب میں تجارت کا مشغلہ شروع کیا تھا۔ خدا نے کاروبار میں برکت دی اور وسیع پیمانہ پر ہو گیا۔ انہوں نے شیخ محمد علی صاحب کو پایا۔ اور گوہر نجات دیکھ کر اپنی دختر سے پیوند کر دیا۔ تین بیٹے اور دو بیٹیاں ان سے ہوئیں اب صرف شیخ محبوب علی صاحب باقی ہیں۔ تجارت کا سلسلہ قطع ہو گیا ہے۔ بس کچھ جائیداد سندربن میں ہے اور کلکتہ میں دو چار مکان ہیں۔ کلکتہ کی ہر سلاخا تحریک میں حصہ لیتے ہیں۔ مسلم لیگ کلکتہ کے خزانچی اور انڈین مسلم ایسوسی ایشن کے ممبر بھی ہیں۔ نیز میونسپل کمشنر۔ انگریزی۔ اور عربی وغیرہ جانتے ہیں۔ انگریزی خوب بولتے ہیں۔ صوفیائے کرام سے عقیدت خاص رکھتے ہیں۔

پنجابی تاجر صاحبان۔ دہلی کے پنجابی تاجر کلکتہ میں بساط خانہ کی تجارت پر حاوی ہیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ کسی صاحب کرامت دلی اللہ کی خارق عادت بزرگی دیکھ کر ان کے آباد اجداد مسلمان ہو گئے تھے۔ اور انھیں بزرگ کی دعا سے انکی تمام برادری خوشحال اور تجارت پیشہ ہے۔ کلکتہ میں اس جماعت کے افراد ۸۴۰۰ میں وارد ہوئے۔ یعنی غدر سے قبل۔ کو لوٹ لہ اور اسکے اطراف کی سڑکوں اور محلوں کی آبادی ماشاء اللہ اسی جماعت سے معمور ہے۔ انکی قومی خدمتگزاری اور سلامتی

حتماج بیان نہیں۔ سب اہل خیر اور سچے مسلمان ہیں۔ مگر انکی خاص برادری نے اجتماعی کام اور باضابطہ کوشش کا سلسلہ اسی وقت سے شروع کیا جبکہ بہار کے علاقہ میں کٹار پور کا واقعہ ہوا تھا۔ مسلمان باشندگان کٹار پور پر جو مظالم ہوئے انکی یاد سے دل خون ہو جاتا ہے۔ قلم کو انکی تحریر کا یا را نہیں۔ ۱۹۱۶ء میں یہ مظالم ہوئے تھے۔ اور انکی صدا ہندوستان کے ہر گوشہ میں گونج اٹھی تھی۔ اس حادثہ کے آفت زدہ لوگوں کیلئے جوش اعانت و ہمدردی پیدا ہوا۔ اعلیٰ حضرت شہر یار و کن و ام ملکہ نے ایک لاکھ روپیہ مرحمت فرمایا۔ اور اطراف ہند میں ہر جگہ چندہ کھلا۔ کلکتہ کے پنجابی تاجروں نے اس موقع پر اپنی اسلامی حمیت کا پورا ثبوت دیا۔ اگرچہ بہ لوگ خیر و خیرات کے ہمیشہ دلدادہ رہے۔ لیکن باقاعدہ اجتماعی کام اسی وقت انہیں شروع ہوا۔ اعانت مظلومان بہار کے لئے ان کی ایک باضابطہ انجمن قائم ہوئی۔ اور تمام برادری نے متحدہ حیثیت سے اسمیں کام کیا۔ اس انجمن کے سکریٹری محمد امین صاحب تھے۔ جاسٹس سکریٹری فضل الہی صاحب۔ اور صدر انجمن شیخ محمد ابراہیم صاحب۔ خود اس جماعت کے افراد نے تیس ہزار روپیہ چندہ دیا۔ اور بڑی پابندی کے ساتھ کام کیا۔ جزاہم اللہ خیر۔ اس برادری کے جن لوگوں سے میں مل سکا وہ حسب ذیل ہیں۔

حاجی شیخ اللہ بخش صاحب جنرل مرچنٹ کو لوٹولہ۔ کلکتہ۔ مکان میرٹھ میں ہے۔ آپ کے والد شیخ مولا بخش نے کلکتہ آکر کام شروع کیا۔ آدمی میٹھے انتہا نیک اور پرہیزگار ہیں۔ دواؤں کی تجارت کرتے ہیں۔ قومی کاموں سے پوری دل چسپی لیتے رہتے ہیں۔

اللہ دیا صاحب چاندتا۔ پنجابی کلکتہ میں کاروبار کر رہے ہیں۔ اصل سکونت دہلی کی ہے۔ ۱۸ سال سے یہاں ہول سیل یعنی تھوک فروشی کرتے ہیں۔ انکے صاحبزادے

محمد اسحق صاحب ایف۔ اے تک تعلیم پائے ہیں اور اب وہی سب کام کرتے ہیں
اقتدیا صاحب بڑے خداترس آدمی ہیں۔ کو لوٹو لہ نمبر۔ امیں دکان ہے۔

شیخ عبدالخالق صاحب خلف شیخ عطاء اللہ صاحب بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔
بی۔ دہلوی نمبر اکو لوٹو کلکتہ میں دکان ہے۔ علی گڑھ کے تعلیم یافتہ ہیں محمد رفیع باڑی
کسٹانی سہیل اسٹریٹ کلکتہ۔ میں رہتے ہیں۔ انجمن اعانت نظر بندان اسلام کے
سکرٹری۔ دہلوی پنجابی۔ اور پرجوش مسلمان ہیں۔

کلکتہ میں جن اصحاب سے روشناس ہوا ان میں خان بہادر عبدالمومن بی۔
اے۔ ساکن بردوان انڈر سکرٹری گورنمنٹ بنگال بھی ہیں۔ آپ ۱۹۰۶ء میں
خان بہادر ہوئے۔ بی۔ اے پاس کرنے کے بعد ہی ڈپٹی کلکٹری پانی اور اب ترقی
کر کے سکرٹریٹ میں آگئے۔ سات سو روپیہ تنخواہ ہے۔ مسلمانوں کی تعلیم سے بہت دلچسپی
رہکتے ہیں۔ اچھے آدمی ہیں۔ نواب مولوی عبدالجبار صاحب سی۔ آئی۔ ای۔ کے
منجھلے بیٹے ہیں۔ جبار منزل لوئر سرکلر روڈ کلکتہ میں رہتے ہیں۔ انکا نامال انصاریوں
میں ہے۔ آپکے ماموں عبدالرزاق صاحب انصاری سے یہیں ملاقات ہوئی۔
یہ اثر وار ضلع بردوان میں رہتے ہیں اور تمام بنگال میں انصاریوں کا یہی ایک
خاندان مجھ کو ملا ہے۔ مولوی عبدالمومن صاحب کے دو بیٹے ہیں۔

۲۲۔ مارچ ۱۹۰۶ء۔ آج سید سعید حسین صاحب زمیندار مونگیر سے ۹ سال
کے بعد اتفاقہ ملاقات ہوگئی۔ عدم مراسلت کی شکایت فرماتے رہے۔ آدمی
بڑے لطف کے ہیں۔

۳۰۔ مارچ۔ اشرف علی خاں صاحب بیرسٹر۔ لوئر سرکلر روڈ۔ بمبھوڑ ضلع
راج شاہی کے رہنے والے۔ زمیندار بھی ہیں۔ پریکٹس معمولی ہے۔

مودود الحسن صاحب بیرسٹریٹ لا۔ شیخ صدیقی۔ ساکن ہنگلی۔ اب تین بیٹے

خاص کلکتہ مسکن ہے۔ جدا علی شیخ فقیر محمد دربار مرشد آباد سے فوجی تعلق رکھتے تھے۔
نوجوان خوش خلق۔ قومی کاموں سے بیدار لچسپی لینے والے۔ بنگال مسلم لیگ کے
آزادی جوائنٹ سکرٹری۔ بنگال ہوم رول لیگ کے اسسٹنٹ سکرٹری۔ اور میونسپل
کمشنر ہیں۔ خوشحالی اور ملنساری کے زیور سے آراستہ ہیں۔

ملا محمود ملّا ہاشم نمبر ۵۱۷۱۔ مچھو بازار اسٹریٹ کلکتہ۔ عربی النسل۔ راندر
ضلع سورت کے رہنے والے ہیں۔ ان کے دادا غلام محمد صاحب کلکتہ میں آئے
تھے۔ برہما میں جواہرات کی تجارت کرتے تھے اور ان کے والد کے وقت تک رنگون
میں دکان رہی۔ اب یہ بالکل کلکتہ میں رہا کرتے ہیں۔ زمینداری اور مکانات
برہما میں ہیں۔ معمولی کاروبار ہے۔ علم دوست آدمی ہیں۔ قومی کاموں کا مذاق
کم ہے۔ ملا محمود صاحب کی بھانجی مریم بی بی صبیحہ احمد عارف بھام نہایت تعلیم یافتہ
خاتون ہیں۔ تہذیب نسوان۔ شریف بی بی۔ خاتون وغیرہ زمانہ رسائل کی مضمون نگار
انگریزی اور اردو کا خاص ذوق رکھتی ہیں۔ ۵ سال کی تئیں حب الدہ انتقال کر گئیں۔
ماموں نے پرورش کی اور تعلیم دلائی۔ اب شادی بھی کر دی ہے۔

سیٹھ محمد عبداللطیف احمد صاحب۔ مالک کارخانہ حاجی نور محمد زکریا۔
امر تھلا لیں کلکتہ میں مکان اور آفس ہے۔ ملّا ملک کچھ کے رہنے والے۔ ۵۷ سال
کی مدت اور تین پشت سے کلکتہ میں کاروبار کر رہے ہیں۔ انکے نانا سیٹھ حاجی نور محمد
بڑے سمجھدار سوداگر تھے۔ اپنے زمانہ میں کلکتہ کے پولیٹیکل آدمی تھے۔ ناخدا کی مسجد
اور اسکے ساتھ کا مدرسہ انھیں کا بنایا ہوا ہے۔ بڑے باخدا اور فیاض آدمی تھے۔

اس وقت فرم کے مالک عبداللطیف احمد اور احمد حاجی نور محمد صاحب ہیں۔ کاروبار
کا اختیار مکی عبداللطیف احمد صاحب کو ہے۔ ۲۹ سالہ نوجوان۔ اور قومی کاموں
سے پورا شغف رکھتے ہیں۔ پرجوش آدمی ہیں۔ بنگال مسلم لیگ کے جوائنٹ سکرٹری اور

کلکتہ جو مول لیگ کے نائب صدر ہیں۔ دسمبر ۱۹۱۶ء میں مسلم لیگ اور آل انڈیا
محمڈن ایجوکیشنل کونفرنس کا جو اجلاس کلکتہ میں ہوا اس کے جلسہ مضارفت مبلغ پچیس ہزار
روپیہ تنہا آپ ہی نے عطا کئے۔ ہر ایک قومی کام میں حصہ لیتے رہتے ہیں۔

مولوی محمد قاسم صاحب آروی۔ شیخ فاروقی۔ ان کے مورث محمد سلاطین
مغلیہ میں اس طرف آئے۔ مورث اعلیٰ کا نام معلوم نہیں ہوا۔ آرہ میں بعد سلطنت
اسلام قاضی باہر و صاحب قاضی تھے۔ انکی اولاد میں ہیں۔ عربی کے فاضل ہیں۔
انگریزی انٹرنس تک پڑھی ہے۔ ۲۲ سال سے مدرسہ عالیہ کلکتہ میں ملازم ہیں۔
ایڈٹ ہوشل کلکتہ مدرسہ کے پرنٹنڈنٹ ہیں۔ سوقت ۱۱ سال عمر ہے چھ لڑکے ہیں۔ ایک ولایت
میں سول سروس کی تیاری کر رہا ہے۔ دو ڈیپلکالچ میں زیر تعلیم ہیں اور باقی تین بھی
انگریزی پڑھتے ہیں۔ نہایت علم دوست اور آردو زبان کے حامی ہیں۔ ”گنبا فرک“ نام
ایک انگریزی کتاب کا آردو میں ترجمہ بھی کیا ہے مگر اسکی اشاعت نہیں ہوئی۔

مولوی واحد حسین صاحب بی۔ اے۔ بی۔ ایل۔ متوطن بھاگلپور۔ تین پشت
سے کلکتہ مسکن ہے۔ بنگال آردو ریڈرس کے موقوف ہیں۔ بچوں کے لئے آردو ریڈر بھی
لکھی ہیں۔ فارسی سے انگریزی۔ اور انگریزی سے فارسی میں ترجمہ کرنے کی مشق پر
کئی مختصر رسالے لکھے ہیں۔ قومی کاموں میں بہت حصہ لیتے ہیں۔ کلکتہ کے اجلاس
کونفرنس کے استقبالیہ کمیٹی میں سکریٹری تھے۔ کلکتہ یونیورسٹی کے ایگزیکٹو اور
ایشیاٹک سوسائٹی لنڈن وائرلینڈ کے ممبر ہیں۔ کلکتہ کی ایجوکیشنل سوسائٹی اور
ایجوکیشنل کونفرنس کے بھی سکریٹری ہیں۔

مولوی محمد اکرم خاں صاحب ایڈیٹر اخبار ”تجدیدی“ بنگالی نمبر ۲۹ پر سرکلر وڈ کلکتہ
میں قیام ہے۔ ۱۲ سال سے یہ ہفتہ وار اخبار نکال رہے ہیں۔ انجمن علماء اسلام
بنگالہ کے سکریٹری بھی ہیں۔ نجوہی کے آدمی ہیں اور کارکن۔ آپکا مکان موضع حکیم پور

ضلع چوہیس پہنچنے میں ہے۔

انجمن علماء اسلام بنگالہ ۱۹۱۳ء سے قائم ہے۔ بنگلہ زبان میں ”اسلام“ نامی ایک رسالہ نکالتی ہے۔ اور ۵۰ مکاتب اب تک قائم ہو چکی ہے۔

سید حسین صاحب شوستری اثنا عشری۔ ایرانی الاصل۔ ۷۱ نمبر بارہی چچ اسٹریٹ کلکتہ میں قیام ہے۔ قاضی نور اللہ شوستری کی اولاد ہیں۔ آپ کے پردادا سید محمد صادق کلکتہ میں تشریف لائے تھے۔ شیعہ وقف پر اپریٹ کے متولی ہیں۔ مذہبی تعصب سے بالکل پاک اور کلکتہ کے تمام قومی کاموں میں حصہ لیا کرتے ہیں۔ بنگال پر ویشل مسلم لیگ۔ یتیم خانہ کلکتہ۔ اور سنٹرل ایسوسی ایشن کے نائب صدر ہیں۔ محرم شریف میں سات اور وس تاریخ کو دو دن نہایت شان سے علم نکالتے ہیں۔

۸۔ اپریل کو یتیم خانہ اسلامیہ کلکتہ کا معاہدہ کیا۔ یتیم خانہ اپنے خاص مکان سید صالح لین نمبر ۸ کلکتہ میں ہے۔ سہ منزلہ عمارت ہے۔ اس وقت ھمڑ کے اسمیں ہیں۔ قرآن کریم۔ زبان اردو اور بنگلہ کی تعلیم ہوتی ہے۔ پانچویں جماعت تک انگریزی بھی پڑھائی جاتی ہے۔ کئی لڑکے۔ کالج کلاسز میں تعلیم پا رہے ہیں۔ اور کئی کامیاب ہو کر نکل چکے ہیں۔ صنعت و حرفت کی بھی تعلیم ہوتی ہے۔ کارخانوں سے انتظام ہے۔ خیاطی۔ بوٹ سازی۔ اور خوشنویسی وغیرہ سکھاتے ہیں۔ اس سال لڑکیاں ۸۱ ہیں۔ انکو علیحدہ مکان میں رکھا ہے۔ انتظام محقول ہے۔ مگر بہت عمدہ نہیں۔ یتیم خانہ ہذا ابوالحسن خاں صاحب مرحوم پیر سترچج عدالت خفیہ کلکتہ نے قائم کیا تھا۔ ٹرسٹیوں کی نگرانی میں بہت خوبی سے چل رہا ہے۔ افسوس یہ ہے کہ جگہ کم ہے اسی وجہ سے بہت سی درخواستیں مسترد کر دی جاتی ہے۔

۱۲۔ اپریل۔ اپنے دوست جگت نرائن صاحب کپور سے ملنے کے لئے محلہ

بھوانی پور کو گیا۔ آپ کلکتہ میں ٹرسٹ کا کام کرتے ہیں اور دہلی کے رہنے والے ہیں۔ ان کے مکان کے قریب ہی مگرچی کا وہ مکان ہے جس میں کنگ ایڈورڈ، ششم، نے اعر میں آکر مہمان ہوئے تھے۔ یہ مکان اسی حیثیت پر قائم ہے۔

سیدھے حاجی اعظم غلام حسین نمبر ۱۲۔ امرتلاہ میں کلکتہ میں رہتے ہیں۔ عربی النسل رانڈیر کے باشندے ہیں۔ خیراتی کاموں سے بہت ذوق ہے۔ رانڈیر کی ڈسپنسری آپ ہی نے بنوائی ہے۔

عبدالرزاق صاحب کچھی۔ ایک نہایت خلیق اور دلچسپ آدمی ہیں۔ ڈاکٹر عبدالقدیر الماموں سہروردی پیرسٹرائٹ لائبریری ایشیاٹک سوسائٹی لندن اور آئرلینڈ۔ ایران سے افتخار الملتہ خطاب پایا ہے۔

عربی النسل شریف الاصل ہیں۔ آباؤ کرام دیار عرب سے ہندوستان میں آئے اور پہلے امیر آباد پنجاب میں سکونت پذیر ہوئے۔ آپکے پردادا پیر زادگی کی حیثیت سے بنگالہ میں تشریف لائے۔ ان کا نام سراج الدین تھا۔ انہوں نے موضع بیاس پور ضلع میدانی پور میں اقامت اختیار کی۔

مولوی عبید اللہ العبیدی آپکے والد ڈاکٹر کے عربی مدرسہ کے پرنسپل تھے۔ ڈاکٹر عبداللہ نے وہیں تعلیم پائی ڈاکٹر کالج کے گریجویٹ ہوئے۔ بی۔ اے۔ اور ایم۔ اے۔ کی دونوں ڈگریاں حاصل کیں۔ پھر ولایت گئے۔ وہاں ڈاکٹر آفٹ لا اور پیرسٹری ہوئے۔ یہ زمانہ قیام لندن حالت طالب علمی میں وہاں اسلامک سوسائٹی قائم کی۔ شیخ مشیر حسین صاحب قدوائی اور شیخ عبدالغفار صاحب پیرسٹران اس سوسائٹی کے سرگرم ممبر تھے۔ بقول ڈاکٹر صاحب انہوں نے ہندوستان واپس آکر اس سرزمین کو کسی اسلامی کام کے

آٹھان کے قابل نہیں پایا۔

مختہ اختر بانو شہروردیہ بیگم ڈاکٹر عبداللہ صاحب کی بہن بڑی
ذی علم اور قابل بی بی ہیں۔ اردو عربی۔ اور فارسی کے علاوہ انگریزی تعلیم
سینئر کمپیوٹنگ حاصل کی ہے۔ زیادہ تر خاص اپنے خرچ سے ایک مدرسہ
لنواں قائم کر رکھا ہے۔ اے لڑکیاں اسمیں زیر تعلیم ہیں۔ گورنمنٹ سے
بھی مدرسہ کو امداد ملتی ہے۔ بیگم صاحبہ صنف ہیں۔ ”آئینہ عبرت“ انکی مشہور
تصنیف ہے۔ تہذیب لنواں وغیرہ زمانہ رسائل میں مضامین دیتی
ہیں۔

مسٹر زاہد شہروردی بیرسٹر ڈسٹرکٹ جج انکے شوہر اور چچا کے بیٹے
بھی ہیں۔ دولہ کے ہیں۔ ایک حسن شاہ شہروردی۔ یہ اس وقت روس
میں ہیں۔ اور دوسرے فرزند حسن شہید شہروردی کلکتہ میں بیرسٹر ہیں۔

۱۳۔ اپریل کو سیٹھ عبدالکریم جمال بہادر۔ رنگون۔ کے پاس گیا۔
آپ نہایت اخلاق سے ملے اور وعدہ کیا کہ تمہاری معرفت انجمن ترقی
آر دو کو ایک ہزار روپیہ دونگا۔ چنانچہ چک عطا بھی کر دیا۔ آپ کبھی میمن
ہیں۔ رنگون اور کلکتہ میں وسیع کاروبار ہے۔ سر پانخیراد فیض۔ ہر اسلامی
کام میں کشادہ دلی سے بھاری رقمیں عطا کرتے ہیں اور اسکو اپنا فرض
خیال کرتے ہیں۔ آج کل منجھلے لوہے کی علالت کی وجہ سے کلکتہ آئے ہیں۔

۱۴۔ اپریل۔ شاہ علی حسن صاحب ر دو لی سے رنگون جاتے ہوئے کلکتہ
میں ملے۔ نہایت خوشی ہوئی۔ اسی دن خواجہ محمد یوسفی صاحب رئیس ڈہاکہ
کلکتہ تشریف لائے اور مجھ سے ملنے کے لئے قدم رنجہ فرمایا۔ میں بھی ملاقات
بازدید کرنے انکی قیام گاہ پر گیا۔

۱۵۔ اپریل۔ نواب شجاعت علی خاں صاحب فقیر الممالک کو قسمل مقیم

کلکتہ۔ ایران کے کانسٹبل جنرل تھے۔ مگر اب ایک ایرانی کے آجانے سے صرف کانسٹبل رہ گئے ہیں۔ آپ کے والد کا تعلق نواب مرشد آباد کی سرکار سے تھا۔ آپ نے وہیں تعلیم پائی اور ریاست کے کارپرداز ہو گئے۔ نواب فریدوں جاہ ناظم بنگالہ کے خاندان میں شادی ہوئی۔ اب کلکتہ میں قیام ہے۔ کلکتہ میں آل انڈیا محمدن ایجوکیشنل کانفرنس کے پہلے اجلاس کو آپ ہی نے مدعو کیا تھا۔ محسن فنڈ بنگالہ کے پریزیڈنٹ ہیں۔ شعر و سخن سے خاص مذاق ہے خود بھی شاعر نازک خیال ہیں۔ عارف مخلص فرماتے ہیں۔ قومی کاموں میں کچھ نہ کچھ ضرور لیتے ہیں۔ لیگ اور کانفرنس کے ممبر اور کلکتہ میونسپل بورڈ میں کئی عہدوں پر فائز ہیں۔

انجمن مفید الاسلام کلکتہ نمبر ۱۴۔ آئس فیکٹری لین میں دفتر ہے۔ ۱۹۱۵ء میں قائم ہوئی۔ چھوٹا سا کتب خانہ اسکے ہال میں موجود ہے۔ ایک ابتدائی مدرسہ بھی کھول رکھا ہے۔ آمدنی ماحول ماہوار ہے۔ ماہ رواں سے سیٹھ عبدالکریم جمال تاجر رنگون نے اطفال کے واسطے سو روپیہ ماہوار کا وظیفہ انجمن کو دیا ہے۔ اغراض و مقاصد حسب ذیل ہیں۔

(۱) اسپتالوں میں فوت ہونے والے لاوارث مسلمانوں کی تعمیر و تکفین۔ (۲) کتب خانہ قائم کرنا۔ (۳) مفت دینی تعلیم دینا۔ (۴) دارالافتاء حافظ نذیر احمد صاحب ساکن کلکتہ اسکے سکریٹری اور نواب سید علی چودھری صاحب پریزیڈنٹ ہیں۔ یہ انجمن کلکتہ میں بہت مفید کام کر رہی ہے۔

آرنہیل مولوی فضل حق صاحب ایم۔ اے۔ بی۔ ایل۔ پیڈر۔ پیلہاریا میں پریکٹس کرتے تھے۔ بعد ازاں پریزیڈنسی مجسٹریٹ ہو گئے۔ اپریل ۱۹۱۶ء میں آرنہیل ہوئے۔ مسلم لیگ کے پریزیڈنٹ اور کلکتہ کے آزاد خیال مسلمانوں میں

ہیں سلطنت میں انکسار بہت ہے۔ انگریزی خوب بولتے ہیں اور آپ سکتے
ہائی کورٹ میں پریکٹس فرماتے ہیں۔ مسلمان قانون پیشہ اصحاب میں یہاں آپ
سب پر فائق ہیں۔

نواب سید نصیر حسین خاں صاحب خیال۔ ساکن محلہ حاجی گنج پٹنہ
مورث اعلیٰ بارہ میں رہتے تھے۔ عہد سلطنت مغلیہ میں آپ کے اجداد
پانی پت اور وہاں سے بہ تعلیق ملازمت پٹنہ آئے۔ یہاں قیام کیا۔ زمیندار
حاصل کی۔ خوشحال زمیندار ہیں۔ عربی۔ فارسی۔ اور انگریزی میں بخوبی مہارت
رکھتے ہیں۔ علمی مذاق نہایت اعلیٰ درجہ کا ہے۔ خوش مزاج، یار باش، اور
خلیق آدمی ہیں۔ جدی سلسلہ نسب سے بارہا کے سادات میں اور مذہب مال
کی طرف سے انصاری ہیں۔ پٹنہ میں آنریری مجسٹریٹ اور میونسپل کونسلرہ چکے
ہیں۔ اب پبلک لایف سے کنارہ کش ہو کر علمی مشاغل مطالعہ اور تصنیف
وتالیف میں مصروف ہیں۔ ۱۹۱۶ء میں اردو کانفرنس کے پریزیڈنٹ بھی
ہوئے تھے۔ اس وقت زیادہ تر کلکتہ میں قیام رہتا ہے۔

خان بہادر نواب چودھری سید نواب علی صاحب رئیس دہن باڑی
ضلع مین سنگھ ایسٹرن بنگال۔ آل انڈیا محمدن ایجوکیشنل کانفرنس کے ممبر۔
اسلم لیگ کے نائب صدر۔ اور اس وقت ہندوستان کے تمام سرکاری اور
پبلک کمیٹیوں کے ممبر ہیں۔ مورث اعلیٰ سید عشق اللہ بغداد سے دہلی آئے
انکی اولاد میں سید سلطان نے دہلی سے بنگالہ آکر یہاں توطن اختیار کیا۔ آپ نے
۱۹۱۶ء میں خان بہادر اور ۱۹۱۷ء میں دہلی دربار کے موقع پر نواب کا خطاب
پایا ہے۔

قاضی ظہور الحق صاحب انٹر میڈیٹ ساکن ڈہاکہ۔ پہلے ڈہاکہ مدرسہ میں

عربی اور اسکے بعد ذاتی شوق سے انگریزی پڑھی جی۔ اے۔ جی۔ ایل۔ ہو کر ڈاکٹر بن گئے۔ پانچ سال پریکٹس کی۔ اب عرصہ سے کلکتہ ہائی کورٹ میں انٹر پرائز میں بہت خوب آدمی ہیں۔

۲۴۔ اپریل تا ۲۵۔ مئی ۱۹۱۸ء دعوتوں کے لطف اور سیر و تفریح کے مزے حاصل کرتا رہا۔ خواجہ محمد اعظم صاحب اور حکیم حبیب الرحمن صاحب ڈاکٹر سے بنگالہ مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں شرکت کے لئے آئے تھے۔ قاضی عبدالغفار صاحب اڈیشا اخبار جمہور کلکتہ۔ آئینہ میل فضل حق صاحب اور خان بہادر میرزا شجاعت علی بیگ صاحب نصیر الممالک کے بیان خوب دعوتیں ہوتی رہیں۔ کئی دن بہت پر لطفہ مجمع رہا۔ رات کو مسٹر کلامی سے گپ اڑا کرتی تھی۔ کلکتہ کے قیام میں یہ چند دن یادگار رہیں گے۔ انڈیا میں صاحب کا احسان ہے کہ ان کے بیان نہایت آرام ملا۔ کھانے کا بارشیخ اخلاص احمد صاحب اچھایا۔ ان کے والد ماجد مسلم صاحب تو پورے صوفی مشرب اور پابند مذہب بزرگ ہیں اپنی نظائیں سنا کر محفوظ فرماتے رہتے ہیں۔ محمد رفیع باڑی صاحب سے پر لطف صحبت رہتی ہے۔

۱۱۔ مئی ۱۹۱۸ء۔ سیٹھ احمد حاجی نور محمد زکریا۔ سیٹھ احمد عبداللطیف مسٹر مودود الرحمن پیر سٹر۔ اور قاضی عبدالغفار صاحب اڈیشا جمہور کے ساتھ مالکہ محمد ن ایجوکیشنل کانفرنس کی شرکت کے لئے مالکہ جانا ہوا۔ ڈاکٹر بنگلہ میں قیام رہا۔ سیٹھ احمد حاجی نور محمد زکریا صاحب اس کانفرنس کے صدر تھے۔ بنگالہ میں اردو کو ترقی دینے کے رزولوشن پر میری بھی تقریر ہوئی۔ رات کو لوگوں نے پھر مجھ سے باصرہ کچھ کہلایا۔

مالکہ سے ۱۲ میل کے فاصلہ پر بنگالہ کا قدیم دارالسلطنت لکھنؤ جوف

گوٹرو اور مقام پانڈوا واقع ہے۔ یہاں آکر مجھے اسکے دیکھنے کا شوق دامنگیر ہوا۔ قاضی عبدالغفار صاحب اور سیٹھ احمد عبداللطیف صاحب تو کانفرنس کے جلسوں سے فارغ ہو کر کلکتہ واپس چلے گئے۔ مگر میں مسٹر احمد جاجی نور محمد زکریا اور مسٹر مودود الرحمن بیرسٹر کے ساتھ ہاتھی کی سواری پر لکھنؤ کی گیا۔ والدہ سے وہاں تک عمدہ سڑک بنی ہے۔ ۱۰ بجے دن کو گوٹرو پہنچ گیا۔ ۸ میل کے دور میں تمام مسلمانوں کے آثار قدیمہ پھیلے ہوئے ہیں۔ اور اب انکی نگہداشت کا انتظام ڈسٹرکٹ بورڈ نے لے لیا ہے۔ ہم لوگوں نے آثار کا معائنہ سونا مسجد سے شروع کیا۔ یہ مسجد بہت شکستہ حالت میں ہے۔ کتبہ پڑھا نہیں جاسکا۔ اسکے بعد محل مسجد کو دیکھا۔ مشہور یہ ہے کہ اس مسجد کو کسی طوائف نے بنوایا تھا۔ مگر "یا ضلّٰلہ" کا موقف کہتا ہے کہ یہ سلطان یوسف خاں کی تعمیر کردہ ہے اور شاہ جہاں جی بنی ہے۔ اینٹوں کی عمارت ہے اور اینٹوں کے روکار چینی کا نقش کام ہے۔ چینی کا رنگ زیادہ تڑاؤ گیا ہے۔ لیکن جہاں کہیں کچھ باقی ہے وہ اپنی آب و تاب سے بہترین رنگ ہونے کا ثبوت پیش کرتا ہے۔ پہلا گنبد مع چہرے کے نو عدد دروازوں پر قائم ہے۔ اور دوسرے درجہ میں تین چھوٹے گنبد پانچ دروں پر بنے ہیں۔ عمارت کا اندرونی حصہ اگرچہ شکستہ ہے لیکن ابھی قائم ہے۔ اور شکستہ بھی مسقور نہیں جتنا کہ صحن۔ کیونکہ صحن کے تو آثار مٹ چکے ہیں۔ منارے سب گر گئے ہیں اسکے بعد قاضی باڑی کی مسجد دیکھی۔ یہ قاضی عمر کی تعمیر کردہ ہے۔ قاضی عمر اور انکے بھائی ذوق قرین کے سنگی مزارات مسجد کے صحن میں بنے ہیں۔ قبروں کے نعوذ پر آیت الکرسی لکھی ہے۔ کتبہ نہایت مشکل سے پڑھا گیا۔ یہ بھی چھوٹی مٹی اینٹوں کی عمارت ہے۔ اور خدا جانے کس مصالحہ سے اینٹیں باہم پیوست کی گئی ہیں کہ ایک سے دوسری اینٹ کا جدا کرنا مشکل ہے۔ اینٹوں ہی سے نقاشی اور تزینت کار کا

کی ہے اور اتنی دلفریب کہ اسکو دیکھنے سے طبیعت آسودہ نہیں ہوتی تاریخ تعمیر
۳۵۰ ہجری ہے۔ چار ستون پتھر کے ہیں۔ گیارہ درہیں پشت اور محل کی پوری
دیواین قائم ہیں۔ چھت گر گئی ہے۔ اتنی عمارت کے علاوہ باقی سب حصہ
منہدم ہو گیا ہے۔

دروازہ لوکا چوری۔ قلعہ میں داخلہ کا دروازہ تھا۔ اسکے اوپر بھول بھلیاں بنی تھیں
اس دروازہ کا صرف ایک حصہ سلامت ہے۔ سنہ تعمیر کا پتہ نہیں چلا۔ اسی دروازہ
کے ساتھ قدم رسول صلعم کی عمارت ہے۔ اور قدم رسول صلعم کے احاطہ میں فتح علی
کا مزار ہے۔ سلطان نصرت شاہ ابن حسین شاہ نے قدم رسول صلعم کا قبہ بنوایا تھا۔
سنہ تعمیر ۹۳۷ ہجری ہے۔ اس قبہ کے متعلق عمارت کا ایک بڑا سلسلہ تھا۔ حفاظ
اور علماء کے کمرے تھے طلبہ کا دارالاقامہ تھا۔ مگر اس وقت تمام عمارت کی صرف
دیواریں مکھڑی ہیں اور چھت گر کر نابود ہو گئی ہے۔ قبہ قدم رسول صلعم کی عمارت
اینٹوں کی بنی ہے اور اسکی چھت اب تک قائم ہے۔

چھتیکا مسجد۔ ایک ہی گنبد کی مسجد ہے۔ اندر کا حصہ بالکل قائم ہے
۴ درہیں۔ منار گر گئے۔ صحن نابود ہو گیا۔ اینٹوں کی عمارت ہے۔

۵ اثر قدم رسول صلعم۔ سونا مسجد۔ اور بعض بزرگوں کے مزارات سلطان حسین
و نصرت شاہ کے بنوائے ہوئے ہیں۔ یہ دونوں باپ بیٹے خود مختار بادشاہان
بنگال ہیں نہایت شان و شکوہ کے حکمران گذرے ہیں۔

فیروز منار۔ فیروز شاہ کا بنوایا ہوا۔ اب تک اچھی حالت میں ہے۔ تاریخ تعمیر
معلوم نہیں ہو سکی۔ اسکے قریب ہی ایک سنگی بارہ دری ہے۔ قرینہ کتنا ہے کہ وہ مسجد
رہی ہوگی۔ اب تو بارہ دری کے نام سے مشہور ہے۔ راج شاہی کے خاکی رنگ
پتھر کی عمارت ہے۔ دو حصے اندر کے اب تک سلامت ہیں۔ باقی چھت اور دیواریں

احاطہ۔ اور حجے وغیرہ سب منہدم اور معدوم ہو چکے ہیں۔

یہ سب دیکھ کر ۱۲ بجے ہم ڈاک بنگلہ میں واپس آئے۔ دوپہر کا کھانا کھا کر کچہ آرام کیا۔ نماز پڑھی۔ نماز کے بعد میں پھر جنگل میں نکل گیا۔ ہزاروں قبریں کس مہر سی کی حالت میں نظر آئیں۔ کسی پر دوا شک حسرت ٹپکائے اور کہیں فاتحہ خوانی کی۔ مسلمانوں کے عہد عروج کے ماتم دار چمکا دڑیاں ہر طرف مرثیہ خوانی کر رہے ہیں۔ کوسوں کے فاصلہ تک مسلمانوں کی بہترین یادگاروں کا پتہ ملتا ہے۔ اس رقبہ میں قبیلے۔ تالاب۔ منہدم خندقیں۔ غرضیکہ ہر چیز ہے لیکن بننے والے کا پتہ نہیں چلتا۔ کوئی کتبہ نہیں ملتا۔ اور نہ کسی سے دریافت کرنے کی کوئی صورت ہے۔ کیونکہ نتوٹی صاحبان یہاں سے ایک میل کے فاصلہ پر رہتے ہیں اور ویرانہ سے باہر اپنی بستی بسائی ہے۔

شام کو ہم لوگ مالدہ واپس آ گئے۔ سیٹھ صاحب اور بیرسٹر صاحب اُس وقت کی ٹرین سے کلکتہ چلے گئے۔ جھکو پانڈوہ کی سیر کا شوق تھا۔ اس لئے مالدہ میں ٹھہر گیا۔ رات ڈاک بنگلہ میں کاٹی۔ صبح ہوتے ہی احمد عبدالغلام صاحب سب جڑ بٹار لے کر بلوا جیجا ضلع رنگ پور کے رہنے والے علی گڑھ کے گریجویٹ ہیں۔ بہت اچھے آدمی ہیں۔ انکے ہاں آرام سے فروکش ہوا۔

شام کو چار بجے قدیم مالدہ کی سیر کرنے گیا۔ اس وقت ویران اور سنام بستی ہے۔ مسلمانوں کی یادگار ایک جامع مسجد ہے۔ اسکی بھی عمارت کچھ بچی نہیں۔ اب آبادی تمام نیو مالدہ میں ہے۔ جھکو انگریزی بازار کہتے ہیں۔ کچھریاں۔ دفاتر۔ دکیلوں کے مکان۔ تاجروں کی دکانیں سب اسی آبادی میں ہیں۔ مصنف ریاض السلاطین یہیں کے رہنے والے تھے۔ انکے مزار پر فاتحہ پڑھنے گیا۔ چونکہ ایک مورخ تھے اس لئے ہندو اصحاب نے اس کے

مزار کی قدر کی ہے اور ایک کتبہ سپر لگا دیا ہے۔ انگریزی بازار میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی ریشم کی کوٹھی اور اُسکا کارخانہ تھا۔ ریشم کا کار بار اس ضلع میں اب بھی بہت ہوتا ہے۔ قدیم کمپنی کے کارخانہ کی عمارت آجکل مجسٹریٹ ضلع کی عدالت اور اسکے دفاتر کے کام میں آرہی ہے۔ رات کو بہت سے اصحاب نے بھیر کر م فرمایا اور اپنی تشریف آوری سے میری عزت بڑھائی۔ آرنجملہ خاں صاحب عابد علی خاں سب ڈویژنل آفیسر۔ پی۔ ڈبلو۔ ڈی۔ یوسف زئی پٹھان۔ سنایت علم دوست اور ذی علم آدمی ہیں۔ کئی کتابیں تصنیف کی ہیں۔ انگریزی میں رسالہ نماز۔ اور ایک در کتاب لکھی ہے۔ اردو میں پرائمر تالیف فرمائی ہے۔ اس ضلع کے مسلمان زیادہ تر خطہ ہمار کی ہندی زبان بولتے ہیں۔ اُن کی عام حالت اچھی نہیں تعلیم اور کسب کے ذرائع کم ہیں۔ افلاس و بے کاری میں مبتلا ہیں۔

احمد عبدالظاہر صاحب رجسٹرار۔ ہنگلی کے رہنے والے۔ ذی علم اور علم دوست آدمی ہیں۔ خلق و مروّت انکی شہرست میں ہے۔ عبدالغنی صاحب مختار۔ مالدار مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے سکریٹری۔ محنتی اور کام کرنے والے آدمی ہیں۔ آپ مالدار کے مسلمانوں میں علم کا چرچا پھیلانے کی سعی فرما رہے ہیں۔

یہاں ایک اسلامی مدرسہ بھی ہے۔ اسکے سکریٹری چودہری محمد اسحاق صاحب مختار ہیں۔ مدرسہ کمیٹی کا صدر کلکٹر ہوتا ہے۔ نائب صدر خاں صاحب مولوی عبدالغنی پلیڈر ہیں۔ اور خاں صاحب مولوی قادر بخش پلیڈر بھی۔ یہی معدودے چند صاحب مسلمان اچھی حالت میں ہیں اور اپنی پستی میں پڑے ہوئے بھائیوں کو اٹھانے اور انکی حالت بہتر بنانے میں کوشاں خدا انکی سعی مشکور فرمائے۔ آمین۔

مولوی محمود علی صاحب نے ناشتہ اور سواری کے لئے ییل گاڑی کا انتظام فرمایا۔

اور میں اکیسے شب کو پانڈوا کی طرف رہ سپار ہوا۔ ٹھیک ۶ بجے صبح کو آدینہ کے ڈاکٹر
 میں آگیا تھا۔ نماز فجر اور حواج سے فراغت کر کے جامع مسجد آدینہ کو دیکھنے گیا۔ کیا لکھوں
 کہ اس عمارت کو دیکھ کر میری کیا حالت ہوئی۔ دل ٹرپ اٹھا۔ آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔
 عمارت کے اناراسکی وسعت و فسحت کا پتا دیتے ہیں۔ اُن سے پتہ چلتا ہے کہ
 اس مسجد کے چاروں جانب ہر سمت ۶۳ درختے جنہیں سے ہر ایک در کی چوڑائی
 آٹھ ہاتھ ہے۔ اس وقت صرف دو درجوں کے اٹھارہ در مع چھت کے قائم ہیں۔
 اور باقی تمام حصہ مع ملحقہ عمارتوں کے منہدم اور پیوند خاک ہو چکا ہے۔ اگر پوری مسجد
 میں نماز ہوئی تو اندازہ یہ ہے کہ پچاس ہزار آدمی سیک وقت اس کے اندر سما سکتے۔
 مسجد میں داخلہ کا دروازہ اپنی ساخت سے عیاں کرتا ہے کہ مندر سے مسجد بنی ہے۔ اور
 یہ فحوائے بہین کرامت بتخانہ مراے شیخ ۶ کہ گڑب گڑ، خانہ خدا گرو۔ تونکی
 پرست گاہ اب خدائے واحد کا معبد ہے۔ مسجد کے پیلپائے سنگ موسیٰ کے ہیں۔
 اور طرز عمارت قدیم ہندوانہ۔ مسجد کی محراب میں سورۃ الفجر اور آیۃ الکرسی
 منبت کاری کے ساتھ لکھی ہے۔ کتبہ بہت ڈھونڈا۔ مگر نہ ملی سکا۔ اور پشت پر ایک
 کتبہ ملا بھی تو اتنی بلندی پر کہ پڑھانیں جاسکا۔ مسجد کی دیواریں ہنوز قائم ہیں۔ ستون
 سنگ موسیٰ کے ہیں اور باقی نصف چھوٹی پختہ اینٹوں کے جنہر منبت گل کاری تینا
 خوبی سے کی ہے اور دیکھنے میں یہ عمارت قریب ترین زمانہ کی تعمیر معلوم ہوتی ہے۔ عمارت
 کی عام حالت نہایت خراب ہے۔ گورنمنٹ کی طرف سے محض ایک چوکیدار اسکی
 نگہ رانی پر مامور ہے۔ خدا ہی جانتا ہے کہ اس مقام میں مسلمانوں کی کتنی آبادی رہی ہوگی
 جنکے لئے یہ مسجد بنوائی گئی۔ تاکہ وہ اسیں سما سکیں۔ مجھے اس قدر عبرت طاری ہوئی کہ
 دو گھنٹہ تک ہر در و دیوار کو دیکھ کر روتا رہا۔ مسجد کو دیکھ کر۔ ڈاک بنگلہ میں واپس
 آیا۔ ناشتہ کھا یا۔ اور بعد لکھی گنبد کو دیکھنے گیا۔ جو ڈاک بنگلہ سے دو فرلانگ پر

واقع ہے۔ یہ بھی اینٹوں کی عمارت ہے۔ اور اسمیں راجہ جید و سنگہ اور اسکے دو بیٹوں کی قبریں ہیں۔ چود سنگہ راجہ کنس کا فرزند تھا۔ اور حضرت شاہ جلال تبریزیؒ کے ہاتھوں شرف باسلام ہو گیا تھا۔ اسکا اسلامی نام جلال الدین رکھا گیا۔ اور اس راجہ نے آٹھ دس سال نہایت دبدبہ کے ساتھ فرمانروائی کی۔ گنبد کے منار گر گئے ہیں۔ اندر کا حصہ بالکل قائم ہے۔ یہ گنبد دیکھ کر آگے چلا۔ حضرت مخدوم علاء الحق لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر پہنچا۔ مخدوم صاحب کے بیٹے احمد نور قطب عالم کا مزار بھی والد بزرگوار کے پاس ہے۔ قبر کھلی ہوئی ہے۔ یعنی آسیر حیرت نہیں۔ صرف پختہ چبوترہ بنا ہے۔ چلہ کے مقام پر گنبد بنا ہے۔ قبرستان بہت بڑا ہے۔ مسجد۔ نقارخانہ۔ تالاب۔ کچہری۔ مہاں سرا۔ عمارتیں اسکے ساتھ بنی ہیں۔ مسجد بالکل گر گئی ہے۔ مزار کو مژبہ بنا رکھا ہے۔ صفائی بالکل نہیں۔ شکست و ریخت کی تعمیر و مرمت کہاں سے ہو۔ جنگل اگتا اور بڑھتا چلا آتا ہے۔ مسجد صاحب کو کچھ فکر نہ پر دے۔ سال میں دو ایک مرتبہ بھی مقبرہ پر نہ آتے ہونگے۔ چھ ہزار روپیہ سالانہ کی معافی مدد و معاش کے لئے ہے۔ کچہری ہے۔ ملازمین ہیں۔ نام کے دس خادم بھی ہیں۔ دو ہزار روپیہ سالانہ سے کم چڑھاوانہ آتا ہوگا۔ مگر مزار کی یہ گت ہے۔ آخر معافی کس مد میں خرچ ہوتی ہے۔ بس اسی پر کہ دو چار ملنگ فقیر روزانہ مال چاول پا جائے اور یہاں پڑے رہتے ہیں۔ انھیں کھانے میں اتنا روپیہ خرچ ہو جاتا ہے کہ کچھ نشین محبی المرحمن صاحب موضع رول۔ ضلع بانگلور میں۔ رہتے ہیں۔ برس ۲۳ سے ۲۷۔ جب تک رہتا ہے۔ اور صاحبزادہ کا عرس شعبان میں ہوتا ہے۔

ایک اور چلہ حضرت شاہ جلال تبریزیؒ کا ہے۔ اسکے متعلق بائیس ہزار روپیہ سالانہ کی معافی ہے۔ اور یہاں کی حالت اور ابتر ہے۔ حال ہی میں متولی کو کسی نے مار ڈالا۔ اور جدید متولی کے تقرر کا مسئلہ حاکم ضلع کے یہاں پیش ہے۔ وراثت کے

قاعدہ سے تولیت ہوتی ہے۔ نئے متولی شائد کچھ انتظام کریں۔ اس جگہ میں بھی مسجد۔ مہماں سرا۔ اور علما و فضلا کے مکانات بنے ہیں۔ مسجد شاہ نعمت اللہ صاحب کی بنوائی ہوئی ہے۔ اس جگہ کا داروغہ نہایت خلیق آدمی ہے۔ معلوم ہوا کہ مہانداری کے مصارف کے لئے اُسکو متولی کی طرف سے فقط ۵۵ روپیے ماہوار ملتے ہیں۔ اور اسی میں روشنی۔ صفائی۔ اور دار و مدار کا کھانا سب کچھ ہے۔ چار پانچ ملنگ ہمیشہ یہاں پڑے رہتے ہیں۔ تاہم یہ بے چارہ بچہ پلاٹا جاتا ہے۔ ہاں صفائی کا انتظام نہیں کر سکتا۔ اس جگہ آبادی معقول ہے۔

دوپہر کا کمانا لکھا کر درگچہ آرام کر کے نماز ظہر سے فارغ ہوا۔ اور آدینہ ریلوے اسٹیشن کو چلا جو کہ یہاں سے دو کوس پر ہے۔ چھ بجے ٹرین ملگئی آسیر کلکتہ روانہ ہوا۔

۱۷۔ اپریل۔ اب کلکتہ میں کام نہیں چلتا۔ فضول دوا دوش سے تھک کر کبیدہ ہو جاتا ہوں۔ تو اخلاص احمد صاحب۔ انوار احمد صاحب۔ فضل الہی صاحب۔ محمد امین صاحب۔ اور اشفاق اللہ صاحب کی ہم نشینی سے دل بہل جاتا ہے۔ کسی دن محمد رفیع باڑی کے یہاں چلا جاتا ہوں۔ خیال ہے کہ دراجنگ جاؤں۔ سفر کا سامان کر رہا ہوں۔ کلکتہ میں تین ماہ ہو گئے۔ خوب کام کیا۔ میر کی۔ ایتل آسودہ ہو گیا ہے۔

۵۔ جون ۱۹۱۸ء۔ آج تین ماہ کے بعد کلکتہ سے آب و دانہ اٹھتا اور ۵ بجے شام کی ٹرین سے جو دراجنگ میل کھاتی ہے دراجنگ کو روانہ ہوتا ہوں۔

۶۔ جون۔ ۸ بجے صبح۔ سلی گوڑی پہنچا۔ اور ۹ بجے میٹر گج ٹرین پر سوار ہو کر بلندی کوہ کا مسافر بنا۔ سطح زمین سے سات ہزار فٹ کی بلندی پر چڑھ رہا ہوں۔ آسمان پر ابر کے لٹے لٹکے ہلکی ہلکی پھوہار برساتے ہیں۔ پہاڑی جنگل کا دلکش منظر ہے۔ جا بجا چائے کے باغات، سر کے خوشکا درختوں کی قطاریں۔ کوہی آبشاروں کی

چاڑیں۔ ٹرین کی رفتار کے ساتھ ان مناظرہ کا بدلنا۔ نگاہ کو طلسم کا دھوکا دے رہا ہے۔ دو بجے دن کو دارجلنگ اسٹیشن پہنچا۔ وہاں مولوی ولی الحسن صاحب استقبالیہ کے لئے موجود ملے۔ چوتھا چاک تھیت و سلام کے بعد ان کے ساتھ انجمن اسلامیہ دارجلنگ کے مکان میں آیا۔ مولانا عینی نے براہ کرم میرے ٹھہرنے کا معقول انتظام کیا تھا۔ مسافر خانہ کا ایک پورا کمرہ مع جملہ سامان آسائش کے لے رکھا تھا۔ وہیں فروکش ہوا۔ سامنے دلکش منظر تھا۔ یاراں انیس ہم جلیس ہوتے ہیں۔ وقت نہایت لطف سے گزر رہا ہے۔ مولانا عینی اور آنکے بہائی مولوی ولی الحسن صاحب اسقدر توجہ و اہتمام مرحمی رکھتے ہیں کہ نہایت آرام مل رہا ہے۔ اور صوم ٹبرے اطمینان سے رکھ رہا ہوں۔ ایک پہاڑی عورت اوپر کا کام کاج کرنے کے لئے نوکر رکھائی ہے۔ اس سے گھر والوں کا ہاتھ بٹ جاتا ہے۔

دارجلنگ میں کوئی قدیم تاریخی عمارت نہیں ہے۔ صرف ایک مہاکال کی پہاڑی مہندوں کا متبرک مقام ہے۔ اسپر مہاکال کی مورت رکھی ہے۔ علوم روایت کرتے ہیں کہ مہاکال کو حاتم طائی نے قتل کیا تھا۔ پہاڑی کے نزدیک ہی ایک بہت طویل غار ہے۔ عام لوگ کہتے ہیں کہ یہ غار نیپال تک چلا گیا ہے۔ میں ایک ہزار فٹ تک غار کی گہرائی میں آترا۔ راستہ صاف ہے۔ ہاں غار کی دیواروں اور چہرے سے پانی اسقدر ٹپکتا رہتا ہے کہ میرے تمام کپڑے بھیگ گئے۔

انجمن اسلامیہ دارجلنگ ۱۹۰۹ء میں قائم ہوئی۔ ڈائریکٹری ڈاکٹر عبدالعزیز صاحب جالندہری (پنجاب) اس کے بانی ہیں۔ ڈاکٹر صاحب میاں تشریف لائے تو انہیں اس بات کا خاص اثر ہوا کہ دارجلنگ میں مسلمان مسافروں کے لئے کوئی قیام کی جگہ نہیں تھی۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ خیال انہیں اسقدر حاوی ہوا کہ انہوں نے مسافر خانہ اسلامیہ کی بنیاد ڈال دی۔ سید محمد مصطفیٰ صاحب

بھاگلپوری۔ ماسٹر محمد صدیق صاحب کشمیری۔ خواجہ عبدالصمد صاحب کشمیری اور حکیم احمد جان دہلوی (مرحوم) اس کا زخیر میں معاون ہوئے اور کام پورا ہو گیا۔ اب اس وقت جبکہ میں دیکھ رہا ہوں مسافر خانہ کی عمارت مکمل اور جامع مسجد نہایت عمدہ بن گئی ہے۔ مسافروں کو یہاں نہایت آرام ملتا ہے۔ اور غریب کو تین دن کھانا بھی یہیں سے دیا جاتا ہے۔ اب تک ان عمارتوں پر مبلغ ۷۵۰۰۰ روپے خرچ ہو چکا ہے۔ لارڈ رائلڈ شے اور لارڈ کارماٹیکل گورنر ان بنگال۔ انجمن کا معائنہ کر چکے ہیں۔ انجمن کے ماتحت دو ابتدائی مدرسے ایک زمانہ اور دوسرا بچوں کا جاری ہے۔ زیادہ تر اعانت قالین اور چمڑے کے کشمیری تاجران فرماتے ہیں۔ بنگالی مسلمان جو انجمن کے اراکین تھے اختلاف و نقیض ڈال کر کام کے درپے تخریب ہوئے۔ اس لئے انکو خارج کرنا پڑا۔ اسکے بعد انجمن بہت اعلیٰ درجہ کا کام کر رہی ہے۔ اور ساڑھے دو روپہ ماہوار کا مستقل خرچ ہوتا ہے۔ مسجد کے امام صاحب۔ موزن۔ اور مدرسین کی تنخواہیں وار د و صادر کی قیامت طعام اور آٹکی آسائش و قیام کا انتظام کرنے کے مصارف سب اسی میں شامل ہیں۔ حافظ وزیر محمد صاحب اور شیخ نواب صاحب بہت کچھ مالی اعانت کرتے رہتے ہیں جزا ہم اللہ۔ سیٹھ عبداللہ کریم جمال نے اشاعت اسلام کی مد میں سو روپیہ ہوار عطا کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔ کیونکہ اس علاقہ کی پہاڑی قومین اسلام کی طرف بہت راغب ہیں۔ صرف ایک منعقد تبلیغی مشن کی ضرورت ہے۔

اس انجمن کے جان ڈاکٹر عبدالعزیز صاحب ہیں۔ اور وہ بھی اشاعت اسلام کے بہت دل دادہ ہیں۔ لیکن کہیں کیا کہ کوئی اچھا کام کرنے والا اور فرض شناس عالم نہیں دستیاب ہوتا۔ یہ انجمن سب سے بہتر اور بے مثل

کام یہ کر رہی ہے کہ مسلمانوں کے تمام مقدمات خواہ دیوانی کے ہوں یا فوجداری وغیرہ کے۔ سب اسی انجمن کے ذریعہ سے طے ہوتے ہیں۔ بارک اللہ۔

ایک ماہ دس یوم دارجلنگ میں آرام تمام رکھ کر ماہ شوال کی تیسری تاریخ کو واپس روانہ ہوا۔ مولوی عینی صاحب اور حافظ وزیر محمد صاحب رفیق سفر ہوئے اور ایک سو کے قریب مسلمانان دارجلنگ کمال لطف و عنایت سے اسٹیشن تک رخصت کرنے آئے۔ انجمن سے شاہ عبدالرزاق صاحب مرشد آبادی مگوم اسٹیشن تک ساتھ رہے۔ آپ نہایت آزاد و رویش ہیں اور تجدد اہل دل۔ مجھے آپ سے خاص لگاؤ ہو گیا تھا۔ سلی گورنری تک سب ساتھ رہے۔ اسکے بعد مولانا عینی چاٹگاؤں کو۔ اور حافظ وزیر محمد صاحب کلکتہ کو گئے۔ اور میں پارٹی پور کی طرف روانہ ہوا۔ پارٹی پور سے کٹھیار۔ مقام گھاٹ۔ مغلسرائے۔ الہ آباد۔ کٹنی۔ اور بینا کے راستہ سے بھلسہ آیا۔ ۱۹ جولائی ۱۹۱۸ء کو ردولی سے ترک سکونت کر کے میری بیوی اور بچیاں بھی بھلسہ میں آگئی تھیں۔ اب یہاں برادران عزیز عبدالرفیق اور محمد ابوالیوب سلمہ اللہ کے ساتھ ہوں اور راحت و آرام سے رہتا ہوں۔ دو سالانہ رخصت ہے۔ ۲۰ جولائی سے ۲۵ ستمبر ۱۹۱۸ء تک بھلسہ میں قیام ہوا۔ اس عرصہ میں صرف دو مرتبہ بھوپال جانا ہوا۔ اور کمین نہ جاسکا۔

دورہ بہار

۲۹ ستمبر ۱۹۱۸ء کو بھلسہ سے روانہ ہو کر۔ انارسی۔ جیلپور۔ الہ آباد کے راستہ سے گیا پٹنچا۔ سفر میں زکام ہو گیا تھا اور سخت تکلیف تھی۔ گیا میں آ کر سید ہا مولانا خیر الدین صاحب کے یہاں چلا گیا۔ حکیم شمس الحسن صاحب کے ملاقات ہوئی۔ اور طبیعت کو سکون حاصل ہونے پر۔ ۳۰ اکتوبر کو بانکی پور میں

حافظ محب الحق صاحب کے یہاں پہنچا اور وہیں قیام کیا۔ حافظ صاحب بہ کمالی لطفت و محبت مہماں نوازی فرما رہے ہیں۔ روزانہ کوشش کے لئے میرے رہتے ہیں۔ مسٹر محمود بیرسٹر سے سابقہ شناسائی تھی۔ ان کے ہاں گیا تو فوراً ممبر ہو گئے۔ میں نے مسٹر مظہر الحق صاحب سے ملا دینے کی درخواست کی۔ شام کو وہاں پہنچ کر مجھے ملے۔ مگر مسٹر مظہر الحق صاحب گھر پر نہ تھے۔ ۸ بجے رات تک انتظار کیا۔ اسکے بعد واپس ہوئے۔ مسٹر مظہر الحق صاحب کے مکان سے متصل مسٹر سید حسین بیرسٹر رہتے ہیں۔ آپ حافظ احمد رضا خاں صاحب مخاطب بہ نواب سکندر جنگ عہدہ دار سرکار نظام دہم ملکہ کے نواسے ہیں۔ آپ سے بھی ممبر بننے کی درخواست کی گئی جسکو بخوشی منظور فرمایا۔

سید نور الدین صاحب بیرسٹر پنشنر ڈسٹرکٹ جج سے ملا۔ آپ پنشن کے رئیس ہیں۔ سن ۱۸۸۷ء میں بیرسٹر اور کیمبرج سے بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی۔ ہوئے۔ پانچ سال پریکٹس کر کے ڈسٹرکٹ ججی پر مامور ہوئے۔ اب پنشن پاتے ہیں۔ خود اپنی کمائی سے محفل جانداد پیدا کی ہے۔ اولاد کوئی نہیں۔ ایک مدرسہ قدیم عربی تعلیم کا درس نظامیہ کے مطابق قائم کیا ہے۔ مدرسہ اور دارالافتاء کی عمارتیں بن گئی ہیں۔ مسجد بننے والی ہے۔ دوسو کے قریب طلبہ مدرسہ میں پڑھتے ہیں۔ چالیس بورڈر ہیں۔ باقی ڈسٹرکٹ اسکالرز۔ بورڈروں کو کھانا دارالافتاء سے ملتا ہے۔ مدرسہ گیارہ ہیں۔ حساب بھی سکھایا جاتا ہے۔ ماہانہ ۲۵ روپیہ ماہوار تنخواہ ملتا ہے اور اکیسواٹھ روپیہ ماہانہ بورڈروں کا خرچ ہے۔ مصارف مدرسہ کے لئے پندرہ روپیہ سالانہ آمدنی کی جانداد وقف کر دی ہے۔ سید صحیح النسب بغدادی الاصل ہیں۔ آپ کے جد اعلیٰ شہنشاہ عالمگیر کے وقت میں وارد ہندوستان ہوئے تھے۔ مولوی شرف الدین صاحب دہرچوم ممبر کونسل صوبہ بہار نے روس سے

ضلع گیا کے نام کے خطوط لکھ دئے ہیں۔ گارجنگ یورپ کی وجہ سے ملک میں بڑی پریشانی پھیلی ہے۔ کام کی رفتار بہت کم ہے۔ کوشش کر رہا ہوں۔

۱۳۔ اکتوبر ۱۹۱۸ء بانگی پور سے ٹرین پر سوار ہوا کہ ایک بجے دن کو اسٹیشن ترکنا پڑا تو گیا۔ ڈاکٹر سید محمد یحییٰ صاحب سب اسٹنٹ مرجن سے ملا۔ آپ خاص لطف کے ساتھ ترقی کر دے کے ممبر ہوئے۔

مسوٹرھی۔ پٹنہ سے گیا جانے وقت دوسرا ریلوے اسٹیشن۔ اور غازی

بڑی منڈی ہے۔ اس اسٹیشن سے مسلمان زمینداروں کے متعدد مواعضعات نمود

پڑتے ہیں۔ میں وہاں پہنچا۔ مسوٹرھی میں مسلمان آبادی بہت کم اور متفرق تھی۔

تین سال گزرے کہ ایک مسلمان سب انسپکٹر پولیس رحمت خاں صاحب نے

اسٹیشن کے قریب چندہ سے مختصر سی خوبصورت مسجد بنوا کر اسکے اطراف میں نوربان

مسلمانوں کو آباد کر دیا ہے۔ یہ آبادی رحمت گنج کے نام سے موسوم ہے۔ اور نوربان

بھائی مسجد کے نگراں ہیں۔ مسلمان سافر کو ایک آرام کا ٹھکانا تو مل جاتا ہے کیونکہ

یہاں سرائے کوئی نہیں۔ ہمارا راستہ سیلاب کی وجہ سے بید خراب ہو گیا ہے۔ یکے

نہیں جاسکتا۔ فنس کے انتظار میں رات کو مختصر ناپڑا۔ مولوی سید محمد یحییٰ صاحب

سب اسٹنٹ مرجن نے بکمال عنایت اپنے یہاں جگہ دی۔ ۱۴۔ اکتوبر کرایہ کی

ٹمٹم پر مسوٹرھی سے روانہ ہوا۔ خان بہادر سید ظہیر الدین صاحب وائس چیرمین

پٹنہ ڈسٹرکٹ بورڈ ہم سفر تھے۔ آپ بڑے معلومات کے آدمی ہیں۔ سیلاب کی وجہ

سے راستہ خراب تھا۔ جا بجا سڑک بہ گئی تھی۔ قریب پانچ میل کے پیادہ چلنا پڑا۔

خدا خدا کر کے تھول پہنچا۔ یہ عرفی نام ہے۔ اس جگہ کا اصل نام جگ بی بی حنیفہ اور چک

بی بی کمال ہے۔ یہاں کے معزز خاندان کے سرکردہ مولوی شیخ خلیل الرحمن صاحب ہیں۔

آب الفصاری اور حضرت ابوالدرداءؓ کی اولاد میں ہیں۔ اسی بستی میں یہ خاندان ڈیرہ

سال سے رہتا ہے۔ ہندوستان میں ان کے اجداد کی آمد کا زمانہ خاندانِ غلطیہ کا چہرہ ہے۔
یہ خاندان ہمیشہ مسلمان سلاطین ہند کے درباروں میں ممتاز و نمبر رہا۔ مولوی خلیل الرحمن
صاحب کے دادا مولوی عبدالقادر صاحب مرحوم کیل کلکتہ ہائی کورٹ تھے اور آپ لایت
میں امتحان سول سروس کی تیاری کر رہے تھے کہ چار سال کے بعد موتِ اعلیٰ کی وفات نے تکمیلِ تعلیم سے
روک دیا۔ اور آپ کو وطن واپس آنا پڑا۔ گھر پر آئے تو ریاست کے انتظام نے
پابند کر لیا آدمی نہایت خوش انتظام ہیں۔ خاندان کے دو رکن مولوی خلیل الرحمن صاحب
و مولوی محمد سعید احمد صاحب ہیں۔ تنبیہ کے رکن سید منظر علی صاحب اس گھر کے
نواسہ اور مادری ترکہ کے وارث ہیں۔ ان کا اصل خاندان موضع فرید پور میں
رہتا تھا۔ اب نانہال ہی کے ہو گئے۔ جائداد کی آمدنی دس ہزار روپیہ سالانہ ہے۔
مولوی شیخ بشیر احمد صاحب بھی مولوی خلیل الرحمن صاحب کے رشتہ دار اور دو فرزند
روپیہ سالانہ آمدنی کے زمیندار ہیں۔ مولوی خلیل الرحمن صاحب کے دادا صاحب
نے ڈہائی ہزار روپیہ سالانہ آمدنی کی جائداد مصارفِ خیر کے لئے وقف کی تھی۔
یہ اسکے متولی ہیں۔ اب ضعیف ہو گئے ہیں۔ دو صاحبزادے آپ کے ہیں،
سید حبیب الحسن صاحب بھی اسی بستی میں رہتے ہیں۔

ننوال کے جوار میں اونٹ پور پور ایک گاؤں ہے۔ اس میں حضرت سید
حیدر شہدی شہید کا مزار ہے انکی اولاد وہاں رہتی ہے اور اپنی آپکوستی کہتے ہیں۔
زمینداری معمولی ہے۔ ملازمت بھی کرتے ہیں۔ اب تعلیم انہیں بڑھ رہی ہے۔
موضع نزایاں میں سیدوں کے چند گھر ہیں۔ یہ سب پریشان حال ہیں۔
موضع برایاں میں سیدوں اور شیخوں کی منگھڑ آبادی ہے۔ اس میں چند گرا بھوئیٹ اور
ملازم گورنمنٹ اشخاص ہیں۔ موضع خرازی میں بھی بستیوخ و مساوات کی آبادی ہے۔
اس میں صرف ایک خاندان معمولی خوشحال ہے اور باقی نفیس و پریشان روزگار۔

مولوی خلیل الرحمن صاحب معبرا اور زاوہ ستر ہزار روپیہ سالانہ نکاسی کی جائداد رکھتے ہیں۔ اخراجات بہت زیادہ ہیں۔ ایک صاحبزادہ اور تین لڑکیاں ہیں۔ سعود میاں صاحب کے تین فرزند ہیں۔ عالیشان کوٹھی وسیع کیاؤنڈ میں بنوائی ہے۔ میں بھی اس عمارت میں ٹھہر کر راحت اندوز ہوا۔ نیورہ اور کراے پر سرے کے معزز گھرانوں سے قرابت ہے۔ اور یہ شرفائے بہار کا ایک خوشحال اور نامور گھرانہ ہے۔ مٹر حسن الدین احمد صاحب کمشنر سالٹ مولوی خلیل الرحمن صاحب ممیّا شہر تھے ان کا بیٹا سید واحد حسین صاحب رئیس باڑہ کی دختر سے ہوا ہے۔ اس موقع میں سید لار صاحب کا مزار ہے۔ یہ بزرگ کب اور کہاں سے آئے۔ کچھ معلوم نہیں ہو سکا۔ نام کی بھی پوری تحقیق نہیں ہوئی کہ کیا ہے۔ مولوی خلیل الرحمن صاحب نے یہ مزار پختہ ہوا دیا ہے۔

کاگو۔ ۵۱۔ اکتوبر۔ بسواری فٹنس کا کو میں وارد۔ اور مولوی عبدالرحمن صاحب کے یہاں فروکش ہوا۔ یہ موضع مسلمانوں کی قدیم بستی ہے۔ قریب ڈیڑھ سو گھر شرفار کے یہاں ہیں۔ جو یہاں کی زمینداری میں حصہ دار بھی ہیں۔

عہد حکومت اسلامیہ میں اس خاندان کے مورث اعلیٰ یہاں تشریف لائے۔ ان کا نام شاہ شہاب الدین عرف بیرجگ جیو جی ہے۔ حضرت شیخ شہاب الدین سروردی کے مرید و خلیفہ تھے۔ اس سرزمین میں آکر شاعت اسلام اور روحانیت کی ضوافشانی فرمائی اور یہیں قیام کیا۔ اسی بستی میں آپ کا مزار ہے عمارتیں کچھ خاص خوبی کی نہیں ہیں۔ نہ سب قدیم ہیں۔ عید گاہ۔ اور مزار کے داخلہ کا پہاٹک یہ دو قدیم عمارتیں کہی جاتی ہیں۔ پھاٹک پر تاریخ کا کتبہ ہے اس میں پانچ خانے ہیں۔ پہلے خانہ میں ”ہر کہ در خدمت درویشان است۔ و صحبت ایشان است“ لکھا ہے دوسرے خانہ میں تحریر ہے ”بنکر و واحد حسین خانہ سوم میں یہ عربی ابیات لکھی ہیں۔

الایسا کن القصر المعلقی۔ سَتَدْفَنُ عَنْ قَرِيبٍ فِي الثَّرَابِ بِدَلَّةٍ لَكَ نِيَادِي كُلُّ يَوْمٍ
لِدَوْلِ الْبُكْوَيْتِ وَأَبْنَاءِ الْخُرَابِ۔ چوتھے خانہ کی تحریر ہے۔ دہم شہر ذی الحجہ سنہ ۸۵۱
و ۸۵۲ مائتہ سترہ ہجریؑ۔ اور پانچویں خانہ میں پھول بنا ہوا ہے۔ لوگ کہتے ہیں
کہ پہلے مسجد بھی بنی تھی۔ لیکن اب اسکا کوئی نشان تک نہیں۔ یاں ایک کتبۃ تاریخ
کافر در رکھا ہوا ہے اور وہ حسب ذیل ہے۔

تاریخ مسجد

عبدالکام کا ظل اللہ	شاہ محمود بن محمد شاہ	دقت خان معظم اعظم	اور قبا و کلہ۔ ولی اللہ
عزیز بن عمارت مسجد	کردہ امیدوار غفو گناہ	یار ربہ فضل خودیامرز	بندہ توبہ تو گرفتہ پناہ
قبۃ گنبد بلند درش	در روبروہ زفر حق چرخ کلاہ	سال درہفت صمدیہ	شد مرتب بعشرہ شہر اللہ

حضرت میر جگ جیو کی دختر بی بی ہدیہ عوف بی بی کمال یہاں رہیں۔ اور یہ محمد اکا
شیخ شرف الدین بہاریؒ کی خالہ تھیں۔ بی بی کمال کا خاندان یہاں سب سے زیادہ
ممتاز ہے۔ اور اس گھرانے کے علاوہ دیگر بزرگوں کے یادگار بھی یہاں رہتے ہیں۔
اور وہ سب کچھ نہ کچھ زمینداری رکھتے ہیں۔

کاکو میں بزرگان طریقت کے بہت سے مزارات ہیں۔ مشہور ترین مزار
کا ذکر کرتا ہوں۔ (۱) محمد دوم شیخ شمس الدین دوانقیؒ بستی کے مشرقی گوشہ پر
لب آہر مزار ہے۔ عوف عام میں شمس روضہ کہلاتا ہے۔ آپکی اولاد میں مولوی
یوسف حسین صاحب اور مولوی عبدالعزیز صاحب ہیں۔ خاندان میں کچھ نئی
تعلیم کا چرچا ہے اور معاش مختصر ہے۔ مولوی عبدالعزیز صاحب کے ایک بیٹے
مولوی عبدالودود بی۔ اے۔ بی۔ ایل۔ گیا میں وکیل ہیں۔ اور ایک اور صاحبزادہ
امیر بل سروس میں ہیں۔ (۲) حضرت سید سلیمان سیاحؒ انکی اولاد نہیں ہے۔
انکا مزار بی بی کمال کے پائیں مزار ایک ٹیلہ پر ہے (۳) شاہ رکن الدینؒ بستی کے

مشرق میں دوسرے گوشہ پر مزار ہے۔ آپکی اولاد میں شاہ فرید صاحب ہیں۔ اور مولانا شاہ عبدالغنی صاحب۔ معاش و حالت معمولی ہے۔ (۴) مخدوم مولانا سلیمان لنگر زین۔ مشرقی گوشہ ہی میں مزار ہے۔ ان کی اولاد، دانا پور، پٹنہ، شیخوپورہ، بوڑھ تالاب، اور بہار وغیرہ میں پھیلی ہے۔ یہ بزرگ امام تاج فقیہ کے پوتے ہیں۔ (۵) سید شاہ علی اکبر صاحب دانشمند۔ قصبہ کا کو سے پورب میں اٹھانا مقام پر مزار ہے۔ اولاد اور حالات لاپتہ ہیں۔ (۶) سید شاہ قیام الدین۔ بستی کے پورب ہواری بیگہ میں مزار ہے۔ اولاد نہیں۔ نہ حالات کا پتہ چلتا ہے (۷) حاجی سید سلیمان شاہ۔ اولاد کا پتہ نہیں ملا۔ (۸) شاہ علی اکبر رح۔ بٹہرا میں مزار ہے۔ اولاد کا پتہ نہیں۔ (۹) شاہ ارزانی رح۔ مزار موجود مگر اولاد مفقود ہے۔ (۱۰) شاہ مبارک رح۔ ایک کہیت میں مزار ہے۔ اولاد نہیں ہے۔ (۱۱) سید ابراہیم رح۔ ان کی اولاد میں میر محمد یونس صاحب موجود ہیں۔ معاش معمولی ہے۔ (۱۲) شاہ محمد شاہ رح۔ آپ کے پر پوتے سید شاہ غزالی صاحب موجود ہیں۔ حالت معمولی ہے۔

کا کو میں مختلف شرفاء کے خاندان موجود ہیں۔ ان میں سے اکثر معمولی معاش پر بسر کر رہے ہیں۔ سبکی زندگی چھوٹے اور معمولی زمینداروں کی سی ہے۔ کچھ عرصہ سے یہاں ٹڈل تک ڈسٹرکٹ بورڈ اسکول قائم ہوا ہے۔ اسکی وجہ سے انگریزی تعلیم کا چرچا پھیل چلا ہے۔ گوا بھی ابتدائی منزل ہے۔ ہم طلبہ پڑھتے ہیں۔

شیخ موسیٰ رضا صاحب۔ کا کو کے خاندان قضات میں سے ہیں۔ عالم اور شہسوارم میں ملازم ہیں۔ انکے مورث اعلیٰ تاج محمد صاحب چھ سو سال ہوئے یہاں آئے تھے۔ اس وقت سے یہ خاندان یہاں آباد ہے۔ کہتے ہیں کہ انصاری ہیں۔ مگر جد اعلیٰ کا نام نہیں بتا سکتے۔ صرف نو پشت کا نسب نامہ معلوم ہے۔

سید شاہ غفور الرحمن، صاحب - رئیس - بہترین معاش اور اچھی طبیعت کے آدمی ہیں۔ شاعر اور اہل قلم ہیں۔ ایک کتاب "د آثار کا کو" نامی ترتیب دی ہے۔ مسلمان شرفائے کاکو کی خاندانی تاریخ ہے اور انکو زندگی و دامن بخشنے کا ذریعہ۔ مگر ابھی شائع نہیں ہوئی۔ آپ سید شاہ عبدالرحمن رضوی کی اولاد میں ہیں۔ آپ کے مورث اعلیٰ شاہ تاج الدین سیوہ ضلع پٹنہ میں آکر مقیم ہوئے تھے۔ آپ کے تین کڑے ہیں۔ بڑے بیٹے ایف۔ اے میں پڑھتے ہیں اور دو باقی بھی انگریزی پڑھ رہے ہیں۔ خواجہ عبدالقدوس محمد اسلم رشیدی جعفری۔ اسی قصبہ کے ایک صوفی مشرب عالم تھے۔ ان کے مرید اور شاگرد مولوی شاہ علیم اللہ بدایونی بھی اچھے بزرگ اور ذی علم گذرے ہیں۔ انہوں نے کتاب "فصول الحکم" مصنفہ محی الدین ابن العربیؒ کی ایک شرح لکھی تھی۔ ۱۳۸۵ھ میں کتاب لکھی گئی تھی۔ اسکا قلمی نسخہ خانقاہ پھلواری شریف میں موجود ہے۔ مصنف نے اپنے پیر صاحب کا تذکرہ بھی لکھا ہے۔ پچاس سال گذرے جبکہ یہاں ایک نامی طبیب حکیم احسان علی صاحب ہوئے ہیں۔ آج کل مولانا حکیم سید سخاوت حسین صاحب عربی کے فاضل اور طبیب ہیں۔ اور حکیم اخلاق حسین صاحب بھی مطب کرتے ہیں۔

موضع سید آباد پر شاہیں۔ ضلع گیا۔ کاکو کے قریب ہے۔ سادات کی بستی۔ شرفاء کی آبادی ہے۔ تعلیم انگریزی کا اب کچھ چرچا ہو چلا ہے۔ حالت اچھی نہیں۔ صرف شیخ شمس المدنی عباسی وہاں کے زمینداروں میں کسی قدر خوش حال ہیں۔ وہ سید ظفر نواب صاحب رئیس گیا کے یہاں نائب ریاست ہیں۔ باقی سب کاشتکار ہیں۔ ایک صاحب علوم عربیہ کے فارغ التحصیل بھی ہیں۔ یہاں شاہ فیروز رحیم کا مزار ہے۔ مگر انکے حالات اور اولاد کا پتہ نہیں۔

اسلام پور۔ ضلع پٹنہ۔ کاکو سے میں اسلام پور آیا۔ گمارو پور یہ سفر ہوتا ہے۔

۹ بجے رات کو یہاں پہونچا۔ محرم کی ۱۳۔ تاریخ ہے اور عرس ہو رہا ہے۔ صاحب مزار سید شاہ ولایت علیؒ سید علی ہمدانی جامع اور اذیتہ کی اولاد میں سے تھے۔ موجودہ سجادہ نشین شاہ محمد عبدالقادر صاحب ہیں۔ آدمی ذی علم۔ روشن خیال۔ اور خوش خلق ہیں۔ غیر مرید سے نذر نہیں لیتے۔ قبرستان صحن مسجد میں ہے۔ وہیں دس بجے شب کو مزار پر ٹل پڑا گیا۔ کھڑے ہو کر فاتحہ خوانی ہوئی۔ اور اسکے بعد خانقاہ میں مجلس قوالی ترتیب پائی۔ مجلس سے فراغت کے بعد کھانا ہوا۔ اسکے بعد میں سو رہا۔ صبح کو اٹھا تو مولوی محمد عثمان صاحب ملگئے۔ لکھنؤ میں ان سے ملاقات ہوئی تھی۔ آج سولہ برس کے بعد پھر ملنا ہوا۔ وہ جھکویاں کے رئیس اعظم چودہری صاحب کے خاندان سے ملانے اپنے ساتھ لے گئے۔

چودہری صاحب کا خاندان چودہری ملک فریدوں کی یادگار ہے۔ اس وقت ریاست خاندانی چودہری ظہور الحق صاحب کی دواڑکیوں کی اولاد پر منقسم ہے۔ نواسے دارش اور قابض ہیں۔ ایک بیٹی کی اولاد دواڑکے مولوی شاہ حمید الدین احمد عارف اور مولوی شاہ اکرام الدین احمد خان۔ ہیں۔ یہ دونوں نوجوان رئیس۔ ذی علم اور منتظم ہیں۔ ان کا جدی سلسلہ نسب مخدوم شیخ شعیب بہاری سے ملتا ہے۔ جو کتاب "مناقب الاصفیاء" حالات خاندانہ فردوسیہ کے مصنف تھے۔ زیریری ہاشمی یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھا زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کی اولاد ہیں۔ بہار میں یہ خاندان چھ سو سال کے قریب سے آیا۔ دوسری دختر کے چار بیٹے ہیں۔ منظور احمد خان نواز احمد خان۔ عمر دراز خاں۔ اور۔ وجیہ احمد خاں۔ ریاست کی مجموعی آمدنی اس وقت سو لاکھ روپیہ سالانہ ہے۔ قرضہ بھی ہے مگر بہت کم۔ رئیس زادے سب خلیق اور مفسار ہیں۔ سرسری ملاقات کے بعد مراسم عرس کی شرکت کے لئے چلا آیا۔ عرس نہایت سادہ طریقہ سے ہوتا ہے۔ میلہ کوئی نہیں لگتا۔ دو دن سجادہ نشین صاحب کی طرف سے اور ایک دن

چودھری صاحب کے خاندان کی جانب سے مہمانداری ہوتی ہے۔ شہسرام۔ اور آ رہ
کے قوال آئے تھے۔ جوار کے اکثر شرفاء، شریک عرس تھے۔

قوالی دن کو صبح کے ۹ بجے شروع اور ایک بجے دن کو ختم ہو جاتی ہے۔ دن کا
کھانا نماز ظہر کے بعد دو بجے دن کو ہوتا ہے۔ اور رات کے وقت ۹ بجے بعد نماز عشا
قوالی کا آغاز اور ۱۲ بجے شب کو اختتام۔ اسکے بعد کھانا ہوتا ہے۔ ان اطراف میں
جہاں میراجانا ہوا یہی معمول پایا کہ لوگ دن کو زوال کے بعد اور رات کو گیارہ۔ ۱۲ بجے
کھانا کھاتے ہیں۔ عرس کی رسمیں اسی قدر ہیں۔ ۱۵۔ محرم کو مجلس مشاعرہ ترتیب
پائی۔ یہ عرس کا تہنہ تھا۔ مصرع طرح تھا + کہیں بیمار محبت کی دوا ہوتی ہے۔
مجھ پر بھی غزل کہنے کا زور ڈالا گیا۔ چنانچہ پاس خاطر کے سوا چارہ نہ دیکھا اور یہ
غزل سنائی۔

غزل

آج آراستہ بزم شہدا ہوتی ہے وہ کریں ذبح تو خوش نام ادا ہوتی ہے مردہ اے درد محبت کو شفا ہوتی ہے کیا کسی مجرم الفت کی سزا ہوتی ہے؟ کبک شرماتے ہیں مال صبا ہوتی ہے منزل فقر بھی اک عالم لا ہوتی ہے یہی قوت ہے جو بندہ میں خدا ہوتی ہے ہمیت شیخ مگر راہ نہا ہوتی ہے	دھوم مقل میں ہے مہمان قضا ہوتی ہے ہم جو مرجائیں تو بد نام جفا ہوتی ہے شکر صد شکر وہ آئے ہیں عیادت کے لئے غل ہے زنجیروں میں طوقوں میں ہے ماتم بڑا جب کبھی سیر کو باغوں میں چلے جاتے ہو جادو عشق حقیقی کے مسافر کے لئے اپنی ہستی کو مٹا کر کے فنا ہو جانا عشق کی راہ میں چلنا نہیں آساں لے دل
---	--

خیر ہو منظر بے چین کی بچھ سے شب، ہجر
چلتی پھرتی تیرے سایہ میں قضا ہوتی ہے

اس عرس میں موضع اندوس کے رئیس مولوی عبد المجید صاحب کے ملاقات ہوئی۔ میرا وطن دریافت کیا۔ ردولی کا نام سن کر فرمایا کہ وہاں ایک بزرگ مولوی محمد سلیم صاحب تھے۔ ان سے اور میرے والد سے مدینہ منورہ میں بہت اکجائی رہی ہے۔ آپ جانتے ہیں۔ میں نے کہا کہ۔ ہاں وہ میرے پدر بزرگوار تھے۔ اب وصال ہو گیا ہے۔ یہ سنتے ہی کمال محبت سے بغل گیر ہوئے اور برادرانہ الفت کا اظہار کیا۔ مولوی سید شاہ غفور الرحمن کا کوئی بھی عرس میں آئے تھے۔ رات کو ۱۲ بجے تک اپنا کلام سناتے اور مجھ سے بھی کچھ سنتے رہے۔ نہایت لطف کے ساتھ وقت نکلا۔

اسلام پور کے رئیس قاضی جھور انج صاحب چودہری نے ایک باغ نہایت دلکش اور وسیع بنوایا تھا۔ باغ کا دروازہ بہت شان کا ہے۔ قیصر باغ لکنؤ کے دروازوں کا نمونہ ہے مگر عمارت ناتمام تھی کہ اُن کی رحلت ہو گئی۔ باغ اور عمارت کس پر سی کی حالت میں ہے۔ یہی رنگ رہا تو کچھ عرصہ میں عمارت پتو خاک اور باغ راغ ہو جائیگا۔

ایٹھوا۔ ۲۵۔ اکتوبر ۱۹۱۸ء۔ دس بجے دن کو ناشتہ کے بعد اسلام پور سے روانہ اور ایک بجے دن کو ایٹھوا میں وارد ہوا۔ ایٹھوا۔ پرگنہ بھلاوا۔ ضلع گیا میں ہے۔ مگر پٹنہ سے قریب پڑتا ہے۔ ملا محمد شفیع صاحب ملائے دربار شاہ عالمگیر غازی قنواوے عالمگیر یہ کے جامعین میں سے تھے۔ خواجہ فرید الدین گنج شکر جکی اولاد میں تھے۔ یہ نانانی سلسلہ ہے۔ داد ہانی سلسلہ میں شیخ فاروقی ہیں۔ یہ موضع انکی جاگیر میں تھا۔ اور بھی مواضع تھے۔ اب خاندان کے بزرگ شاہ محی الدین صاحب ہیں۔ آپکے دو چھوٹے بھائی اور ایک چچا زاد بھائی نصیر الحسن صاحب ہیں۔ سابق جاگیر کا کچھ حصہ اب تک زمینداری کی حیثیت سے قبضہ میں ہے۔ شاہ محی الدین صاحب ہر سہ برادران سات ہزار روپیہ

سالانہ آمدنی۔ اور نصیر الحسن صاحب تین ہزار روپیہ آمدنی کی جائداد رکھتے ہیں۔ معمولی اردو پڑھ لکھے ہیں۔ نسب نامہ اور فرامین شاہی محفوظ ہیں۔ پہلی سند راضی بنام ملا شفیع مدد معاش بشرط جمع فتاویٰ عالمگیریہ ۲۴۔ رجب ۱۲۸۵ جلوس مطابق ۱۲۸۵ء کی ہے۔ دوسری سند مدد معاش بنام ملا محمد فائق و ملا محمد اکرام ۴ ذی الحجہ ۱۲۸۵ جلوس مطابق ۱۲۸۵ء کی ہے۔

دیگر شرفاء کے دس پندرہ گھر ہیں جنہیں تعلیم اور زمینداری کچھ نہیں۔ بعض کاشتکار ہیں اور چند معمولی ملازمت کر کے بسر اوقات کر رہے ہیں۔ ایک بزرگ مولانا سید شاہ محمد حیات مرحوم یہاں تھے۔ سید تھے اور مولانا فضل الرحمن گنج مراد آبادی کے خلیفہ۔ وہ مخدوم بندگی سالار رحمہ کی اولاد سے تھے۔ ان کا خاندان موضع میاں بیگہ ضلع پٹنہ میں تھا۔ ایتھو امیں سسرال تھی۔ یہیں آ رہے۔ ایک ہندو رئیس نے دو ہزار روپیہ سالانہ کی آمدنی کی معافی دی تھی۔ رئیس کی وفات کے بعد اسکے بیٹوں نے قبضگی کا دعویٰ کیا ہے اور عدالت ضلع سے دگری پٹنہ میں۔ سید شاہ محمد عزیز صاحب فرزند اور سجادہ نشین مقدمہ لڑ رہے ہیں۔ ہائیکورٹ میں اپیل کیا ہے۔ لیکن روپیہ پاس نہیں۔ ان بزرگوں کے مورث اعلیٰ قاضی محمد شاہ پرگنہ بہار کے قاضی ہوئے تھے۔ محمد شاہ غازی کے عہد میں۔ اس زمانہ میں معافی بھی ملی تھی۔ مگر اب کچھ نہیں ہے۔

قاضی سرائے ضلع گیا۔ شام کو ایتھو اسے قاضی سرائے میں آیا۔ قاضی شاہ حسین صاحب رئیس و آنریری مجسٹریٹ کے یہاں ٹھہرا۔ آپ اس سبکی کے ممتاز رئیس ہیں۔ نہایت منتظم ہیں۔ جائداد ہر قسم کے بارے بالکل پاک ہے۔ داد بال آپ کا نٹول میں ہے۔ اس سلسلہ سے انصاری ہیں۔ اور نانہالی ترکہ کی وجہ سے قاضی سرائے میں رہتے ہیں۔ انصاری میں کس بزرگ صحابی کی اولاد ہیں۔

اسکا کوئی پتہ نہیں۔ آپ کے کوئی اولاد نہیں ہے۔ چچا زاد بھائی ہیں وہ سب بھی لاوہ ہیں۔ بھلی بکے اور بھانجیاں ہیں۔ ان کا قیام و مکان بہار شریف میں ہے۔ قاضی سرائے قاضی عبدالرشید خالصا صاحب نے آباد کیا تھا۔ ان کے مورث غفران شاہ قاضی محمد یوسف صاحب موضع ٹالی متصل جہاں آباد میں رہتے تھے۔ قاضی عبدالرشید محمد شاہ کے زمانہ میں قاضی مقرر ہوئے اور نواب و خان کا خطاب مع ۳۲ مواضع کی جاگیر کے پایا۔ اب اس میں سے ۹ مواضع زمینداری کے طور پر قاضی شاہد حسین صاحب کے حصہ میں ہیں اور باقی مواضع دیگر اراکین خاندان کے حصوں میں گئے ہیں۔ سب زمیندار ہیں۔ اور ٹالی اور قاضی سرائے میں آباد ہیں۔ رات قاضی سرائے میں بسر کی۔ اور صبح کو ناشتہ کرنے کے بعد کاکوروانہ ہوا۔ دوپہر سے قبل کاکوپنچا۔ شیخ عبدالرحمن صاحب میرے میزبان میرا انتظار ہی کر رہے تھے۔ شیخ عبدالرحمن صاحب رئیس آنریری مجسٹریٹ و ممبر ڈسٹرکٹ بورڈ۔ کاکو میں سب سے زائد خوش حال اور صاحب ریاست ہیں۔ بااثر۔ خلیق۔ باہر و وسیع انجیال۔ قومی کاموں سے باخبر اور انکے معین متین اور سچے مزاج۔ خوش انتظام آدمی ہیں۔ آجکل نوجوان بیٹے کی وفات سے دل گرفتہ ہیں۔ لیکن اللہ رے صبر ضبط کہ اس صدمہ عظیمہ کے باوجود تمام کام بدستور کرتے رہتے ہیں۔ آپکا اصل خاندان جہاں آباد کے شرفا میں سے ہے۔ کاکو میں نانانی تیر کہ پایا ہے۔ اویس قیام فرما ہیں مرحوم بچہ بیرسٹر تھا اور کام کر رہا تھا۔ افسوس۔ کاکو میں آپ ہی کے یہاں میرا قیام رہا۔ نہایت عنایت و محبت فرماتے رہے۔ اب گیا جانیکا ارادہ ہے۔

جہان آباد ضلع گیا۔ ۲۷۔ ستمبر کو آیا۔ خان بہادر اشفاق حسین صاحب

کلکٹر درہنگہ کی دختر پروردہ کا عقد تھا۔ بیاہ و شادی کی رسمیں غور سے دیکھتا رہا بالکل اپنے وطن کے دیہات میں رہنے والے شرفا کی سی رسمیں بہار کے شرفا کے

یہاں بھی دیکھیں۔ کچھ برائے نام فرق پایا۔ شادی کی بھیڑ بہاڑ میں یہاں کام کرنے کا موقع نہیں دیکھا۔ اور گیا سے واپسی میں آئے کا ارادہ کر کے گیا چلا گیا۔ گیا۔ ۲۸۔ ستمبر کو گیا۔ آیا۔ سید ظفر نواب صاحب رئیس کے یہاں فروکش ہوں۔ آپ سید عالی نسب۔ حضرت غوث الاعظمؒ کی اولاد اور شہر گیا کے مسلمان رؤساء میں سب سے بڑے رئیس ہیں۔ انتظامی ملکہ بہت اعلیٰ درجہ کا رکھتے ہیں۔ وسیع المعلومات آدمی ہیں۔ آزادہ رُو، آزاد مزاج۔ نہایت عالی منش انسان ہیں۔ چالیس ہزار روپیہ قیمت کا عمدہ کتب خانہ اپنے گھر کا عام پبلک کو دیدیا ہے۔ انکی محبت اور مہمان نوازی نے مجھ کو اس قدر راحت دی ہے کہ انہیں کے یہاں قیام پذیر ہوں۔ افسوس یہ ہے کہ آپ کے خاندانی کاغذات اور اسناد شرافت نسب سب ضائع ہو گئے ہیں۔ آپ کے اجداد کی اصل امجھ شریف کی ہے۔ جائداد اور املاک کا بیشتر حصہ انکے دادا کا ذاتی ملک ہے۔

شمس العلماء نواب سید امداد امام صاحب۔ اصل مکان نیورہ ضلع پٹنہ میں ہے۔ گیا میں دوسری شادی کی ہے اور اس لئے اب یہیں رہتے ہیں۔ آپ کا نانا مال ملا سید احمد زیدی الواسطی کی نسل سے ہے جو بعد شاہ جہانگیر ہندوستان میں آئے۔ اور انکی اولاد میں نواب حاجی سید محمد سعید خاں صاحب امیرالوزراء فیروز جنگ وزیر سلطنت ہوئے۔ فیروز جنگ موصوف کی دختر کا میر سلامت علی خاں رئیس نیورہ سے پیوند ہوا۔ اور میر سلامت علی کی بیٹی کمرائے پرمہارے کے میر امداد علی سے بیاہی گئیں۔ ان صاحبزادی کے بطن سے شمس العلماء خان بہادر مولوی سید وحید الدین پیدا ہوئے۔ ان کے فرزند شمس العلماء نواب سید امداد امام ہیں۔ نیورہ کا خاندان سید حسین خٹک سوار

کی اولاد ہے۔ ابتدائے عہد انگلشیہ میں اس خاندان کے رکن میر سلامت علی خاں صاحب افسر عدالت تھے۔ انکی اولاد میں بہت سے نامی آدمی ہیں۔ میر راحت علی خاں ڈپٹی کلکٹر شمش العلیا نواب سید امداد امام۔ آنریبل مولوی شرف الدین خاں بہادر۔ مولوی سید نصیر الدین سی آئی۔ اور خاں بہادر سید ظہیر الدین وغیرہ وغیرہ۔

نواب امداد امام صاحب نہایت ذی علم۔ ذہین۔ طباع اور عالی دماغ ہیں۔ عربی علوم کی پوری تحصیل فرمائی۔ انگریزی میں مطالعہ کی مدد سے اعلیٰ زبان دانی کی مہارت پیدا کر لی۔ ہومیو پتھی۔ ایلو پتھی۔ یونانی طب۔ اور تمام اصناف علاج جو دنیا میں رائج ہیں ذاتی مطالعہ سے انہیں کمال حاصل کر لیا ہے علاج ایسے معرکہ کے لئے کہ لوگ حیران رہ گئے۔ شکار کا یہ شوق ہے۔ آدمی بڑی خوبی کے ہیں۔ ورزش کے پابند۔ یہی وجہ ہے کہ ستر سال کی عمر میں جوانوں کے قومی کومات کرتے ہیں۔ شاعر نازک خیال۔ بلند پرواز اور معانی و مضامین۔ اور صاحب تصانیف ہیں۔ مرآۃ الحکما۔ فلسفہ قدیمہ و جدیدہ۔ کتابا لاغفار۔ کتابا لزہمت دیوان اثر۔ اور کئی دیگر مفید کتابیں آپکی تصنیف ہیں۔ پہلی بیگم صاحبہ سے سرسید علی امام اور سید حسن امام دو فرزند ہیں اور دوسری شادی سے سید حسین امام ایک فرزند اور دو لڑکیاں ہیں۔

خان بہادر سید خیرات احمد صاحب۔ موسوی ہیں۔ قدیم شجرہ تلف ہو گیا۔ اپنی یاد سے شجرہ ترتیب دیا ہے۔ ہندوستان میں مورث اعلیٰ کی آمد کا زمانہ معلوم نہیں۔ ایک فرمان ۵۵۰ھ قاضی برخوردار کی وراثت تقسیم کئے کا دکھایا۔ ورنہ اس کے نام شیخ معز الدین اور شیخ عبد الغفور درج ہیں۔ سادات ہونیکا اس سے نبوت نہیں ملتا۔ آپ کے آبا سے کرامت قبہ کرا سے پر سراسرے میں بہتے تھے۔ اب

موضع پالی میں توطن ہے۔ خاندان تعلیم جید اور خوشحالی سے بہرہ ور ہے۔ موجودہ وجاہت و اعزاز کے بانی میرا شرف علی صاحب مختار عدالت ہوئے۔ خان بہادر ممدوح نے ۱۹۱۷ء میں وکالت کا امتحان بی۔ ایل۔ پاس کر کے گیا میں کام شروع کیا۔ خوب روپیہ پیدا کیا۔ جائیداد خرید کی۔ بچوں کو بیرسٹری کی تعلیم دلوائی۔ ممبر میونسپل بورڈ ہوئے۔ اب آنریری مجسٹریٹ ہیں۔ وکالت اب نہیں کرتے۔ خانہ نشینی اور پبلک لائف میں وقت صرف کرتے ہیں۔ انجمن اُمیہ مع اسکول کے قائم کی ہے۔ ہمدست اسکول صرن درجہ دوم تک ہے۔ ڈیڑھ سو طلبا ہیں۔ ٹیوشنر کٹ بورڈ اور عام چندہ کی امدادی رقوم کے علاوہ انجمن اُمیہ سے پچاس روپیہ ماہوار مدرسہ کے خرچ میں دئے جاتے ہیں۔ اب ۱۹۰۱ء میں خان بہادر ہوئے۔ اُمیہ اثنا عشریہ ہیں۔ دو نور نظر لائق اور اہل آپ کے ہیں۔ ان کے نام سید ہادی حسین اور سید سلطان احمد ہیں۔ سید ہادی حسین صاحب بیرسٹر ہیں۔ خان بہادر کو علمی ذوق ہے۔ کئی کتابیں لکھی ہیں۔ اکثر مذہبی۔ اور ایک سوشل تصنیف ”عصمتکدہ“ بہت اچھی ہے۔

سید حسن امام اور سید حسین امام۔ جدی سلسلہ نسب مورث اعلیٰ سید شاہ مینا سے ملتا ہے۔ ان بزرگوار کے حالات کا پتہ نہیں چلا۔ نانہال کے خاندان میں یہاں جو صاحب آئے۔ ان کا نام خواجہ اسد اللہ سلطان کج نشین ہے۔ مخدوم شرف الدین کچلی منیری آسے ملنے آئے تھے۔ اور خواجہ عبداللہ چشتی بھکری کی اولاد تھے۔ ان کا یہیں انتقال ہو گیا۔ مزار قصبہ شیخوپورہ میں ہے۔ ان کی اولاد میں خواجہ تاج محمود حقانی ایک اچھے بزرگ ہوئے ہیں۔ خواجہ صاحب کے داماد مولوی مظہر امام صاحب نے وکالت کا امتحان دیا۔ اور ابتدائے عہد انگلشیہ میں گیا کے ایک کامیاب وکیل تھے۔ بہت جائیداد

پیدا کی۔ اور اپنے فرزند۔ حاجی سید علی امام۔ مرحوم کو پیر سڑک دیا۔ میرا اور مرحوم کا سفر حج میں ساتھ رہا تھا۔ بڑی خوبی کے آدمی تھے۔ سید حسن امام اور سید حسین امام انھیں کے فرزند ہیں۔ نہایت پر جوش اور با حمت مسلمان ہیں اور ضلع گیا کے تمام مسلمانوں کا شہر گیا میں ایک اجتماعی مستقر قائم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ خدا انکو کامیاب کرے۔ انجمن معین الاسلام کے بانی ہیں۔ سید حسن امام صاحب اس انجمن کے ناظم ہیں۔ با خدا۔ دین پرور۔ اور نیک نیت ہیں۔ آپ آنریری مجسٹریٹ بھی ہیں۔ اور ہر دو بار در سید ظفر نواب صاحب کے بھائی تھے اور داماد بھی ہیں۔

حکیم شمس الحق صاحب سہوانی۔ گیا میں ممتاز طبیب اور دل درد مند رکھتے ہیں۔ قوم پرور ہیں۔ شیخ جلال الدین تھانیسری کی اولاد ہیں۔

خان بہادر قاضی فرزند احمد صاحب۔ آپ قاضی صدر جہان کی اولاد ہیں۔ اس خاندان میں بعد شاہجہاں صاحب قرآن شیخ منور اللہ مجدداً عہدہ قضا پر مامور ہوئے۔ انکے بعد خاندان میں یہ عہدہ قائم رہتا آیا۔ شیخ منور اللہ سے قبل راجہ ٹکاری نے اس خاندان کا گھر ٹوٹ لیا تھا۔ شیخ مدوح نے دربار دہلی میں استغاثہ کیا اور کامیاب ہوئے۔ چند فرمان میں نے خود دیکھے ہیں۔ ایک ۸۶۷ھ کا ہے جو شاہ عالم بادشاہ کی طرف سے شیخ رحمت اللہ کے نام ہے۔ دوسرا فرمان رجب ۱۲۱۲ھ مطابق ۱۵ دسمبر ۱۷۹۷ء کا ایٹ انڈیا کمپنی کی طرف سے حاکم بہار نے دیا ہے۔ یہ دونوں فرمان فارسی میں لکھے ہیں اور تیسرا فرمان ملکہ وکٹوریہ آن جانی قیصرہ ہند کے عہد کا ہے۔ یہ فرمان قضا ماہ جون ۱۸۵۷ء میں گورنر کلکتہ کے اجلاس سے بنام قاضی احمد بخش صاحب صادر ہوا ہے۔ اور اردو زبان میں لکھا ہوا ہے۔ مہر قدیم طرز کی ہے۔ آپ شیخ

فاروقی ہیں۔ اور نسب نامہ محفوظ ہے۔ کچھ خاندانی حالات اپنی معلومات سے قلمبند کئے ہیں۔ ولادت آپکی ۱۲۸۳ھ ہجری میں ہوئی۔ خیر خواہ گورنمنٹ ہیں۔ ۱۲۸۸ھ میں خان بہادر۔ اور ۱۲۹۵ھ میں ننوہ قبیضہ ہند کا اعزاز پایا۔ ننوہ خود گورنر صاحب نے آپکے سینہ پر آویزان کیا تھا۔ کئی گورنران اور وائسرائے کے خطوط آپکی وفا شعار سی سرکار اور اعزاز خاندان کے اعتراف میں آپکے نام آئے ہیں۔ صوفی مشرب، فارسی زبان کے شاعر خوش گو۔ قیاض۔ عالی قمش۔ اور سافر نواز ہیں۔ دست کرم دراز ہے۔ اسی وجہ سے چالیس ہزار روپیہ سالانہ آمدنی کی جائداد کہتے ہوئے بھی قرضدار ہیں۔ ایک نور نظر انوار الحق نام نہایت سعید اور خوش لیاقت تھے۔ وہ بین نوجوانی میں پدر بزرگوار کو داغ مفارقت دے گئے ہیں۔ افسوس!۔ اب مرحوم فرزند کے دو بچوں سے دل بہلاتے رہتے ہیں۔ انوار الحق مرحوم کی شادی سید ظفر نواب کی بہن سے ہوئی تھی۔

۵۔ یومبر ۱۲۹۱ھ۔ آج سید حسین امام صاحب کے ساتھ حضرت مخدوم شاہ درویش حشمتی نظامی رحم کے مزار کی زیارت کرنے میتھو شریف آیا۔ مخدوم صاحب حضرت شاہ مبارک بلبلی کے فرزند اور مخدوم اشرف جہانگیر رحم کے خلیفہ اور بھانجے حضرت نور العین رحم کی اولاد میں تھے۔ یہاں کا عرس شعبان میں ہوتا ہے۔ دس تاریخ کو قتل اور گیارہویں کو میلہ ہوا کرتا ہے۔ مزار پہلے پختہ بغیر قبہ کے تھا۔ اسکے گرد معمولی چار دیواری تھی۔ چاند میاں شاہ صاحب موجودہ سجادہ نشین نے بڑی عمدہ عمارت بنوا کر اعلیٰ پیمانہ پر عرس کرنا شروع کیا تھا۔ گذشتہ سال کے سیلاب عظیم میں خالقہ اور باد چٹانہ وغیرہ کی عمارت منہدم اور تاراب ہو گئی۔ یہ پورا موضع اولاد صاحب مزار

کو معافی کے طور پر ملا ہے۔ درگاہ کے چراغ جی کے لئے بیس بیگز زمین کی معافی
الگ ہے۔ مزار لب وریا پر فضا جگہ پر واقع ہے۔ ندی کا نام ملکو ہے اور
یہ دریاے سون کی ایک شاخ ہے۔ بستی سادات کی ہے۔ جو سب غوث پاک
رضی اللہ عنہ کی اولاد ہیں۔ معمولی اردو فارسی کی تعلیم کے سوا انگریزی یا عربی
کا یہاں کوئی چرچا نہیں۔ زیادہ تر کاشتکاری اور کچھ چھوٹے زمینداروں
کی ملازمت پر بسر اوقات ہے۔ خانہ جنگی اور مقدمہ بازی جو ادبار زدہ شریفوں
کا عام شیوہ رہ گیا ہے اسکا مذاق یہاں بھی ہے۔

بہار کی سرزمین میں مسلمانوں کی آمد کا آغاز ستلہ ہجری میں ہوا تھا۔ سب سے
پہلے یہاں ”ملک بختیار خلجی“ آیا۔ ملک محمد نعیم صاحب آنریری مجسٹریٹ و زمیندار
موضع جان آباد ضلع کیا۔ اپنی کتاب ”ریاض النعیم فی احوال ملک سید ابراہیم“
میں لفظ ملک پر تبصرہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ ”ملک“ ایک شاہی خطاب ہے
اور یہ مسلمانوں کی ہر نسل و قوم و ملک کے معزز لوگوں کو حاصل ہوتا رہا ہے۔
”ملک بختیار خلجی کے بعد۔ بگمان غالب۔ اس خطہ میں ”سید ابراہیم“
تشریف لائے اور انکو ”ملک العلماء“ کا خطاب ملا تھا۔ بہار میں ان کی
اولاد بڑھی اور پھیلی پھولی۔ واللہ اعلم بالصواب

قصبہ بہار شریف کی سیر و زیارت کے لئے۔ ۱۔ نومبر ۱۹۱۵ء کو
روانہ ہوا۔ شیخ غلام محمد صاحب بی۔ اے۔ میرے ہم سفر تھے۔ دوپہر کو
بختیار پور اسٹیشن پر پہنچا۔ یہاں چھ گھنٹہ بہار لائٹ ریلوے ٹرین کا
انتظار کرنا تھا۔ اسلئے قصبہ بختیار پور کا ایک چکر لگا لینے کی رائے ہوئی۔

۱۵۔ یہ عبارت بہ تصرف مرحوم مظہر علیم کے روزنامہ سفر سے لی گئی ہے۔ یہاں اسکا کوئی محل
اور موقع معلوم نہیں ہوتا۔ میری لاعلمی غلطی کے جرم کو بخوشادے تو معجب نہیں۔ موقوف۔

قصبہ میں گیا۔ اور ۴ بجے شام تک وہاں سیر کرتا رہا۔
 بختیار پور میں سٹر قمر الہدیٰ صاحب سابق ممبر کونسل و مندوب مسلمانان
 بہار و بیرسٹرا میٹ لا۔ اب کنگج نشینی اور محض انتظام زمینداری کی زندگی بسر
 فرما رہے ہیں۔ ان سے نیاز حاصل کیا۔

یہاں سے ۵ بجے ٹرین روانہ ہوئی۔ ۸ بجے شب کو بہار شریف پہنچا۔
 شیخ احمد علی صاحب کے یہاں فروکش ہوا۔ آپ ایک خوش نصیب ضعیف العمر
 شریف ہیں۔ چار بچے ہیں اور سب تعلیم یافتہ اور لائق۔ ایک صاحبزادہ
 سب جج ہیں۔ دوسرے منصف ہیں۔ اور دو قانون کے امتحان کی تیاری
 کرتے ہیں۔ اللہ ہم زو فرزد۔ آپ کو شعر و سخن کا عمدہ مذاق ہے۔ ایک قومی
 مثنوی آپ کی اشاعت پا چکی ہے۔ اگلے وقتوں کے بزرگ اور نہایت
 کریم النفس ہیں۔ بیمار تھے اور بوڑھے ہیں مگر میری آسائش کا اہتمام
 فرمانے میں جوانوں سے بڑھ کر منہمک ہوئے۔ خود روشنی لیکر ہر چیز اور
 جگہ دکھائی۔ رات یہاں آرام بسر کی۔ صبح کو لوگوں سے ملنے گیا۔

سید احمد رضا صاحب مختار ساکن کراے پر سرائے۔ عالی نسب
 سید ہیں۔ آپ کے بھائی سید مہدی صاحب ایم۔ اے۔ بی۔ ایل۔ قابل
 اور ہمدرد قوم آدمی ہیں۔ انجمن آردو کے ممبر ہوئے اور اسکی اعانت
 میں حصہ لیا۔

سید شاہ ظفر احسن صاحب رئیس محلہ میرداد۔ آپ مخدوم
 سید سلطان احمد چرم پوش ہمدانی۔ تیج برہنہ کی اولاد اور سجادہ نشین
 ہیں۔ مخدوم تیج برہنہ سہروردیہ خاندان کے بزرگ ہیں۔ درگاہ کے متعلق
 کوئی معافی نہیں ہے۔ سجادہ صاحب زمیندار ہیں۔ زمینداری خاندان کی

مکسویہ ہے۔ دو مہارہ روپیہ ماہوار منافع کی جائداد ہے۔ وجاہت و نیاوی بہت ہے۔
آئریری مجسٹریٹ۔ نیونسپل کمشنر۔ والس چیرمین لوکل بورڈ اور سکریٹری بہار
انگلش ہائی اسکول ہیں۔ مخدوم تیج برہنہ کا سنہ وصال ۱۳۷۱ء تھوہری ہے۔
تیس ۲۶۔ صفحہ کو ہوتا ہے۔

مخدوم احمد سیستانی خلیفہ بابا فرید گنج شکر رحمہ اللہ۔ آمد بہار ۱۳۲۵ء۔
کاغذی محلہ میں مزار ہے۔

۱۲۔ نومبر ۱۹۱۸ء۔ آج مرحومہ بی بی صفرا کی وقف اسٹیٹ کو دیکھا۔
بی بی صفرا مرحومہ مولوی عبدالعزیز مرحوم کی بی بی تھیں۔ مولوی عبدالعزیز کے
دادا آغاز عہد سلطنت انگلشیہ میں ضلع مظفر پور میں سررشتہ دار کلکٹری
تھے۔ فضل امام نام تھا۔ کل جائداد انھیں کی مکسویہ تھی۔ اور نہایت وسیع
جائداد تھی۔ مولوی عبدالعزیز کے صرف ایک لڑکی تھی اور اُسکی شادی بھی
کر چکے تھے۔ لیکن یہ لڑکی باپ کے سامنے ہی فوت ہو گئی۔ اور لا ولد فوت ہوئی
اُسکے کچھ زمانہ بعد مولوی عبدالعزیز بھی رحلت کر گئے۔ شوہر کے بعد بی بی صفرا
تمام ریاست کی مالک ہوئیں۔ جسکی آمدنی ڈیڑھ لاکھ روپیہ سالانہ ہے۔ بالکل
سرکار دیکر سوا لاکھ کے قریب خالص بچت ہوتی ہے۔ بی بی صفرا سچی مسلمان
خاتون اور سچے شریف نیک دل اور با اصول بی بی تھیں۔ انہوں نے خلوص
نیت اور صحیح ایمانی جو غل سے جائداد کو کارہائے خیر کے لئے وقف کر دیا۔ اور
۷۔ لاکھ روپیہ مالیت پر اسٹامپ لگا کر وقف نامہ باضابطہ رجسٹری
کر دیا۔ وقف کے مصارف حسب ذیل ہیں۔ منجملہ ۱۶۔ مسلم جائداد کے۔

(۱) تعلیم دینی۔ حفظ قرآن و قرأت کے مدرسین و طلبہ کے حملہ مصارف کے لئے۔ ۴۔

(۲) اجرائے سبیل زمزم۔ خدمت علماء حرمین۔ روشنی حرمین۔ سفر حج و امداد اہل عرب ۲۔

(۳) فاتحہ بزرگان و مرحوم عزیزان و اہل خاندان - ۴ پائی

(۴) رمضان شریف میں غریب مسلمانوں کو زرق و نقد اور فطاری کی تقسیم - ۴ پائی

(۵) بیمار کی مسجدوں اور بعض درگاہوں کی مرمت کے لئے - ۴ پائی

(۶) مدارس و یتیم خانہ جات اسلامیہ کی امداد کے لئے - ۶ پائی

(۷) اخراجات شفا خانہ مردانہ و زنانہ کے لئے - ۶ پائی

جملہ - ۱۰ ۶ پائی

باقی پانچ آنہ چھ پائی - خرچ تنخواہ ملازمین اسٹیٹ اور حق متولی و دیگر اخراجات متعلقہ ریاست کے لئے - رکھ کر وقف نامہ مکمل اور مسجل کر دیا۔ پھر یہ وقف نامہ کے بعد نو برس تک خود زندہ رہیں اور کمال خوبی سے ہر ایک مصروف کو پورا کیا۔ اپنے سامنے وقف کے دو نائب مقرر کئے تھے - اول مولوی محمد موسیٰ صاحب رئیس پٹنہ - اور دوم آن کے برادر خرد مسٹر محمد قاسم بیرسٹر - یہ دونوں بھائی کا رہرواز ریاست اور معاملات پر پورے طور سے قابض تھے - بی بی صفرا حرمہ کی رحلت کے بعد مولوی محمد موسیٰ نے ایک وصیت نامہ نکالا اور اسکے رو سے متولی وقف ہو گئے - اس وصیت نامہ کے متعلق بعض شرفاء بہار نے مقدمہ دائر کر دیا - اور متولی صاحب کو سخت مطعون کیا - مگر مولوی موسیٰ صاحب نے صلح کر کے مقدمہ اٹھوا دیا - وقف کو اس نزاع میں یہ نقصان اٹھانا پڑا - کہ اسکی آمدنی مصارف خیر و جائز کی جگہ مقدمہ بازی میں آڑی اور کچھ بد طینت اشخاص متولی کو دھمکی دیکر اس سے رقیب حاصل کرتے رہے - اور کچھ ملازمین ریاست نے دست برد کی - مولوی موسیٰ مرحوم فوت ہو گئے - مسٹر محمد قاسم بیرسٹر سابق نائب دوم اب متولی ہوئے ہیں - اُنکے نائب مولوی محمد یوسف صاحب عرف ننھو مختار ہیں - مولوی موسیٰ مرحوم نے وفات سے تین سال قبل چند مخلص اور نیک نیت

اصحاب کے کہنے سے دو کام اچھے کر دئے تھے۔ ممکن ہے کہ یہ عمل اُنکے لئے تلافی مافات ہو سکیں۔ یعنی ایک انگلش مسلم بائی اسکول کے لئے چار سو روپیہ ماہوار وقف سے مقرر کر دیا۔ اور دوسرا ایک شفا خانہ انگریزی اور ویسی علاج کا کھول دیا۔ یہ دونوں کام بہار اور جوار کے لئے بہت فائدہ بخش ہیں۔ عربی مدرسہ ”مدرسہ عزیزہ اسلامیہ“ بی بی صفرا محمد کے سامنے سے جاری ہے۔ اس میں علوم عربیہ دینیہ، حساب، اُردو۔ حفظ و قرأت قرآن، اور خوش نویسی کی تعلیم ہوتی ہے۔ برائے نام انگریزی زبان بھی شامل ہے مگر شاید بھی کوئی پڑھتا ہو۔ مدرسہ میں اس وقت ۴۷ جماعتیں ہیں۔ ایک سواڑ تیس (۱۳۸) طلبہ ہیں۔ ۲۵ خاص لبتی کے۔ اور (۱۱۳) بیرونی جو دارالاقامہ میں رہتے اور کھانا کپڑا۔ کتابیں وغیرہ جملہ سامان مدرسہ سے ملتا ہے۔ عمارت مدرسہ نہایت خراب اور غیر مسلسل۔ معمولی حجرے ہیں۔ انہیں کئی کئی طلبہ بند رہتے ہیں۔ صفائی اور حفظان صحت کا کوئی اہتمام نہیں۔ نہ تربیت کا خیال ہے۔ مدرسہ پندرہ ^{۱۵} ہیں۔ ایک ناظم مدرسہ۔ دو تالیق۔ دو چیراسی۔ پانچ باورچی۔ ایک خادم۔ ایک مہتر۔ دو کمار ہیں۔ مدرسین کوئی قابل اور عالی خیال نہیں طلبہ طبق پرست۔ دس سال کے عرصہ میں صرف تین طلبہ یہاں سے دستارِ فضیلت باندھ کر نکلے ہیں۔

مدرسہ اور دارالاقامہ کا مجموعی خرچ ایک ہزار ایک سو روپیہ آٹھ آنہ ماہوار ہے۔ تنخواہ مدرسین و ناظم و ملازمین وغیرہ صحابہ ماہوار۔ اور اخراجات طلبہ طعام و لباس وغیرہ مع جملہ ضروریات۔ للعمامہ روپیہ ماہوار۔

میری رائے میں اس وقف کی خرابی شرفاء و معززین بہار کی عام غفلت اور عدم توجہ کا ثبوت ہے۔ انہیں دین پروری اور صداقت کا جوش ہوتا تو متولی مصارف وقف میں کوتاہی نہیں کر سکتا تھا۔ آج بھی اگر تمام حضرات بہار

اخلاص و صاحت اندیشی کو مری رکھ کر اسپر آمادہ ہو جائیں کہ اپنے یہاں کے ایک قیمتی کار خیر کے معرفت کو درست رکھیں گے۔ تو انشا اللہ اس وقت سے انکو بیش از بیش فوائد منافع حاصل ہونگے اور انکی اسلامیت صحیحہ کا جلوہ دنیا پر عیاں ہو جائیگا۔ ورنہ جس طرح دنیا کے ہر حصہ میں مسلمانوں کے کام تباہ و ابتر پڑے ہیں اور اوقاف کے مصارف زبون و بے محل ہو رہے ہیں ویسے ہی یہ وقف بھی نام کار بھیگا اور کام نہ آئیگا۔

چار بجے شام کو مدرسہ ابتدائہ قومیہ کو دیکھنے گیا۔ شیخ ظفر احمد صاحب بی۔ اے۔ بی۔ ایل۔ سے وعدہ ہوتا۔ اور وقت دیکھا تھا۔ یہ مدرسہ محلہ شیخانہ میں ہے۔ نور باف بہائیوں نے قائم کیا ہے۔ اردو فارسی۔ عربی اور حساب کی تعلیم ہوتی ہے۔ بنائے مدرسہ ۱۳۳۳ھ میں پڑی تھی۔ اب اجتماعتیں آسمیں ہیں۔ حفظ قرآن کی بھی ایک شاخ ہے۔ اور ایک شعبہ لڑکیوں کی تعلیم کا بھی ہے۔ ۸۳ لڑکے اور ۱۵ لڑکیاں تعلیم پاتی ہیں۔ عمارت سچتہ شاندار بن رہی ہے۔ ۹ کمرے تیار ہو چکے۔ بیچ کا ہال کمرہ اور سائبان بن رہا ہے۔ عام چندہ سے خرچ چلا جاتا ہے اور برادری کے تمام افراد پوری دل چسپی اور سرگرمی سے مدد دیتے اور کام کرتے ہیں۔ ملحقہ روپیہ مابانہ کا خرچ ہے۔ بارک اللہ سکرپری مدرسہ مولوی محمد حیات صاحب اور صدر انجمن مولوی علی حسن صاحب ہیں۔ آثار ترقی ہویدا ہیں۔

مخدوم سید شرف الدین بچپنی میری بہاری رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ محلہ خانقاہ قصبہ بہار میں ہے۔ اور مزار شریف آبادی سے باہر دکن کی جانب۔ خانقاہ قدیم منہدم ہو گئی تھی۔ اسوقت از سر نو تعمیر ہو رہی ہے۔ موجودہ سجادہ نشین صاحب ۳۶ سالہ جوان نیک مزاج۔ سیماے بزرگی رکھتے ہیں۔ یہ خاندان

بارہ پشت سے سجادگی پر قابض چلا آتا ہے۔ فرامین شاہی محفوظ ہیں۔ میں نے بھی انکو دیکھا۔ خاندان سجادگی کے ایک رکن سید علیم الدین صاحب رحم اپنے وقت میں نہایت با صفا بزرگ اور صاحب دل تھے۔ انہوں نے دربار دہلی سے اپنے حقوق تسلیم کر کے معافی کے کئی فرمان حاصل کئے۔ فرامین شاہ عالم بادشاہ کے ہیں۔ سلطنت انگلشیہ بھی انکی معافی کو قائم و مصدق رکھتی چلی آئی ہے۔ مخدوم شرف الدین؟ مخدوم نجیب الدین فردوسی دہلوی؟ کے مرید و خلیفہ ہیں۔ میں نے درگاہ کی بھی زیارت کی۔ اندر کے دروازہ پر نقاشا بنائے۔ اور مزار کے گرد احاطہ ہے۔ مزار کھلی جگہ میں بنا ہے۔ داہنے پہلو میں آپکی والدہ بی بی رضیہ عرف بڑی بوا کی قبر ہے۔ حال میں مزار کو آہنی کٹھرہ سے گہر دیا گیا ہے۔ اور اس کے اندر بہت سی قبریں ہیں۔ بیرون خطیرہ۔ ۵۰ قدم کے فاصلہ پر مخدوم صاحب کے وضو کرنے کی سنگی چوکی ہے۔ قبر پر گنبد چرخ ہی سایہ افکن رہتا ہے۔ صرف ایک شامیانہ سایہ کے لئے نصب رہتا ہے۔ اور زرکار سیاہ ساٹن کا قبر پوش اڑھایا رہتا ہے۔ مزار کے خطیرہ سے پچھم میں ۲۶ قدم پر مسجد بنی ہے۔ تقریباً دو سو سال کی تعمیر ہوگی۔ بانی کا پتہ نہیں ہر چار جانب والاؤں کا سلسلہ بنا ہے۔ مہمانان عرس انہیں قیام کرتے ہیں۔ حضرت زین بدر عربی؟ کا مزار بھی خطیرہ کے اندر ہے۔ آپ مخدوم شرف الدین کے خادم خاص و خلیفہ اور انکے ملفوظات اور بعض حصص مکتوبات کے مؤلف و جامع بھی ہیں۔

درگاہ کی زیارت کر کے تبرکات کی زیارت کی۔ اور ایک پارہ قرآن دکھایا گیا۔ کتابت اڑ گئی تھی اور بوسیدہ اوراق کی سادہ کتاب تھی۔ بتایا گیا کہ حضرت سیدنا امام علیہ السلام کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا مروز زمانہ

اور ہاتھوں کی رگڑ سے۔ کتابت محو ہو گئی۔ اسکے بعد مکمل مصحف خط کوفی میں لکھا ہوا دیکھا۔ یہ امام حسن سکریٰ کے ہاتھ کا لکھا ہوا بتایا گیا۔ کتابت نہایت نفیس ہے۔ ہندوستان میں یہ مصحف لاثانی ہوگا۔ مخدوم الملک کی تلامذت کا مصحف۔ آپکی ٹوپی۔ کرتہ۔ عبا۔ جانااز۔ تسبیح۔ اور ایک قلیجی دکھائی گئی جس سے بیعت کے وقت مرید کے موئے پیشانی تراش لئے جاتے تھے۔ عرس ہ شوال کو ہوتا ہے۔ تاریخ وصال ۸۷۲ھ ہے۔ تاریخ ولادت ۷۸۰ھ شرف آگین ۸۵۲ھ اور تاریخ وصال ۸۷۲ھ شرف ہجری ہے۔

درگاہ کے اولین دروازہ پر ایک کتبہ لگا ہے۔ تحریر۔ آیتہ الکرسی۔ دو نصرت اللہ و فتح قریب۔ اور چند اشعار پر مشتمل ہے۔ تاریخی قطعہ یا تاریخ نصب سنگ کتبہ کچھ نہیں معلوم ہوتی۔ درگاہ کے آخری دروازہ کے مابین جو حصہ ہے اسی میں یہ کتبہ لگا ہے۔ اور بتا دیتا ہے کہ بعد شاہ جہاں حبیب سوری چکلہ دار بہار نے یہ عمارت بنائی تھی۔ کتبہ میں یہ قطعہ منقوش ہے۔

قطعہ

بہ دور شاہ جہاں بادشاہ عدل گزین	حبیب سور بنا کرد حوض شرف الدین
و عید گاہ محلّی و فرش خشتی آن	بہ بست و ساخت بعون خدا می آن
ہزار و بیست و شش سال ہجرت سرور	چو شد تمام بجاہ صفر بخیر و ظفر

عید گاہ کے بعد نقار خانہ کا دروازہ ہے اور اس دروازہ کے قریب آزا و فقیروں کے ٹھہرنے کی جگہ۔ جسکی قدیم عمارت اسماعیل سیلاب میں منہدم ہو گئی تھی۔ اب از سر نو بنی ہے۔

سید عبدالمجید صاحب السیکر آبکاری وزیریندار بہار کے پاس ۱۶ مئی ۱۸۵۵ء کا چھپا ہوا ایک اردو اشتہار منجانب گورنر جنرل بہار

کلکتہ۔ اور ایک خاص خط والیس رے کا دیکھا۔ یہ خط مع اشتہار مذکور سید عبدالحمد کے دادا سید شاہ داد کو زمیندار بہار کے نام آیا تھا۔ بہار میں یہ دوسری آردو زبان کی قدیم اور محفوظ تحریر میری نظر سے گزری۔

محله محل پیر۔ اس محلہ میں سادات جعفری رہتے ہیں۔ کئی خاندانوں سے ملنے گیا۔ حالات نسب سے بے خبر پایا۔ حالت معمولی ہے۔ صغرا وقف شیٹ انگلش ہائی اسکول بہار۔ ۲۔ جولائی ۱۹۷۱ء کو افتتاح ہوا۔ مولوی شمس الدین حیدر صاحب سابق سب ڈویژنل افیسر بہار کی پرزور تحریک اسکی وجہ قیام ہوئی۔ بہار کی بستی سے باہر ایک دو صد سالہ عمارت شیخ آباد میں واقع ہے۔ یہ عمارت للوے ماہوار کرایہ پر ہے۔ اسکول کی خاص عمارت نہیں اور نہ بننے کی امید۔ ۲۵۲ طلبہ ہیں۔ ان میں سے ۷۸ مسلمان ہیں اور باقی ہندو۔ چودہ

مدرسین میں سے بارہ مسلمان ہیں اور دو ہندو۔ ایک کلرک۔ ایک ایکٹری۔ دربان۔ پیون۔ اور پانی لانے والا۔ چھ سوروپہ اسٹاف کی اور للوے روپہ دیگر ملازمین کی ماہوار تنخواہ ہے۔ اسٹاف میں چار گرانجویٹ ہیں۔ وقف اسٹیٹ سے تین سو روپہ ماہانہ اور قیس سے پانسو روپے ماہوار آمدنی ہوتی ہے۔ جملہ آمدنی لائسنس اور خرچ ساللے روپہ ماہوار ہے۔ ایک سو چوہتر روپہ ماہوار کی بچت سے مدرسہ کا دیگر سامان جہیز کیا جاتا ہے۔ انتظام ایک کمیٹی کے ماتھے میں ہے۔ اسمیں دس ممبر ہیں۔ سکریٹری اسکے مسٹر محمد حسن صاحب زمیندار ہیں۔

قصبہ بہار سے متصل ایک چھوٹی سی پہاڑی ہے۔ یہ پیرپہاڑی کہلاتی ہے۔ اسپر شہیدوں کے مزار ہیں۔ اور کہا جاتا ہے کہ ملک بختیار خلجی کا مزار بھی اسی پر ہے۔ مگر اسکی کوئی تاریخی سند نہیں ہے۔ پہاڑی کے اوپر جا کر دیکھا۔ بالائی

چوٹی پر گنج شہیداں ہے۔ اینٹوں کی چار دیواری اور متحدہ گنبد بنے ہیں مگر سب شکستہ ہو گئے ہیں۔ ایک مقبرہ بڑی بڑی ترخ اینٹوں کا بہت خوبصورت بنا ہے۔ اس پر ایک ہی گنبد ہے۔ یہ مقبرہ ملک سید ابراہیم عرف غازی ملک کا ہے۔ اور اس میں انہیں کے اہل خاندان مدفون ہیں۔ گیارہ قبریں اسکے اندر ہیں۔ دروازہ پر بلوچ سنگ لگی ہے اور اس پر حرب ذیل قطعہ تاریخ کندہ ہے۔

قطعہ

کوسم تیغ او سپہر انگلند آفتاب در عالم بقاش شود مبت شکن خطاب رستم بہ تب فتاد و بہمن بہ سوز تاب آخر ز کوہ ساخت سراپردہ حجاب چوں حل رفت در دل سنگ از برائے خواب وز سال بعد بقصد و پنجاہ سہ حساب	اس مقطع بہار ملک سیف دولت است بت را ہمیشہ شکستہ جو ہننام خویش تا صفدار و صف شکن چو صف آراستہ بحرب خورشید گرچہ لشکر سیارہ را شکست تاریخ آفتاب کہ یکشنبہ از جہاں بود از مہ معظم ذی الحجہ ^{۱۳} سیردہ
---	---

اس پہاڑی کی چوٹی سے گرد و پیش نظر ڈالی جائے تو عجیب و غریب منظر دکھائی دیتا ہے۔ ایک طرف قصبہ کی آبادی کا نظارہ تو دوسری طرف کی سمت میں بہتی ہوئی ندی کا سین ندی کے کنارے پر دور تک لہلہاتی ہوئی کھیتی جذب نظر کا سبب ہے۔ واقعی ایک دلچسپ جگہ ہے۔ قصبہ بہار کی آبادی کا ہر ایک محلہ ایک دوسرے سے الگ ہے۔ بچ میں باغات اور کھیت واقع ہیں۔ ایک محلہ سے دوسرے محلہ میں جانا ہو تو سواری کی ضرورت پڑتی ہے۔ قصبہ میں انگریزی تعلیم کا اچھا چرچا ہے۔ مگر یہ دیکھ کر افسوس ہوا کہ باوجود زیور تعلیم سے آراستہ اور جدید روشنی سے منور ہونے کے قومی درد اور احساس بہت کم۔ گویا نہیں ہے۔ حصول تعلیم کا مدعا لازمت اور عیش و عشرت سمجھا جاتا ہے۔ خدا رحم فرمائے

اور توفیق خیر بخشے۔

خان بہادر نواب سید نصیر الدین احمد خان صاحب - رئیس - ساکن محلہ میر داد - بہار - ضلع پٹنہ - ۱۸۹۵ء میں خان بہادر اور ۱۹۱۳ء میں نواب پٹنہ مدرسہ اسلامیہ حسین بی بی - صفرائی بی بی کی ساس نے اس مدرسہ کے لئے دو ہزار روپیہ سالانہ آمدنی کی جائداد ۱۳۲۶ھ میں وقف کی ہے۔ اور دیگر مسلمانان بہار بھی اسمیں اعانت فرماتے ہیں۔ مدرسہ ۱۳۱۸ھ میں مولانا وحید صاحب نے قائم کیا تھا۔ اس وقت کل ۱۰۶ طلبہ ہیں۔ انہیں سے ۱۵ - دارالافتاء میں رہتے ہیں۔ تعلیم درس نظامیہ کی ہے۔ اور اسکے ساتھ حساب اور ہندی - اسکا انتظام اور یہاں کی تعلیم مدرسہ غزنیہ سے بہتر ہے۔ مدرسین سات اور دیگر ملازمین چھ ہیں۔ تنخواہ مدرسین مالوہ ۱۵۰۰ اور دیگر ملازمین ۷۵ روپیہ ماہوار۔ اور طلبہ کا خرچ پچیس روپیہ ماہوار۔ جملہ مالوہ ماہوار کا خرچ ہے۔ حفظ قرآن کا درجہ بھی ہے۔ اور بہت کامیاب۔ اس مدرسہ پر جو جائداد وقف ہے اسکے منتظم بھی صفرائی اسٹیٹ وقف کے متولی صاحب ہیں۔

شفاف خانہ وقف صفرائی بی مرحومہ - قائم شدہ ۱۳۳۶ھ - اسمیں ایک طبیب ایک ڈاکٹر - ایک ڈریسر - دو عطار - ایک کھار - ملازم ہیں۔ ساتھ روپیہ ماہوار دو کی قیمت کے لئے ملتے ہیں۔ اور ۱۵۰۰ روپے متفرق اخراجات کو جملہ خرچ مالوہ ماہوار ہے۔ روزانہ ۱۰۳۰ مریض کا اوسط ہے۔ سال میں چالیس ہزار مخلوق خدا کو اس سے فیض پہنچ جاتا ہے۔ وقف کا یہ کام قابل قدر ہے۔ میں بہار ہی میں تھا کہ ۱۷ - نومبر کو مولانا سید سلیمان ندوی کے وہاں آنے کی خبر سنی۔ محلہ جھینسا پور میں ان سے ملنے گیا۔ مولانا اپنے وطن قصبہ حسنہ جلنے کے لئے تیار تھے۔ مجھ سے دوسرے دن حسنہ آئیکا وعدہ لیا اور روانہ ہو گئے۔

۱۸۔ نومبر۔ صبح کو بہار سے دسٹہ روانہ ہوا۔ راستہ میں قصبہ ستہا ڈاں پڑتا تھا۔ اپنے کرم فرما سید عبدالغنی واریٹی مرحوم کی یاد نے بے چین کر دیا۔ اُنکے مزار پر فاتحہ خوانی اور دوا شک محبت کی نذر چڑھا نا ضروری تھا۔ مولوی صاحب مرحوم ریاست حیدر آباد دکن میں مددگار صدر محاسب تھے۔ ایک سال ہوا پنشن لیکر وطن آئے تھے۔ چھ ماہ ہوئے رہ گئے عالم بقا ہوئے۔ خدا مغفرت کرے عجیب زندہ دل اور بااخلاق بزرگ تھے۔ ذی علم۔ صاحب قلم۔ حیدرآباد میں انکی ہنشینی کا لطف حاصل رہتا تھا۔ امام شترانی کی کتاب کا ترجمہ اردو میں فرمایا۔ دولت عظمیٰ نام ہے۔ تین حصوں میں مشائع ہوا۔ ”فتح اندلس“ عربی کا بھی اردو میں ترجمہ کیا جو مطبع دالناظر، لکھنؤ میں چھپ رہی ہے۔ مولوی محمد سرفراز مختار نائب اول متولی صغرا وقت اسٹیٹ بہار۔ کامکان اسی قصبہ میں ہے۔ کچھ دیر وہاں ٹھہر کر فاتحہ پڑھا اور چار بجے شام کو دسٹہ پہنچ گیا۔ تھانوال اور دسٹہ دونوں بسٹیوں میں سادات کرام اور ملک شرفاء کی آبادی ہے۔ دسٹہ میں سید صدر الدین صاحب کی اولاد کا سلسلہ نسب سادات بارہا کے ساتھ ملتا ہے۔ اور سید حسن خٹک سواراجپوری کی اولاد بھی ہے۔ دسٹہ نہایت مردم خیز بستی ہے۔ مولوی سید سلیمان ندوی دستوی خلیفہ شمش العلماء شبلی نعمانی۔ اسی خاک کے ہونہار فرزند ہیں۔ انہیں کامہان ہوں بفضل خدا اس چھوٹی سی بستی میں علم کی بہتات ہے۔ آٹھ دس گراجوٹ۔ پندرہ بیس علماء۔ پندرہ بیس حکیم و طبیب۔ دو تین ڈاکٹر۔ اس وقت موجود ہیں۔ جو صوبہ بہار کے مختلف اضلاع میں فیض رسانی علم و ہنر فرما رہے ہیں۔ ۱۸۹۹ء میں ایک انجمن اصلاح کے نام سے قائم ہوئی۔ اسکی دو شاخیں ہیں۔ اغراض و مقاصد۔ اصلاح رسوم۔ اشاعت تعلیم۔ اور امتحان کے ذریعہ

علمی مذاق کی افزائش ہے۔ کتب خانہ میں آرد و کتابوں کا نادر ذخیرہ موجود ہے (۵۰-۳) کتابیں آرد و زبان کی ہیں۔ تمام آرد و رسائل و اخبارات جو ہندوستان میں جاری ہوئے سب کے محفوظ فائل موجود ہیں۔ اَلَا ماشاء اللہ۔ انجمن کی ایک شاخ کتب خانہ ہے۔ چالیس کے قریب ممبر دور و پیہ لانہ فیس عطا کرتے ہیں۔ سالانہ تین سو کتابوں کی اوسط سے ذخیرہ میں اضافہ ہوتا ہے۔ دوسری شاخ ایک ابتدائی مدرسہ ہے۔ آردو۔ ہندی۔ انگریزی۔ فارسی حساب۔ اور قرآن کریم کی تعلیم سات سال میں اتنی دیدی جاتی ہے کہ یہاں کا فارغ شدہ طالب علم گورنمنٹ اسکولوں کے چوتھے درجہ میں لیلیا جاتا ہے۔ مدرسہ میں چار استاد ہیں۔ انکی مجموعی تنخواہ صرف مائے ماہوار ہے۔ جملہ للہ ماہوار خرچ میں اس قدر بہتر کام ہو رہا ہے کہ باید و شاید۔ آمدنی فیس تین و پیمہ ماہوار اور گورنمنٹ کی امداد سے ماہوار ہے۔ باقی خرچ انجمن اصلاح ادا کرتی ہے۔ انجمن میں پانچ سو روپے سرمایہ محفوظ کے طور پر موجود رہتے ہیں۔ سوسائٹی نہایت اعلیٰ درجہ کی ہے۔ مسجد مختصر۔ لیکن خوبصورت اور بہت بلند جگہ پر واقع ہے۔ سامنے ندی کی روانی لطف دکھاتی ہے۔ گانوں کا منظر بھی دلکش ہے مولوی سید سلیمان صاحب کے خاندان میں فن طب تیرہ پشت سے چلا آتا ہے۔ آپ کے والد ماجد قصبہ اسلام پور میں طب فرماتے ہیں اور برادر کلاں دسٹہ خاص میں فیض رساں ہیں۔ آپ کے دادا صاحب کی تصنیف کا ایک قلمی نسخہ میں لے دیکھا۔ اسمیں اولیاء اللہ ہندوستان کے نام اور پتے درج ہیں۔ میں نے اسکی نقل سید صاحب سے مانگی ہے اور کئی تصانیف فن طب میں ہیں۔ مگر سب قلمی۔ ۲۰۔ نومبر کو دسٹہ سے واپسی ہوئی۔

۲۲۔ نومبر ڈاک کے خطوط سے مجھے سہراب علی خاں صاحب کے پدربزرگ

خان زماں خاں صاحب مرحوم کی خبر رحلت معلوم ہوئی۔ انا قد وانا الیہ راجعون۔ بڑی خوبی کے بزرگ اور عالی حوصلہ رئیس تھے۔ ۱۶۔ نومبر کو رحلت کی۔ خدائے پاک مغفرت فرمائے۔ دوست کی تعزیت تو کر دی۔ لیکن تعلقات کی وجہ سے خود اسکا محتاج ہوں۔

ڈاک دیکھ کر دل پر جو صدمہ ہوا تھا اسکو دور کرنے اور اپنے حواس بجا کر سکنے کے لئے راجگیر کی سیر کو چلا گیا۔ گیارہ بجے قبل دوپہر راجگیر پہنچا۔ یہ سلسلہ کوہستان بندھیا چل کا ایک پہاڑ ہے۔ سرسبز اور دلکش مقام ہے۔ متبرک بھی ہے۔ اور گرم چشموں کی وجہ سے صحت افزا جگہ۔ اکثر مریض ان چشموں میں غسل کرنے آتے ہیں۔ ہندو مسلمان دونوں اسکو بابرکت جگہ مانتے ہیں۔ ہندو بہت زیادہ۔ اور مسلمان حضرت مخدوم الملک کے چلہ کی وجہ سے۔ یہ چلہ دامن کوہ میں۔ ریلوے اسٹیشن سے ایک میل کے بعد پر ہے۔ یہاں مسافر خانہ بنا ہے۔ کچھ زیادہ آرام دہ نہیں مگر کام چل جاتا ہے۔ ۱۹۱۶ء میں دروازہ کی نئی تعمیر شمس الدین حیدر صاحب نے کی ہے۔ اسوقت میں صفدر صاحب کلال۔ ایک مختصر مگر دو منزلہ مسافر خانہ بنوا رہے ہیں۔ حجرہ مخدوم الملک اصل میں پہاڑ کی ایک کھوہ ہے۔ جس میں دیواریں بنا کر اور دروازہ لگا کر حجرہ بنالیا ہے۔ اس کے دروازہ پر محمد الرسول اللہ منقوش ہے اور اس کے نیچے ”سید شاہ محمد علی فتحپوری ۱۵۲۰ھ“ لکھا ہے۔

راجگیر پہاڑی کے دامن میں ۲۴-۲۵۔ گرم پانی کے چشمے بنے ہیں۔ ان میں سے ۲۳۔ ہندوؤں کے قبضہ میں ہیں مشہور چشموں کے نام۔ برہمن کنڈ۔ ست دہروا کنڈ۔ بیاس کنڈ۔ ماری کنڈ۔ گنگا جمن کنڈ۔ کندھی کنڈ ہیں۔ ان کنڈوں کے پاس ایک مسجد بھی ہے۔ اسپر کوئی کتبہ نہیں۔ اور ہندوؤں کے

بہت سے مندر ہیں۔ اس جگہ سے تھوڑے فاصلہ پر۔ سورج کنڈ۔ چند رمان کنڈ۔ گوہلمی کنڈ۔ وغیرہ ہیں۔ برہمن کنڈ کے علاوہ اور سب کنڈوں میں مسلمانوں کو غسل کرنے کی پروا لگی ہے۔ ہر تیسرے سال ماہ گونڈ میں بہت بڑا میلہ اور جائزہ ہوتا ہے۔ ہندو جاڑی بکثرت تمام آتے ہیں۔ پہاڑ پر چار پانچ مسلمانوں کے مقبرے بنے ہیں۔ یہ نہیں معلوم ہوتا کہ کب بنے اور کس کے مدفن ہیں۔ مندروں کی تعداد سیکڑوں سے متجاوز ہے۔ ان کے متعلق بھی پتا نہیں چلتا کہ ہندوؤں کی کس قوم اور گوتے بنوائے۔ تمام گرم چشموں میں نالیوں کے فروجہ سے پانی آتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے باقاعدہ نالیاں بنوائی ہیں۔ دو سا فرخانے جینی قوم کے ہیں۔ انہیں کسی سلمان کا گزر نہیں ہو سکتا۔ ہندوان چشموں میں غسل کرنے کو پاکی کا وسیلہ مانتے ہیں۔ حضرت مخدوم رحیم چٹہ میں بھی نیلگرم پانی کا چشمہ بنا ہے۔ اکثر بیچارے غسل کر کے تندرستی پاتے ہیں۔ ست دھروا میں ایک بڑی نالی مریمان گٹھیا کے لئے مخصوص ہے۔ ڈاکٹروں کی رائے میں اس پانی کا تعلق گندھک کے مادہ سے ہے۔ ماہ نومبر سے ماہ فروری تک اس جگہ کا موسم بہت اچھا رہتا ہے اور بکثرت آمد و رفت مردم کی وجہ سے بہت رونق رہتی ہے۔ میں دو دن وہاں رہ کر بارہا میں واپس آیا اور شب باشی کے بعد ۲۵۔ نومبر کو پٹنہ میں آگیا۔ دسمبر تک یہاں رہ کر کام کرنا منظور ہے۔

پٹنہ۔ کام آغاز کر دیا ہے۔ مگر ابھی چلتا نہیں۔ لوگوں سے ملتا رہتا ہوں۔ مسٹر مظہر الحق صاحب پیرسٹر سے ملا۔ آپ شیخ فاروقی ہیں۔ حالات نسب پوری طرح معلوم نہیں۔ اصلی سکونت مظفر پور کی ہے۔ آپ کے دادا صاحب ضلع پٹنہ میں شادی کر کے یہیں رہ پڑے۔ آپ کے والد کی شادی فرید پور ضلع چہرہ میں ہوئی۔ انہوں نے وہیں قیام کیا۔ مکان بنوا لیا۔ باغ لگایا۔ اب

زیادہ تعلقات فریدپور میں ہیں۔ آپ نے ۱۹۱۱ء میں بیرسٹری پاس کی۔
 پٹنہ میں تین سال ناکام پریکٹس کے بعد سیتاپورادوہ میں منصف ہو کر گئے۔
 چار سال بعد نوکری چھوڑ دی اور چیپرہ میں بیرسٹری کرنے لگے۔ ۱۹۱۳ء میں کلکتہ
 کے واقعہ ہائلڈ کے مابین مسلمانوں کا ساتھ دیکر نام پیدا کیا۔ ۱۹۱۵ء میں اجلاس
 مسلم لیگ بمبئی کے صدر ہوئے۔ کانگریس کے ممبر تھے۔ ۱۹۱۲ء میں اس کی
 استقبالی کمیٹی پٹنہ کے صدر ہوئے تھے۔ ۱۹۱۱ء سے سنہ رواں تک آئرلینڈ
 ممبر کونسل وائسرائے ہیں۔ ۱۹۱۲ء میں قسطنطنیہ کا سفر کیا۔ ۱۹۱۴ء پٹنہ
 یونیورسٹی کی سنیٹ اور سنڈیکٹ کے ممبر ہوئے۔ ولادت ۱۸۶۶ء کی ہے۔
 اب ۵۲ سال کے ہیں۔ ایک سال ہوا جلسہ بدرالدین طبیب جی بمبئی کی
 بیٹی سے تیسری شادی کی ہے۔ سابق بی بی سے دو لڑکے حسن اور حمین ہیں۔
 انگریزی طرز معاشرت کے پابند۔ مگر دل میں قوم اور اسلام کا درد ہے۔

مسٹر محمد یونس صاحب بیرسٹر۔ ساکن موضع پتھرا ضلع پٹنہ۔ ۲۷۔
 جنوری ۱۹۰۶ء میں سند بیرسٹری لی۔ آپ بہارینگ مین ایسوسی ایشن کے
 سرگرم ممبر ہیں۔ اور چار سال متواتر اسکے سکریٹری رہے ہیں۔ ایسوسی ایشن کی
 خاص عمارت آپ ہی نے بنوائی۔ پٹنہ میں معقول پریکٹس کرتے ہیں۔

مسٹر سید سلطان احمد صاحب بیرسٹر۔ ساکن موضع پانی۔ خان بہادر
 قاضی خیرات احمد صاحب کے فرزند ہیں۔ نوجوان عالی منش۔ اور درو مند دل
 رکھتے ہیں۔ ۱۹۰۵ء میں بیرسٹر ہوئے۔ ۱۹۰۸ء بنگال مسلم پرافیشنل لیگ کے
 سکریٹری ہو کر ۱۹۱۳ء تک اس عہدہ پر رہے۔ تین سال تک مسلم یونیورسٹی
 ایسوسی ایشن کے ممبر رہے۔ وقت قیام سے بہار پٹنہ یونیورسٹی کے فیلو ہیں۔
 ۱۹۱۱ء میں ڈپٹی لیگل ریمیمبر بنگال اور ۱۹۱۳ء میں ڈپٹی لیگل ریمیمبر نسر

بہار ہوئے۔ ۱۹۱۶ء اسٹینٹ گورنمنٹ ایڈوکیٹ اور ۱۹۱۷ء سے گورنمنٹ ایڈوکیٹ پٹنہ ہیں۔ موضع پانی ضلع گیا وطن ہے۔ ابھی بالکل نوعمر ہیں۔ آپ کے تقرر کے وقت ”پانیئر“ نے لکھا تھا کہ اس عمر اور اس اسٹینڈنگ کا کوئی گورنمنٹ ایڈوکیٹ نہ اب تک ہوا اور نہ ہے۔

مسٹر سید حسن امام صاحب۔ شمس العلماء نواب سید امداد امام صاحب کے دوسرے بیٹے۔ خاندان رئیسان نیورہ کے رکن رکیں۔ ۱۸۹۲ء میں بیرسٹر ہوئے اور پٹنہ میں کام شروع کیا۔ ۱۹۱۱ء میں کلکتہ ہائی کورٹ میں پریکٹس آغاز کی۔ اور جنوری ۱۹۱۲ء میں اسی ہائی کورٹ کے جج ہو گئے۔ چار سال چند ماہ ججی کر کے ۱۹۱۶ء میں خود ہی استعفا دیدیا۔ ترک منصب رفیع کی یہ پہلی مثال ہے۔ اسکے بعد پھر پٹنہ ہائی کورٹ میں بیرسٹری کرنے لگے۔ کانگریس کے مستقل حامی اور ممبر ہیں۔ اگست ۱۹۱۸ء میں بمقام بمبئی لارڈ مانڈیو لارڈ منٹو اور لارڈ مارلے کی ریفرم اسکیم کے سودہ پر غور کرنے کے لئے جو کانگریس کمیٹی کی خاص سٹینگ ہوئی اس کے آپ ہی پرینیڈنٹ تھے۔ آپ کے صدارتی ایڈرس پر اخبارات نے صدائے مرحبا بلند کی۔ ”تریج لائنٹ“ پٹنہ۔ ہندو مسلمانوں کا مشترکہ اخبار۔ آپ ہی کی کوشش سے شائع ہوا۔ ۱۹۱۱ء سے علی گڑھ کالج کے ٹرسٹی ہیں۔ ہندو مسلم اتحاد کے لئے کوشاں اور خود اسکے نمونہ ہیں۔ پٹنہ میں سب سے بہتر پریکٹس آپ کی ہے۔ عمر ۴۴ سال ہے۔ خاص قومی معاملات میں پوری دلچسپی تو نہیں لیتے مگر شرکت میں کلام نہیں۔

۱۰۔ دسمبر ۱۹۱۸ء۔ شمس العلماء حافظ محب الحق صاحب اور مولوی

سید سفیر الدین صاحب کو ساتھ لے کر شہر پٹنہ میں آیا۔ سید محمد ابراہیم حسین صاحب رئیس ٹیڑھی گھاٹ کے یہاں قیام ہوا۔ لب دریاے گنگا نہایت

دلکشا مقام پر مکان بنوایا ہے۔ آپ کے مورث اعلیٰ سید محمد و سید احمد علیا سے موضع شیخوہ میں آکر آباد ہوئے تھے۔ سید محمد صاحب کا بیوند محمد و سید بدر الدین عالم زاہدی کی دختر سے ہوا۔ ان سے جو خاندان چلا وہ شرف پیر زاوگی کا حامل ہے۔ موجودہ خاندانی ریاست ان کے پردادا صاحب نے اپنے نانہال سے پائی ہے۔ جو پیر فضل اللہ عرف پیر گوسائیں کا خاندان تھا۔ پیر گوسائیں کا مزار محلہ بارہ درہی قصبہ بہار میں ہے۔ ان کے پوتے سید تقی درویش۔ فرخ سیر بادشاہ دہلی کے پیر تھے۔ پہلے آپ موضع بی بی پور میں رہتے تھے۔ اب مقیم پٹنہ ہیں۔ آپ دو بھائی ہیں۔ ایک بہائی سید یوسف حسین صاحب نے ولایت میں تحصیل علم کی ہے۔ آپ کے بہنوئی سید عبد المجید صاحب بھی بہت خوبی کے آدمی ہیں۔

۱۱۔ دسمبر۔ شہر پٹنہ کی شاہی اور قدیم و جدید عمارتوں کی سیر کی۔ پہلے پگوا حجام کی مسجد دیکھی۔ شکستہ حالت میں ہے۔ اور معمولی آباد، اگرچہ عین بازار میں ہے۔ مرمت طلب بہت ہے۔ فرش پر چینی کا کام تھا۔ اب نابود ہو گیا ہے۔ چھوٹی سی لداؤ اور گنبد کی عمارت ہے۔ سلطان علاؤ الدین کے عہد میں بنی۔ کتبہ میں اوپر در عہد المظفر سلطان حسین ورشتہ و عشرون و تسعمائے عربی میں لکھا ہے اور اس کے نیچے فارسی کا یہ قطعہ تاریخ ہے۔

قطعہ

معبودے در شہر پٹنہ خوش نمائے	ساختم پیک محمد نیک راے
مسجد زیبا و درویشیں شد بنائے	گفت معمار خیر و تاریخ آن
(۲) فخر الملک کی مسجد۔ اندر سے دیکھ نہیں سکا۔ موذن مقفل کر کے چلا گیا تھا۔ یہ بھی شکستہ حال اور مرمت طلب ہے۔ لداؤ اور گج کی عمارت ہے۔	

قطعہ تاریخ حسب ذیل ہے۔

قطعہ تاریخ

بناے مسجد پاکیزہ بنیاد مرتب گشت اجرش بشیر باد کہ اوراداد این دولت خدا داد برای سال تعمیرش چو ارشاد بہ بخشا زین حیات خانہ آباد	بحکم صاحبہ فرخندہ آباد پسعی و کوشش حاجی سعادت تمام از دولت فیروز جنگ است رسیدہ از حضور اقدس او نمودہ سجدہ شکرانہ ساکن
---	---

(۳) غنبر کی مسجد۔ لداؤ کی پختہ اور عمدہ وسیع عمارت ہے اور خوب آباد ہے۔ جماعت نماز جمعہ بھی اسیں ہوتی ہے۔ بیچ کے گنبد میں رنگ آمیزی کے پھول بنے ہیں۔ نیچے کے کنارہ کے نزدیک سپیدی کی وجہ سے کچھ نقش مٹ گیا ہے۔ صحن میں ایک کنارہ پر وسیع حوض وضو کرنے کو بنا ہے۔ مسجد کے دو درجے ہیں۔ برآمدہ کے درخوب وسیع بلند۔ اور خوشنما ہیں۔ موذن اور امام کے مکانات بھی بنے ہیں۔ قطعہ تاریخ یہ ہے۔

قطعہ تاریخ

شاہ عالمگیر غازی ذوالکرم مسجدے نو ساخت در بیت الحرم معدن فیض الہی۔ زور قلم ش۔ ۵۔ ۱۰	در زمان بادشاہ دیں پناہ خواجہ غنبر ناظر شایستہ خاں مظہر الحق سال تاریخ بناش
--	---

(۴) مدرسہ کی مسجد۔ نہایت عالی شان۔ گنبد والی لداؤ کی مستحکم
اسے قطعہ میں نقل کی غلطی معلوم ہوتی ہے۔ مادہ تاریخ کا پورا شعر ہے یا کوئی خاص جملہ۔ یہ باتیں
میرے علم سے باہر ہیں۔ جوں کا توں لکھ دیا ہے۔ مولف۔

عمارت ہے۔ اسکا منظر بچیدار دلکش ہے۔ شمال میں بالکل دریائے گنگا کے لب پر پختہ شاہی گھاٹ کے پہلو میں واقع ہے۔ صحن اور موقع مسجد بہت کشادہ ہے۔ گھاٹ کا بہت سا حصہ اب تو شکست اور منہدم ہو گیا ہے تاہم باقی ماندہ حصہ عمدہ اور درس عبرت دینے کے لئے کافی ہے۔ مسجد شیشہ و آلات سے آراستہ ہے۔ چھ سات ماہ سے ابتدائی مدرسہ بھی اسمیں کھول دیا گیا ہے۔ خود امام صاحب توجہ اور شوق سے تعلیم دیتے ہیں۔ اس مسجد کی بنا شاہ جہاں کے عہد میں اور تکمیل عہد شاہجہاں صاحبزادہ میں ہوئی۔ سیف خاں اسکا بانی ہے۔ کتبہ تاریخ محمد علی کشمیری خوشنویس نے اندر کے حصہ میں رنگ دار منقش حرفوں میں لکھا تھا۔ مگر نادان سپیدی کرتے والوں نے ایک قیمتی یادگار کو مٹا دیا۔ صرف ایک جگہ ”سیف خاں“ اور دوسری جگہ ”مہر تاریخ بگفتا کہ۔ مجموعہ خیر دنیا“ باقی رہ گیا ہے۔ اس مسجد کے جنوبی پہلو میں مدرسہ کی شاندار عمارت تھی۔ اس کو ہیبت جنگ صوبہ دار نے اپنے مکان سکونہ میں شامل کر لیا۔ مگر اب نہ وہ مکان ہے اور نہ اسکے مکین۔ صرف عمارت مدرسہ کے چند در کھڑے ہیں۔ سید سلیمان پیر سٹر حال حج ریاست گوالیار۔ جو مراح اللہ کی نواسی کے خاندان میں ہیں۔ اس مسجد کی مرمت کر دیتے ہیں۔ اور اسکے متعہد ہیں۔

ان مسجدوں کے علاوہ حاجی تاتار کی مسجد غیر آباد۔ بلا کتبہ ہے۔ اور شیر شاہ کی مسجد واقع محلہ دھولپورہ۔ نئے طرز کی عمارت تھی لیکن اس خراب حالت میں ہے کہ معاذ اللہ۔ اندر تمام کوڑا کرکٹ بھرا ہے۔ عمارت بالکل ٹوٹ پھوٹ گئی ہے۔ کتبہ کا پتا نہیں۔

خان بہادر نواب سرفراز حسین صاحب عباسی۔ آپکے بزرگ آغاز

عہد سلطنت انگلشیہ میں معقول جائداد پیدا کر گئے۔ لارڈ کلاؤ کے زمانہ سے آپکا خاندان پٹنہ میں رہتا ہے۔ کسی مورث اعلیٰ کو گورنمنٹ سے نواب کا خطاب ملا تھا وہ نسل در نسل اب تک چلا آتا ہے۔ آنریبری مجسٹریٹ۔ پریزیڈنٹ بیچ۔ اور میونسپل کسٹرن ہیں۔ چھ سال تک دومرتبہ کر کے بنگال کونسل میں مسلمانوں کے نمائندہ رہے۔ آل انڈیا مسلم لیگ کے پریزیڈنٹ ہوئے۔ کانگریس کے حامی ہیں۔ اور محمدن اینگلو عربک اسکول پٹنہ کے پریزیڈنٹ ہیں۔ آل انڈیا محمدن کچیشنل کانفرنس کے سرگرم رکن ہیں۔ خان بہادر ہیں۔ ۵۸ سال کی عمر ہے۔ شیعہ اثنا عشریہ ہیں مگر تعصب سے خالی۔ خوبیوں کے آدمی ہیں۔

سید محمد محبوب اشرف صاحب۔ محکمہ کنگھیا ٹولہ پٹنہ میں رہتے ہیں۔ آپ کے دادا نے یہاں قیام اختیار کیا تھا۔ حضرت سید نور العینؒ خواہر زادہ محمد دوم اشرف جہانگیر کچھو چھوئیؒ سے آنیسویں پشت میں ہیں۔ معقول زمینداری رکھتے ہیں۔

خان بہادر سید ضمیر الدین صاحب۔ بی۔ اے۔ محلہ میر داد بہار کے رہنے والے ہیں۔ سید سالار سمنانی کی اولاد ہیں۔ جو کہ بابر بادشاہ کے زمانہ میں وارد ہندوستان ہوئے اور کشمیر میں قیام کیا۔ بعد میں آن کا خاندان دہلی۔ اور پھر بانگرہ میں منتقل ہو تا رہا۔ سید محمد سرورؒ کی بہار میں قاضی اور خطیب مقرر ہو کر آئے اور جب تک عہد انگلشیہ میں مسلمانوں کو ان قدیم عہدوں پر بحال رکھا گیا۔ بہار کی فضا رت اور خطابت انہیں کے گھر میں رہی سید محمد سرورؒ کی شادی شیخ فرید طویلہ بخشؒ خلیفہ حضرت محبوب الہیؒ کے یہاں ہوئی تھی۔ خان بہادر سید ضمیر الدین صاحب ۱۹۱۷ء میں خطاب یافتہ ہوئے۔ چار سال تک ریاست بھوپال کے چیف سکریٹری رہ چکے ہیں۔ علم دوست ہیں اور قومی کاموں میں

اگر وہ گورنمنٹ کے زیر اثر ہوں تو حصہ لیتے ہیں۔ محض پبلک اور آزاد مشروعات قومیت کی طرف، خطہ بہار میں میلان کا احساس کسی کو نہیں، اِلَّا ماشاء اللہ۔ سچ کیدھی صوبہ بہار کے ممبر بھی ہیں۔ آنریری مجسٹریٹ اور میونسپل کمشنر ہر جگہ ہیں۔ اسوقت خانہ نشین ہیں۔ عمر آٹھ پچیس سال کی ہے۔

پھلواری شریف ضلع پٹنہ۔ مولوی سید فیروز الدین صاحب اور حافظ محمد صاحب کے ساتھ ۱۵۔ دسمبر کو پھلواری شریف آیا۔ غرس میں شرکت کرنا تھا۔ مولانا شاہ محمد سلیمان صاحب کا مہمان ہوا۔ اور آپکے مکان کے پاس ہی حافظ محمد زاهد صاحب کے گھر پر مقیم کیا گیا۔ اسوقت سے پچیس سال قبل پھلواری سادات و شیوخ کی پر رونق اور آباد بستی تھی۔ لوگ خوشحال تھے۔ علوم ظاہر و باطنیہ کی ضیاء سے منور جگہ تھی۔ علماء۔ اطباء۔ اور صوفیائے کرام کا اچھا مجمع رہتا تھا۔ ابتدائے عہد انگلشیہ میں یہاں کے شرفاء سرکاری بڑی ملازمتوں پر بکثرت مامور تھے۔ زمینداریاں بھی وسیع تھیں۔ لیکن اسوقت بجز مولانا شاہ سید بدر الدین قبلہ دم حرم، سجادہ نشین۔ اور مولانا شاہ محمد سلیمان صاحب پھلواری کے کوئی اور سربراہ اور وہ اور نامی شخص نہیں۔ بستی بھی بے رونق ہے۔ یہ قصبہ عہد سلطنت مسلمانان میں خطہ بہار کا ایک پرگنہ تھا۔ یہاں کی مسلمان آبادی کے پہلے سرگروہ سید منہاج الدین واریہ پھلواری ہوئے تھے۔ آپ حضرت مخدوم الملک بہار کی کے خلیفہ اور گیلانی الاصل تھے۔ آپ نے ^{۴۴}۸۰ء میں وفات پائی۔ تاریخ وصال معدن برکات ہے۔ فی الحال اس قصبہ میں جو زیادہ تر آبادی ہے وہ حضرت امیر عطاء اللہ کی اولاد میں سے ہے۔ امیر عطاء اللہ شیر شاہ سوری کے زمانہ میں کسی معزز عہدہ پر مامور تھے۔ ۴۴۹ھ میں فوت ہوئے۔ اسی گھرانے میں سید شاہ مجیب اللہ

قدس سرہ ایک ولی کامل ہوئے۔ آپکا سلسلہ قادریہ سے تعلق ہے۔ ولادت ۹۱۸ھ
 وفات ۹۱۸ھ۔ تاریخ ولادت پر فیوض، اور ”نائب ختم نبی“ مادہ تاریخ وصال
 ہے۔ آپکا وصال بستم ماہ جمادی الآخریٰ کو ہوا۔ مقبرہ نہایت عالیشان بنا ہے۔
 حضرت شاہ مجیب اللہ قدس سرہ کے وقت سے تعلیم و ارشاد روحانی کی
 مسند درس یہاں قائم ہو گئی۔ اور باضابطہ خاندان پیر زادگان کی بنا پڑ گئی۔
 بہار کے صوبہ میں فیض پھیلا۔ خانقاہ کو ہر ایک سجادہ نشین کچھ نہ کچھ سعت
 ہی دیتا گیا۔ وسیع قطعہ زمیں کو گھیر کے عمارتیں بنائی گئی ہیں۔ مہمان خانہ۔
 گمنشہ گھر۔ مسجد۔ خانقاہ۔ اور باورچی خانہ بنا ہے۔ خانقاہ کا صحن بہت
 کشادہ ہے۔ اس احاطہ کا دروازہ نہایت عالیشان ہے۔

موجودہ سجادہ نشین حضرت مولانا سید شاہ بدر الدین (مرحوم) صاحب
 آٹھویں سجادہ نشین ہیں۔ آپ عالم باعمل متقی اور فرشتہ خصال بزرگ ہیں۔
 معصومیت بشرہ سے عیاں ہے۔ سرکار نے شمس العلماء کا خطاب دیا تو بڑی
 مشکل سے اسکو قبول فرمایا۔ اور دربار و عدالت کی حاضری سے معافی ملنے پر
 آئینے بجز منظور فرمایا۔ سرکار سے جو پیش خطاب کے ساتھ ملتی ہے وہ بھی رد
 کر دی۔ نہ گورنمنٹ کی طرف سے کوئی معافی یا جاگیر ہے۔

پھلواری میں ہر مہینہ کوئی نہ کوئی عرس ہوتا ہی رہتا ہے۔ مگر ۱۲۰۱ھ
 ربیع الاولیٰ کو سرور کائنات رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا عرس سالانہ
 بڑی شان و شکوہ سے ہوتا ہے۔ بہت محقول مجمع ہو کر ایک میلہ کی ترکیب ہو جاتا
 ہے۔ دکانیں بھی آجاتی ہیں۔ تین چار دن تک جملہ شہر کا عرس اور دکانداروں کو
 کھانا دیا جاتا ہے۔ روزانہ تین سو من چاول کی بچت ہوتی ہے۔ گیارہ سو من بیج لائی
 کو بوقت چار بجے صبح قتل ہوتا ہے اور اسکے بعد قوالی کی مجلس بارہ بجے دوپہر تک

بارہویں تاریخ کی شب میں ذکر ولادت سرور کائنات صلعم ہوتا ہے۔ مولوی شاہ محمد سلیمان صاحب بیان فرماتے ہیں۔ آپ کا بیان اور وعظ تمام ہندوستان میں مشہور ہے۔ پھر بارہویں تاریخ ۴ بجے صبح کو دوسرا قتل۔ اور اسکے بعد قوالی ہو کر بارہ بجے دن کو آخری قتل پڑھا جاتا۔ اور مجلس برخواست ہوتی ہے۔ اس تاریخ کو بوقت ۳ بجے دن کے حضور انور صلعم کے موئے مبارک کی زیارت کرائی جاتی ہے۔ اس عرس میں بڑا مجمع ہوتا ہے۔ پٹنہ اور نواح پٹنہ کے تمام شرفاء و امکاں اس عرس میں ضرور شرکت فرماتے ہیں۔

اس وقت پھلواڑی کی آبادی میں تین خاندان بہت مشہور اور ممتاز ہیں۔ (۱) محمد دم سید راستی کا خاندان۔ (۲) امیر عطاء اللہ کا خاندان جس میں سجادہ نشین صاحب ہیں۔ اور (۳) سید حسین خنگ سوار کا خاندان جو نیوہ ضلع پٹنہ کے رئیس ہیں۔

ایک چھوٹی سی خوبصورت مسجد مسخ پتھر کی میان ہے۔ ہمایوں بادشاہ کی مسجد مشہور ہے۔ مگر حکیم محمد شعب صاحب یہاں کے ایک علم دوست نوجوان اسکو امیر عطاء اللہ کی تعمیر کردہ بتاتے ہیں۔ حکیم محمد شعب صاحب یہاں کے مفصل حالات ایک کتاب میں فراہم کر رہے ہیں۔ انکی تحقیقات یہ ہے کہ جب امیر عطاء اللہ شہر شاہ کے ساتھ دہلی میں تھے۔ اس وقت وہیں یہ مسجد بنوائی اور پھر اسکو یہاں لا کر تعمیر کرا دیا۔ ورنہ اس سرزمین میں سنگ ترخ کہاں ہوتا ہے۔ مسجد دہرے درجہ کی ہے اندر کے حصہ میں محرابی در ہیں اور باہر کا درجہ سائبان نمائے اور خوشنما سنگی پیلیا یوں پر استادہ ہے۔ اور اسکی چھت بھی سنگ ترخ کی پٹیوں سے بٹی ہے۔ قطع تاریخ عربی میں لکھا ہے۔ مگر اسمیں بانی کے نام کا پتا نہیں۔ قطعہ پورا پڑھا نہیں جا سکا۔ آخری مصرع جسمیں ماوہ تاریخ

ہے حسب ذیل پڑھایا گیا۔

وَأَعْبُدُوا اللَّهَ وَاسْجُدُوا قُرْبَ

۹۵۴ھ

مسجد کی چار دیواری۔ حوض و فوارہ۔ اور عالیشان دروازہ کے اب صرف نشانائے رہ گئے ہیں۔ مسجد بھی باہر سے شکستہ ہے لیکن اندر سے صاف ستھری۔ منظر اسکا دل فریب ہے۔ خوب لطف سے دو دن گزار کر ۱۷ دسمبر کی شام کو بانکی پور واپس آگیا۔

آنریبل مولوی سید شرف الدین صاحب۔ رئیس قصبہ نیورہ۔ ضلع پٹنہ۔ آپ حضرت سید حسین خٹک سوارنگی اولاد میں ہیں۔ مولوی فرزند علی صاحب مہر رشتہ دانے آپکو اعلیٰ تعلیم دلوائی۔ ولادت۔ ۱۰ ستمبر ۱۲۵۷ھ۔ اس وقت ۴۳ سال کے ہیں۔ ۱۲۸۷ھ میں بیرسٹر ہوئے۔ ایک سال تک چہرہ میں ابتدائی پریکٹس کر کے ہائی کورٹ کلکتہ میں کام شروع کیا۔ اور نہایت کامیاب ہوئے۔ پٹنہ میں ندوۃ العلماء کا جو اجلاس ہوا تھا اسکی استقبالیہ کمیٹی کے صدر آپ ہی تھے۔ ۱۲۹۷ھ میں ہائی کورٹ کلکتہ کے جج ہو گئے۔ اور ۱۹۱۶ء میں پٹنہ ہائی کورٹ کی ججی پر منتقل ہوئے۔ ۱۹۱۵ء میں ایگزیکٹو کونسل صوبہ بہار کے ممبر بنائے گئے۔ پانچ چھ سال تک بہار زمیندار ایسوسی ایشن کے سکریٹری رہ چکے ہیں۔ ۹ سال مسلسل پٹنہ میونسپلٹی کے نائب صدر رہے۔ چھ سات سال سے علی گڑھ کالج کے ٹرسٹی بھی ہو گئے ہیں۔ ۱۹۰۶ء میں دو سال تک صوبہ بہار کی طرف سے بنگال لیجسلیٹو کونسل کی ممبری کر چکے ہیں۔ ۱۹۰۶ء میں اجلاس آل انڈیا محمدن ایجوکیشنل کانفرنس منعقدہ ڈھاکہ کے صدر ہوئے۔ پٹنہ یونیورسٹی کے فیلو اور اسکی سینیٹ اور سنڈیکٹ کے ممبر

بھی ہیں۔ آپ حضرت حاجی سید دارث علی صاحب قدس سرہ دیوی کے نہایت صادق الحقیقت مرید ہیں۔ بیعت کا مادہ تاریخ عشق ہے۔ صوبہ بہار کے مسلمانوں میں سب سے اعلیٰ شخصیت اور انسانیت رکھتے ہیں۔ اخلاق خوش مزاجی۔ سادگی طبع اور بے تکلفی میں فرد فرید۔ اور عجیب کریم لہفات آدمی ہیں۔ قوی مہمات میں دلچسپی لیا کرتے ہیں اور بڑے وجہ ہیں۔ ۱۷۹۰ء

حافظ فضل حق صاحب آزاد یاکن شاہ بونیکہ ضلع گیا۔ آپ کے والد سید نور حسین صاحب ریاست در بھنگا میں منیجر ریاست تھے۔ آپ دو بھائی ہیں۔ بڑے آپ ہیں۔ اس وقت ۴۴ سال کی عمر ہے۔ شاعر بلند پایہ اور کمنہ مشق۔ بڑی خوبی کے آدمی ہیں۔

شمس العلماء حافظ محب الحق صاحب۔ حافظ فضل حق صاحب کے چھوٹے بھائی۔ عمر ۶۰ سال۔ مذہبی اور دینی رنگ میں رنگے ہوئے۔ بڑے با صفات آدمی ہیں۔ درویش مزاج۔ علم دوست۔ صاحب قلم۔ اور اخلاقی حیثیت سے نہایت پاکیزہ انسان ہیں۔ ۱۹۱۵ء میں بے طلب شمس العلماء ہوئے۔ ۱۹۱۷ء میں سرکار نظام دہلی سے آپ کے لئے ماحیسہ رہا ہوا بطور علمی وظیفہ کے مقرر ہوا ہے۔ ابتدا سے قیام ندوۃ العلماء سے اسکے سرگرم رکن ہیں۔ قرآن کریم بہت خوب یاد ہے۔ پٹنہ میں جلسہ قرآن کی بنا ڈالی ہے۔ زمانہ ایجوکیشنل کانفرنس بنگالہ منجانب گورنمنٹ میں آپ ممبر رہ چکے ہیں۔ لڑکیوں کے لئے ایک اردو کا قاعدہ اور ایک اور کتاب مذہب پر لکھی تھی۔ یہ دونوں شائع ہوئیں۔ گرامر نہیں ملتیں۔ دیگر تصانیف آپ کی مذہبی اور اخلاقی ہیں۔ (۱) میلاد النبی۔

۱۷۹۰ء صاحب مذکرہ افسوس ہے کہ اب دنیا سے رحلت کر چکے ہیں۔ صحیح تاریخ وفات نہ معلوم ہونے کی وجہ سے درج نہیں کر سکتا۔ مؤلف

(۲) الاخلاق - (۳) سندرا - (۴) پردہ سسٹم - (۵) دعوت الحق - (۶) ہمنیج الحق - آپ کے بڑے صاحبزادہ مسٹر سید محمد صاحب بیرسٹریں - انہوں نے ۱۹۱۳ء میں بیرسٹری پاس کی - اور دد لڑکے بھی تعلیم پڑھے ہیں -

سید علی امام صاحب بالقابہ - رئیس نیورہ ضلع پٹنہ - ولادت ۱۱ - فروری ۱۸۹۹ء - ۱۹۰۹ء میں بیرسٹری پاس کی - ۱۹۰۶ء پرینسپل ڈنٹ جلاس آل انڈیا مسلم لیگ منعقدہ امرتسر ہوئے - ۱۹۰۷ء کلکتہ یونیورسٹی کے فیلو ہوئے اور ۱۹۱۴ء تک رہے - علی گڑھ کالج کے ٹرینی ہیں - مستقل پرنسپل ڈنٹ پرائیویٹ مسلم لیگ صوبہ بہار - ۱۹۰۹ء میں بنگال لیجلیٹو کونسل کے ممبر اور کلکتہ ہائی کورٹ کے اسٹنڈنگ کونسل ہوئے - اور اسی سال لارڈ مارلے لارڈ منٹو ریفرم اسکیم کے متعلق مسلمانوں کے حقوق کی نگہداشت کے لئے انگلستان گئے - اسکیم مذکور کے قواعد متعلقہ مسلمانان کے بارہ میں آپ کو سر امیر علی ودیگر سربراہ اور وہ مسلمانوں سے اختلاف تھا - گورنمنٹ نے آپ کی رائے کو ترجیح دی - اور آپ ہی کی کوشش سے مسلمانوں کو سرکاری ملازمت میں پہلے سے زائد جگہ ملنے لگی - ۱۹۱۰ء میں آپ وائسرائے کی کونسل کے ممبر قانون ہوئے - اور اپنی قابلیت سے لارڈ ہارڈنگ کو اپنا اسقذر گر ویدہ اور مداح بنا لیا کہ لارڈ محمد وح نے دو تین بار بالا اعلان آپ کو اپنا داہنہ بازو فرمایا - دسمبر ۱۹۱۱ء میں سی - ایس - آئی کا خطاب پایا - اور ۱۹۱۴ء میں کے سی - ایس - آئی - ہو گئے - ۱۹۱۵ء میں ایکڑ کینٹونمنٹل وائسرائے کے وائیس پرنسپل ڈنٹ ہوئے اور اسی سہ ماہ میں اپنی مدت خدمت میں لارڈ ہارڈنگ کے حسب اصرار دو ماہ کی مزید توسیع منظور کی - وائسرائے کی کونسل سے علیحدہ ہو کر آپ ولایت چلے گئے - اور ۱۹۱۶ء میں وہاں سے واپس آ کر پریکٹس قانون کرنے لگے - لیکن پریکٹس اچھی نہیں چلی - آخر ۱۹۱۷ء میں آپ پٹنہ ہائی کورٹ کے جج

ہو گئے۔ اگست ۱۹۱۸ء میں بہار ایکڑ کیٹھو کونسل کے ممبر ہوئے۔ ۱۹۱۶ء سے یونیورسٹی پٹنہ کے فیلو۔ اور سینٹ اور سنڈیکٹ کے ممبر ہیں۔ آپ کو تعلیم نسواں سے خاص دلچسپی ہے۔ اور ایکڑ زمانہ کالج قائم کرنے کا بہت خیال ہے۔ اپنے گھر میں پردہ نہیں رہنے دیا ہے۔ زمانہ کالج کے متعلق آپ نے ابھی عملی قدم نہیں اٹھایا ہے۔ واقعہ مسجد کانپور میں مسلمان ماخوذین کو رہائی دلانے کے لئے خود لارڈ ہارڈنگ کو آپ ہی کانپور لائے تھے اور راعی در عایا کی ایک اہم مشکل دور کردی تھی۔ پہلی زوجہ اور خاندان کی بی بی فوت ہو چکی تھیں تو لندن میں ایک بنگالی باپ اور فرینچ ماں کی عیسائی دختر سے گرجا میں نکاح کیا۔ پہلے عیسائی مذہب کی رسم نکاح ادا ہوئی۔ اور اسکے بعد اسلامی طریقہ پر نکاح کا عقد باندھا گیا۔ اب پچاس سال کی عمر ہے۔ مگر قومی نہایت اچھے ہیں۔ آپ کے پانچ لڑکے اور چار لڑکیاں ہیں۔ لڑکے سب انگلستان میں تعلیم پاتے ہیں حال میں اپنی پھوپھی زاد بہن سے تیسرا عقد کیا ہے۔ اور پردہ سے نکال کر ان کو سوسائٹی میں ساتھ لاتے ہیں۔ یہ خاتون نہایت مہذب و تعلیم یافتہ ہیں۔ ۵۔ فروری ۱۹۱۹ء کو میں مقام بارو میں آ گیا۔ بانکی پور کا صدر مقام چھوڑ دیا اور اب دریائے گنگا کے اس ساحل پر صوبہ بہار کے جو اضلاع ہیں ان میں کام کروں گا۔

۸۔ فروری ۱۹۱۹ء۔ بارو سے مونگیر آیا۔ برہونہ جنگش سے صاحب پور جنگش اور وہاں سے مونگیر گھاٹ۔ ریلوے پر۔ پھر مونگیر گھاٹ سے اسٹیم پر۔ مونگیر آنا ہوتا ہے۔ مونگیر میں سید شاہ محمد بکلی صاحب بیرسٹر۔ محلہ دلاور پور۔

۱۹۔ اسکے بعد آپ ریاست آصفیہ وکن کے وزیر اعظم ہوئے اور ۱۹۲۲ء میں اس منصب سے مستعفی ہو کر اب اپنے وطن میں مقیم ہیں۔ (مولف)

کے مکان پر ٹھہرا ہوں۔

مونگیر۔ ہندوؤں کا قدیم شہر ہے۔ ماگہ کی پورن ماسی کے دن گنگا میں

اشنان ہوتا ہے۔ شہر سے پانچ میل کے فاصلہ پر "سیتا کنڈ" نہایت متبرک جگہ

ہے یہاں جاتری بکثرت آتے ہیں۔ "سیتا کنڈ" گرم پانی کا چشمہ ہے۔ اور پانی

اس قدر تیز گرم کہ اسمیں ہاتھ ڈالو تو آبلہ پڑ جاتا ہے۔ اس کنڈ کی عظمت بیوں کی

جاتی ہے کہ سیتا جی نے اپنی پاک دامانی ثابت کرنے کے لئے اسی جگہ غسل آنکھیں کیا

تھا۔ مونگیر کا اصلی نام "مندر گڑھ" ایک رشی کے نام پر تھا۔ کثرت استعمال سے مونگیر

ہو گیا۔ قدیم قلعہ "راجہ کرن" کا تعمیر کردہ تھا۔ مونگیر پر مسلمانوں کا قبضہ ہوا تو شاہ

شجاع نے اس قلعہ کی مرمت کی۔ انگریزی حکومت نے قلعہ منہدم کر ڈالا۔ اب

صرف چھار دیواری کے وجود سے قلعہ کا نشان ملتا ہے۔ ورنہ "خصن" کی جگہ کچھ بیاں

جیل۔ اور دفاتر کی عمارتیں بنگلی ہیں۔ اور بہت سی کوٹھیاں پورین افسروں

اور پیرسٹروں کی اور پولو۔ اور کرکیٹ کے میدان بھی اُسی میں ہیں۔ اور ہر طرف

کشادہ اور صاف سڑکیں نکل جانیسے ایک پر لطف جگہ ہو گئی ہے۔ میر قاسم صوبہ

بنگالہ کا محل "جیل" کے کام میں آ رہا ہے۔ اور اسمیں ہنوز بہت سی قدیم عمارتوں

کے باقی ہونے سے کچھ یادگار سلف مل جاتی ہے۔ ایک مسجد کو توڑ کر کوٹھی بنا دیا

اور اُسی کو ایہ پر دیا جاتا ہے۔ کسی صوبہ دار کا ایک عمدہ مقبرہ پادری صاحب کے

قبضہ میں ہے اور اضافہ و ترمیم کے بعد انکی رہائش کا بنگلہ بنا لیا گیا ہے۔

قلعہ کے دکن دروازہ پر اند کی جانب بلند ٹیلہ پر حضرت شاہ نافع مہکا

مزار ہے۔ آپ ملک بختیار خلجی کے ساتھی اور مجاہدین میں سے تھے۔ گلدہ ویش

پر حملہ کے دوران میں یہاں شہید اور مدفون ہوئے۔ مزار پر پختہ لداؤ کا قہر بنا ہے۔

اور گرد چار دیواری ہے۔

میر قاسم کا دو سرائیل خاندان محلہ دلاورپور کے قبضہ میں تھا۔ یہ لوگ اسکو یادگار کے طور پر باقی رکھنے کے خواہاں تھے۔ ایک لاکھ روپیہ تک اسکی قیمت لگی مگر انہوں نے فروخت نہیں کیا۔ ایک صاحب کلکٹر ضلع نے اسکو صرف بیس روپیہ معاوضہ دیکر لے لیا اور بطر زجید اپنے رہنے کی کوٹھی بنوائی ہے۔

محلہ دلاورپور۔ ایک گاؤں شہر سے متصل ہے۔ اسکا نام بارہ شاہ تاج الدین۔ اور عرف دلاورپور ہے۔ اس میں خاندان سادات آباد ہے۔

میر حسن رضوی مشہدی۔ شاہ عباس صفوی تاجدار ایران کے مظالم سے ترک وطن کر کے یحیٰ شاہ اکبر۔ دہلی میں چلے آئے۔ اکبر نے انکو اعلیٰ فوجی منصب دیا اور اپنا مشیر خاص بنایا۔ جس وقت اکبر منعم خاں کی بغاوت فرو کرنے کے لئے بنگال میں آیا۔ اور مونگیر کی طرف گذرا۔ اسی وقت یہاں ایک

شیخ اجل شاہ اللہ داد عارفی موجود تھے۔ اکبر آپکی زیارت کرنے آیا۔ میر حسن اکبر کے ساتھ تھے۔ شاہ اللہ داد نے انکو دیکھتے ہی عربی زبان میں ارشاد کیا کہ ”تم اس کام کے لئے نہیں بنائے گئے ہو جو اس وقت کرتے ہو۔ تمکو روحانی میراث مل گئی اور تمہارے واسطے جگہ خالی ہے۔“ میر حسن اس بات کو سنکر بے ہوش ہو گئے۔

اور ہوش میں آئے تو شاہنشاہ کی خدمت سے مستعفی ہو کر حضرت شاہ اللہ داد کے مرید اور سلسلہ عالیہ قادریہ میں داخل ہوئے۔ مدارج کمال پر ترقی کی۔

اور شیخ کے بعد مسند خلافت پائی۔ سادات دلاورپور انہیں کی اولاد میں ہیں شاہان مغلیہ نے ان بزرگ کا روزینہ مقرر فرما دیا تھا۔ غدر کے وقت سے

انگریزی حکومت نے وہ روزینہ بند کر دیا ہے۔ صرف پرگنہ مونگیر کا عطیہ شاہ جہاں دعا لکیر اب تک باقی ہے۔ خانقاہ مہنوز قائم ہے۔ مگر پیری مریدی کا سلسلہ بند

ہو گیا ہے۔ رلیساہ اور زمیندارانہ حیثیت سے خاندان کی بسر ہو رہی ہے۔ خاندان

بہت بڑا ہے۔ عہد سلطنت انگلشیہ کے آغاز میں اس خاندان کے ارکان اعلیٰ عہدے پاتے رہے۔ قدیم علم اور حدید تعلیم دونوں اس خاندان میں ہیں۔ خاندان کے چار رکن اس وقت بیرسٹر ہیں۔ ایک سید شاہ خلیل الرحمن صاحب۔ آپ سب جج ہیں۔ دوسرے سید محی الدین صاحب بیرسٹر آرمی میں پریکٹس فرماتے ہیں۔ دو صاحب سید محمد یحییٰ بیرسٹر اور سید نعمت اللہ بیرسٹر خاص مونگیر میں کام کرتے ہیں۔

حضرت میر حسن عرف سید شاہ مصطفیٰ صوفی کا عرس ماہ صفر کی گیارہویں تاریخ کو ہوتا ہے۔ مزار آپ کا خاندانی مکان کے احاطہ میں ہے۔ حضرت مدوح کے بعد یکے بعد دیگرے پانچ بزرگ ولی اللہ ہوئے ہیں۔ خاندان کے سرکردہ اس وقت مولوی سید شاہ محمد ایوب صاحب ہیں۔ ریاست کا کام آپ ہی کرتے ہیں۔ آپ ذاتی زمینداری کے علاوہ خاندان کے حق مالکانہ اور جاگیر کا بھی انتظام فرماتے ہیں۔ اور بارہ ہزار روپیہ سالانہ اسکی آمدنی ہوتی ہے۔ جس میں سے عرس و فاتحہ بزرگان کا خرچ نکال کر باقی ماندہ رقم افراد خاندان پر حصہ رسانی تقسیم کر دیتے ہیں۔ تاریخ ہائے وصال بزرگان سلف کے کتبے ہر ایک مزار پر لگے ہیں۔ اور قدیم حجرہ بھی باقی ہے۔ میں نے اسکی زیارت کی۔

مولانا سید محمد علی صاحب۔ بانی و سابق ناظم ندوۃ العلماء، محلہ مخصوصہ، مونگیر میں قیام پذیر۔ اور اس نواح میں فیض ارشاد و ہدایت جاری فرما رہے ہیں۔ اصل سکونت شہر کانپور کی ہے۔ مولانا مفتی محمد لطف اللہ صاحب رحم علی گڈہ کے شاگرد رشید اور حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب گنج مراد آبادی کے خلیفہ۔ اس زمانہ کے قابل اور روشن دماغ علما میں سے ہیں۔ صاحب باطن اور صاحب نسبت ہیں۔ ۱۳۱۵ھ میں آپ ہی کی تحریک اور سرگرم کوشش سے

ندوة العلماء کا وجود ہوا۔ ابتدا سے قیام مجلس مذکور سے ۱۳۲۸ھ تک آپ بھی اسکے ناظم رہے۔ اور آپ کے عہدِ نظامت میں ندوة العلماء برابر ترقی سے ہمدوش رہا۔ صحت کی خرابی اور ضعف جسمانی کی وجہ سے آپ نے ندوہ کی نظامت دوسروں کے حوالہ کی اور خود شہر مونگیر میں رہ کر فیوض باطنی اور علوم ظاہری کی اشاعت فرما رہے ہیں۔ خانقاہ بنگلی ہے۔ کتب علوم عربیہ کا قیمتی کتب خانہ قائم ہے۔ وارد و صادر کے لئے مہاں سرائی بھی ہے۔ اور زمانہ حال کے شاخیں آپ کی دم غنیمت ہے۔ سنٹ نبویہ کے پابند۔ اور اس کی تعمیر کے لئے کوشاں ہیں۔ پرنسپال۔ مونگیر۔ مظفر پور۔ اور چہرہ وغیرہ میں ہزار ہا مرید آپ کے ہیں تصنیف و تالیف کا خاص مذاق ہے۔ مناظرہ کے فن میں ماہر کامل ہیں۔ ”پیغام محمدی“ نصاریٰ کے رد میں۔ ہدیہ عثمانی۔ چشمہ ہدایت۔ دلائل حقانی۔ فیصلہ آسمانی اور بہت سے رسائل تصنیف فرمائے ہیں۔ قادیانچوں۔ اور دیگر فرقوں کی تردید بڑی خوبی سے کرتے ہیں۔ ابتدا میں کانپور سے تحفہ محمدیہ نامی ایک ماہوار رسالہ بھی شائع فرما چکے ہیں۔ یہ رسالہ کئی سال تک جاری رہا۔ مونگیر کے محلہ مخصوص پور میں ایک وسیع قطعہ زمین خرید فرما کر وہیں خانقاہ بنوئی ہے اور کاشتکاری کا سلسلہ قائم کیا ہے۔

مونگیر میں مسلمانوں کی عام حالت وہی ہے جو تمام صوبہ بہار میں ہے۔ احساس و حمیتِ ملیہ بہت کم۔ بے مایہ گھرانوں کے افراد محنت کر کے نئی تعلیم حاصل کرتے۔ اور کامیابی کے بعد کسبِ معاش کا واحد وسیلہ سرکاری ملازمت اختیار کرتے ہیں۔ نوکری ملگئی تو اپنی کمائی اپنی ہی ذات پر خرچ کرنے کے خواہر ہیں۔ قوم کی ترقی و بہبود کے وسائل میں حصہ لینا بہت کم ہے۔ اسی وجہ سے کوئی قابل فخر اسلامی اور قومی مشروع یہاں نہیں ہے۔ صرف ایک انجمن

اسلامیہ شیعہ سے قائم ہے۔ نام ”انجمن حمایت الاسلام“ ہے۔ اور کام حسب ذیل ہیں۔

(۱) لاوارث یتیموں کی پرورش۔ (۲) مسلمانوں کو ترغیب تعلیم دینا۔ عربی۔ فارسی۔ انگریزی ہر قسم کی۔ (۳) مسلمانوں میں دستکاری اور ہنر پھیلانے کی کوشش۔ (۴) مسلمان رعایا کے صحیح حالات اور ضروریات کو گورنمنٹ سے عرض کرنا۔

ایک مدرسہ اور یتیم خانہ انجمن کی طرف سے قائم ہے۔ مدرسہ میں ۶ یتیم اور ۴ اہل بیرونی طلبہ تعلیم پاتے ہیں۔ تین مدرس ہیں۔ ایک سفیر انجمن۔ ایک تحصیلدار۔ ایک محرر۔ ایک باورچی اور ایک جاروب کش۔ انجمن کے ملازموں میں ہیں۔ مدرسہ اور یتیم خانہ کا مکان انجمن نے بنوایا ہے۔ درس نظامیہ کی تعلیم ہوتی ہے۔ تنخواہ مدرسین و ملازمین پر ۱۰۰ روپیہ سالانہ۔ لباس و جوئے تیا می کا۔ ۲۰۰ روپیہ سالانہ۔ متفرقات للعمامہ۔ تجمیر و تکفین لاوارثان ۵۰ روپیہ سالانہ۔ مکان ماعہ ۱۰۰ روپیہ سالانہ۔ حیلہ ۵۰ روپیہ سالانہ کا خرچ ہے۔ اور آمدنی جلسہ سالانہ میں جو کچھ ہو جائے۔ لیکن خرچ کے موافق دخل ہو جاتا ہے۔

ملک محمد اسرافیل صاحب مختار سکرٹری انجمن۔ مولوی شاہ محمد ایوب صاحب صدر انجمن۔ اور مولوی دراشت حسین صاحب دفتر کے نگراں ہیں۔ جدید تعلیم یافتہ گروہ نے مدرسہ انجمن کی ترقی کے متعلق جو کوشش کی۔ اور جدید انگریزی تعلیم کا اسکول قائم کرنے میں جو محنت اٹھائی وہ بھی۔ قدیم روشن کے علماء اور مدرسین کی بدولت بار آور نہ ہو سکی۔ اور انجمن کا چھ ہزار روپیہ سالانہ بالکل فضول خرچ ہو رہا ہے۔ جو تعلیم ہے اس سے

کیجھی یہ امید نہیں ہو سکتی کہ کوئی کام کا آدمی نکال سکے۔ افسوس۔

شہر میں ایک قدیم جامع مسجد ہے۔ ”ٹوٹہ کی مسجد“ کہلاتی ہے۔ مسلمانوں نے حال ہی میں اسکی توسیع کر دی ہے۔ اسکے علاوہ ایک اور مختصر مسجد الشہداء کی تعمیر ہے۔ بانی کا نام معلوم نہیں ہوا۔ قطعہ تاریخ پڑھا نہیں گیا۔ صرف ”ساختہ بادا“ مادہ تاریخ بمشکل پڑھنے میں آیا۔ مولوی محمد عمر صاحب کے دم سے اس مسجد کی رونق ہے۔ انتظام معقول ہے۔

مونگیر میں مولوی خلیل اللہ صاحب وکیل ایک خوش مذاق علم دوست انسان ہیں۔ شام کے وقت انکی مجلس پر لطف ہوتی ہے۔ مشہور بزرگوں کے مزارات میں شاہ مبارک صوفی۔ شاہ نور صاحب۔ اور شاہ عبدالکریم صاحب کے مزار ہیں۔ انکا سنہ وصال یا حال کچھ معلوم نہیں ہوا۔ شاہ نافعؒ کے مجاور درگاہ نے چند قدیم کاغذات دکھائے ان سے محض اسقدر پتا ملا کہ عالمگیر شاہؒ نے سو بیگہ زمین اس مزار کے اخراجات کے لئے معافی کے طور پر دی تھی۔ آپکے گنبد کی تاریخ تعمیر کا کتبہ یہ ہے۔

”نظر من اللہ وفتح قریب“ نبی ہذا الگنبد فی عہد السلطان العادل

سید السادات جمیع العلماء علاؤ الدین والدین ابوالمظفر شاہ سلطان حسین غلام اللہ ملکہ و سلطنۃ۔ بانی خیر شاہزادہ دانیال سلمہ اللہ فی الدارین ۷۳۰ھ۔

بلیا۔ ۲۶۔ فروری ۱۹۱۹ء کو مونگیر سے لکھنؤ آیا۔ رات کو چودہری محمد نور صاحب کے یہاں تقیم رکھ کر صبح ۱۶۔ فروری کو قصبہ بلیا پہنچا۔ حضرت سید شاہ علاؤ الدین بخاریؒ کے مزار پر حاضر ہوا۔ فاتحہ خوانی کی۔ بلیا۔ مونگیر سے مشرق میں دس میل فاصلہ پر واقع ہے۔ دریاے گنگا دونوں کے ماہین حائل ہے۔

ایٹم پر عبور کیا جاتا ہے۔ مخدوم علاء الدین حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کی اولاد ہیں۔ حضرت شاہ اللہ داد پندوی کے خلیفہ تھے۔ شاہ اللہ داد صاحب کا سلسلہ خواجہ انخی سرایج بنگالوی سے ملتا ہے۔ جنکا مزار سعد اللہ پور میں ہے۔ مخدوم علاء الدین کے موجودہ سجادہ نشین سید شاہ محمد ادریس جنیدی چشتی ۲۹ سالہ نوجوان اور معمولی تعلیم یافتہ ہیں۔ یہ مخدوم صاحب سے چودہویں پشت میں ہیں۔ شاہی وقت کی معافی چلی آتی ہے۔ علی وردی خاں مہابن جنگ کا عطیہ ہونیکا سندیں تھیں۔ عہد انگلشیہ میں سندیں داخل سرکار کرا لی گئیں اور سٹرچرڈ بولڈ کمشنر اضلاع کلکتہ نے۔ قانون سوم ۱۸۲۰ء کے رو سے جاگیر کے بحال رکھنے کا فیصلہ کیا۔ فیصلہ فارسی زبان میں ہے اور اس میں لکھا کہ جاگیر متعلقہ برائے خرچ فقر و مساکین و وارد و صادر خاٹھا۔ اور چونکہ فیصلہ میں "بازرندان کا لفظ بھی ہے" اس لئے جو رقم سجادہ نشین صاحب اولاد کو تقسیم کر دین وہی ٹھیک ہے۔ سجادہ نشینی اولاد اکبر کو ملتی ہے۔ بیعت کا سلسلہ بہت کم ہو گیا ہے۔ ۱۲۔ ربیع الاول کو عرس ہوتا ہے۔ جاگیر خاٹھا باج ہزار پچھ سالانہ آمدنی کی ہے۔ اور معافی لاخراج غیر قابل تقسیم اور بلا تعلق انتقال ہے۔ ہزار پر قبۃ اور کتبہ کچھ نہیں۔

مظفر پور۔ ۲۹۔ فروری ۱۹۱۹ء کو پہنچا۔ مولوی محمد اختر صاحب وکیل کے یہاں ٹھہرا۔ دوسرے دن کچھری جا کر لوگوں سے ملا۔ مدرسہ جامع العلوم کو دیکھا۔ حافظ رحمت اللہ شاہ صاحب اسکے بانی ہیں۔ وہ مولانا سید محمد علی صاحب کے مرید ہیں۔ ۱۷ سالہ میں مدرسہ قائم کیا۔ اس وقت ۱۱۴ طلبہ ہیں۔ اور مدرسہ۔ درس نظامیہ۔ حفظ و قراءت قرآن۔ اردو فارسی اور حساب کی تعلیم ہوتی ہے۔ اس مدرسہ سے ستر حافظ نکل چکے ہیں۔ تین دستار بند

عالم بھی ہوئے ہیں۔ درجہ تکمیل میں اب بیس کے قریب طلبہ ہیں۔ پچاس پورٹور ہیں۔ انہیں سے نمیس خوراک کی فلیس دیتے ہیں اور بیس کو دارالافتاء سے کھانا ملتا ہے۔ پختہ عمارت پندرہ ہزار روپیہ کی لاگت سے بنی ہے۔ آمدنی زیادہ تر قربانی کی کھالوں، زکوٰۃ صدقات، اور کچھ عام چندہ اور یکمشت عطا یا سے۔ کم و بیش چار ہزار روپیہ سالانہ ہو جاتی ہے۔ خرچ کل تقریباً تین ہزار روپیہ سالانہ ہے۔ پانچ ہزار روپیہ نقد مدرسہ کے فنڈ میں جمع ہے۔ اور ڈبائی سو روپیہ سالانہ منافع کی جائیداد اسی آمدنی سے خریدی گئی ہے۔ وظائف صرف درجہ تکمیل کے طلبہ کو ملتے ہیں۔ بعض کو کتابیں بھی دی جاتی ہیں۔ سو او سو روپیہ ماہوار خرچ ہے۔ مدرسہ کے متعلق ۳۲۵ کتابوں کا ایک کتب خانہ بھی ہے۔ خود حافظ رحمت اللہ شاہ منتظم و سرکڑی ہیں اور بڑی محنت و نیک نیتی سے مدرسہ کو چلا رہے ہیں۔ مدرس اول مولانا عبدالشکور صاحب تعلیم یافتہ پانچوڑ و دیوبند ہیں۔ کمیٹی انتظامیہ کے صدر خان بہادر سید محبوب حسین تھان صاحب ہیں۔

سید اعجاز حسین خاں صاحب و سید ریاض حسین خاں صاحب رئیسوں رسولپور حکیم بادی حسن خاں صاحب نایاب۔ کے بیٹے ہیں۔ امام محمد تاج فقیہ المحاطب بہ تاج القضاء متوفی ۱۳۵۷ھ کی اولاد میں ہیں۔ امام محمد مدوح منیر کے فاتح تھے۔ تار سچ فتح تین محمد قوی شدہ۔ سے برآمد ہوئی ہے۔ امام صاحب کے تین بیٹے تھے۔ اسماعیل۔ اسرائیل۔ اور عبدالغفر یہ خاندان جسکا یہاں ذکر ہے اسماعیل کی اولاد سے ہے۔ خاندان ہذا میں قاضی شطرا ایک بڑے فاضل گذرے ہیں۔ ان کی حکومت موضع بنیاساڑہ منظر پور میں ہے۔ سید اعجاز حسین صاحب کے پروادا خان بہادر

مولوی مولانا بخش "کمانڈر آف انڈیا" (سی۔ ایس۔ آئی) تھے۔ بصلہ حسن خدمات گورنمنٹ نے یہ خطاب دیا اور خان بہادر بھی کیا تھا۔ خان بہادر کے دو بیٹے تھے۔ محمد امیر حسن خاں۔ اور محمد حسن خاں۔ امیر حسن خان صاحب کے دو فرزند حکیم محمد ہادی حسن خان صاحب و یاب۔ اور محمد ہمدی حسن خان صاحب شاداب ہیں۔ اور محمد حسن خاں صاحب کے فرزند خاں بہادر سید محبوب حسن خاں صاحب ہیں۔ حکیم سید محمد ہادی حسن خاں صاحب نایاب کے تین نور نظر ہیں۔ ایک فرزند سید ریاض حسن خان صاحب اردو تخلص خیال اور فارسی میں دانش تخلص فرماتے ہیں۔ آپ نے نامہ دانشوران۔ اور کلیات امیر خسرو میں اچھا کام کیا ہے۔ مولوی رشید احمد سالم مرحوم نے ختمہ خسرو کے مقدمہ میں آپ کے کام کی تعریف فرمائی ہے۔ ۱۹۰۷ء سے ڈسٹرکٹ بورڈ کے ممبر ہیں۔ ۲۶ سال کی عمر میں خان بہادر سید محبوب حسن خاں صاحب بیرسٹر۔ عمر قریب ۵۵ سال۔ خاندان رسولپور کے رکن۔ ۱۸۸۵ء میں بیرسٹر۔ اور ۱۹۱۰ء میں خان بہادر ہوئے۔ پرنسپل سلم لیگ کے نائب صدر ہیں۔ ۱۹۱۴ء سے ۱۹۱۵ء تک ہمارا واٹر ایس کوئٹل کے ممبر رہے۔ رائل کامرس سوسائٹی لندن کے ممبر ہیں۔ مدرسہ جامع العلوم کے صدر انجمن ہیں۔ اور سر جان ایملوٹنس کے لایف ممبر۔ میونسپلٹی مظفر پور کے پہلے ہندوستانی چیرمین۔ اور ایک ٹرم تک ڈسٹرکٹ بورڈ کے نائب صدر رہے۔ آنریری مجسٹریٹ بھی کر چکے ہیں۔ مظفر پور کے مسلمان عمائدین میں آپ کا دم غنیمت ہے۔ اور ہر قومی کام میں فراخ دلی سے اعانت فرماتے ہیں۔

مظفر پور کی آبادی اور رونق عہد حکومت انگلشیہ میں ضلع ہونے سے بہت بڑھ گئی ہے۔ لہجی یہاں بید شاداب۔ پرمغز اور شیریں ہوتی ہے۔

مسلم کلب مظفر پور۔ اکتوبر ۱۹۱۲ء سے کھلا ہے۔ مولوی سید احمد حسین صاحب وکیل نے اپنا نو تعمیر دو منزلہ مکان تابقائے کلب اسکو عطا کیا ہے۔ مکان مذکور بڑی دلکش جگہ پر واقع ہے۔ اسکے سامنے عمدہ احاطہ مع وسیع صحرائے کلب ہے۔ مع زمین یہ عمارت سات ہزار روپیہ کی ہوگی۔ صرف مکان ہی نہیں عطا کیا بلکہ فرنیچر اور لٹریچر روپیہ ایک ماہ کا خرچ بھی دیا۔ اور ایک ہزار روپیہ قیمت کی آرد و کتا ہیں جو آنکے پاس تھیں سب کلب کو بخش دیں۔ خان بہا احمد حسین خاں صاحب وکیل بانی کلب خود ہی اسکے سکرٹری ہیں۔ تمام وکلاء و مسلمان عمدہ داران و ملازمین سرکار و رؤساء سب اسکے ممبر ہیں۔ تخمیناً ۷۵ ماہوار آمدنی اور ۱۵۰ ماہوار خرچ ہے۔ کلرک۔ چپر اسی۔ خدمتگار۔ پانی والا۔ چار آدمی ملازم ہیں اور ایک جارب کش مقرر ہے۔ چار انگریزی اور دو اردو روزانہ اخبار۔ ہفتہ میں دو بار اور ایک بار چھپنے والے انگریزی و اردو کئی اخبارات۔ اور ماہوار رسائل ہر دو زبان کے بہت سے آتے ہیں۔ ۲۷ اصحاب مفت اخبار عطا کرتے ہیں۔ یعنی خود خریدائیں۔ اور کلب کو اپنی طرف سے دیکھ کر بھیجتے ہیں۔

آنرہیل مولوی سید احمد حسین صاحب وکیل۔ موضع بھیکن پو ضلع منٹھری کے رہنے والے ہیں۔ عمر ۲۷ سال۔ ۱۸۸۷ء سے مظفر پور میں وکالت کرتے ہیں۔ آپ کے مورث سید محمد سعید رضوی صوبہ ٹرہٹ میں آئے تھے۔ آپ سب مسلمان وکلاء میں سب سے بڑے ہیں۔ ۱۹۱۶ء میں خان بہادر ہوئے اور اسی علاقہ ٹرہٹ کی طرف سے بہار و آڑیسہ کونسل کے ممبر ہوئے۔ اب تک اس جگہ پر قائم ہیں۔ چھ سال میونسپل کشنر رہ چکے ہیں۔ ڈسٹرکٹ بورڈ کے ممبر ہیں۔ عارضی نائب صدر میونسپلٹی رہ چکے ہیں۔ ڈسٹرکٹ مسلم لیگ کے

پریزیڈنٹ ہیں۔ مسلم کلب مظفر پور آپ کی ہمت کریمانہ سے قائم ہوا۔ اور آپ ہی اس کی جان ہیں۔ اس کام میں کمال دلچسپی و استعداد دکھاتے ہیں۔ کلب کے محفوظ سرمایہ میں دوسروں پر سے زیادہ اس وقت نقد موجود ہے۔

مولوی محمد اختر صاحب وکیل۔ اور ان کے عزیز شیخ عبدالشکور صاحب کی عنایت و محبت کا شکر گزار ہوں۔ مولوی محمد شفیع صاحب وکیل نے ایک شب کو دعوت طعام دی اور دیر تک ان کی ہمنشین میں لطف کے ساتھ وقت کٹا۔ مولوی عبدالرؤف صاحب نے پروفیسر ادودہ بہاری سنگھ۔ جی۔ پی۔ بی۔ کالج۔ سے ملاپا سنجیب باوصاف انسان ہیں۔ ذی علم صاحب دل پاک باطن۔ عربی و فارسی کے ماہر۔ عالی نسب برہمن ہیں۔ چہرے سے نورانیت عیاں ہے۔ تزکیۂ باطن اور ریاضت کے آثار ہویدا ہیں۔ بیابطن سلمان ہوں تو کیا عجیب ہے۔ لیکن ظاہر میں مہندو ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ لڑکیوں کا شریف مسلمانوں میں رشتہ نہو سکنے کے خیال سے اعلان اسلام نہیں فرماتے۔ اگر یہ سچ ہے تو دے بر حال مسلمانان۔ بگڑی ہوئی قوم کی اس سے زیادہ خرابی کا کیا ثبوت ہو سکتا ہے۔ پروفیسر صاحب حاجی جھاؤ صاحب نامی ایک مسلمان درویش کے دیکھنے والے ہیں۔ اور حق یہ ہے کہ فرشتہ سیرت انسان ہیں۔

مظفر پور میں مسلمانوں کی بے حتی کا وہی حال دیکھا جو تمام بہار میں ہے معدودے چند افراد کے سوا عام طور پر ابلے قوم خواب خرگوش میں مبتلا ہیں۔ ۲۳۔ فروری کو ہارڈ واپس آیا۔ بابو سعید صاحب بھی آگئے تھے۔ کئی دن انکی صحبت سے لطف اندوز رہا۔

منشکی پور۔ ضلع مونگیر۔ ۳۔ مارچ کو یہاں آنا ہوا۔ یہ موضع مونگیر سے گوشہ شمال و جنوب میں ۱۲۔ میل کے فاصلہ پر ہے۔ اور موضع گوبری کے قریب

گوکبری ایک شور مقام تھا۔ وہ ۱۹۳۷ء میں دریا برد ہو گیا۔ شکی پورا و جمال پور قدیم موضع ہیں۔ ان کے مطابق ۱۷۷۵ء میں شاہ عالمگیر نے اپنے فرمان کے ذریعہ سے یہاں حاجی سید بدایوں کو مدد معاش کرنے کے نام سے عطا کئے تھے۔ حاجی صاحب ہاں مغلیہ کے عہد میں مجاہد اسلام تھے۔ پر پوتے تک یہ جاوید خاندان میں رہی۔ اسکے بعد اولاد زریزہ نہیں ہوئی اور ان کے نکلے ساتھ جانا بھی انکی سسرال یعنی شیخ عبدالعلی صاحب کی موضع میں ہمارے کے یہاں منتقل ہو گئی۔ سو وقت یا سیکے مالکے قابضین کمال الدین احمد صاحب ہیں۔ انیس خوش انتظام صاحب جاہت ہیں۔ ۲۵ سال سے سمبرو سٹرکٹ بورڈ ہیں۔ ان طرف میں دم ورجہ کے زمیندار ہیں محض فاقی جائداد دس ہزار روپیہ لاند آمدنی کی کہتے ہیں۔ موضع شکی پور کو چون ۱۷۷۵ء سے وقف علی الاولاد کر دیا ہے اور خود اسکے متولی ہیں بشرط تو لیت یہ کہی ہے کہ اولاد زریزہ ہو خواہ لڑکیاں۔ انہیں جو فز و کثرت آرائے قابل ترین مانا جائے وہی وقف کا متولی ہوگا۔ یہاں ایک مجاہد شہید بہادر شاہ کا مزار بھی ہے مگر اسکے حالات کا کوئی پتہ نہیں ملا۔

گوکبری شکی پور سے تین میل پہلے سید آل حسن صاحب میندار ہیں۔ آدمی جمعی حیثیت کے مگر خدائے عالی منش بنایا ہے۔ نہایت تخلیق و کمان دوست منتظم اور خوش باش قنوج و لکھنؤ سے سلسلہ نسب و تجارتی کا ملتا ہے۔ اور کچھ چیر شریف کے خاندان مخدوم صاحب بھی تعلق ہے۔ سعید میاں بھی یہاں آئے۔ سید آل حسن اور سید کمال الدین صاحب انکی پٹن صحبت و محبت نے کئی دن کی مہمانداری کا پابند رکھا۔ وہاں سے گیارہ ماچ ۱۹۱۹ء کو دھنکے پہنچا۔ اہر یا ملے (جہاں کچیاں ہیں) کے سٹیشن پر اتر گیا۔ اور سٹرکٹ میں صاحب بیرسٹر کے یہاں آکر مقیم ہوا۔ ۱۲ ماچ کو دھنکے میں پھر تار مارا۔ دو قدیم مزار یہاں دیکھے۔ ایک دوگی کے نالاب پڑشاہ بیگم سیلائی۔ کا مزار اور دوسرا نظام شاہ مخدوم شاہ کا مزار۔ نیز خاص راج محل کے احاطہ میں ہے۔ انپر کوئی کتبہ نہ تھا۔ راج محل کے عمارتیں ایک مسجد بھی ہے۔ کئی قوت راج محل اسکے مسدود کردینے کا ارادہ کیا تھا مگر مسلمانوں نے مسجد کو بچا لیا۔ قدیم عمارتوں میں صرف ایک مسجد جامع ہے۔ اسپر بھی کتبہ نہیں۔ مگر طرز تعمیر بتا رہا ہے کہ پرانی عمارت ہے۔

جامع مسجد کے پاس ملے ہے اور اسکے متصل ایک مدرسہ کی عمارت سفال پوش۔ مدرسہ کا نام

دارالعلوم المشرقیہ حمیدیہ ہے۔ قائم شدہ ۱۳۳۵ھ۔ درمیان میں حالت اتر ہو گئی تھی۔ مولوی عبدالحیہ صاحب
 راجوی دیکھنگوی نے دو سال سے اس کو پھر سنبھال لیا ہے۔ آج کلنا حکیم ابوالکلام ٹوٹکی کے شاگرد رشید ہیں
 اس میں ۱۴ سال تک تعلیم ہوتی ہے۔ اردو۔ فارسی۔ حساب۔ چوتھے درجہ تک۔ اور پانچویں سے چودھویں
 درجہ تک اس نظامیہ کی تعلیم ہوتی ہے۔ ۷۔ ۸۔ طلبہ ہیں۔ ۵۵۰ کو مدرسہ سے کھانا ملتا ہے اور باقی جگہ
 پر کھاتے ہیں۔ حفظ قرآن کا بھی ایک رتبہ ہے۔ آمدنی چندہ پر موقوف ہے۔ سالانہ یہاں میں ^{۱۳} ۱۳۵۰
 روپیہ۔ آمد اور خرچ ^{۱۳} ۱۳۵۰ روپیہ ہے۔ مولوی عبدالحیہ صاحب سالانہ مہتمم ہیں انہیں کی کوشش کا کام چلا
 دو مدرسہ ملاویہ محلہ نام باڑی میں ہے۔ مدرسہ اور بورڈنگ کی خاص اور پختہ عمارتیں ہیں
 ضفائی و انتظام محمول ہے۔ مولوی عبدالوہاب مہتمم اور مولوی غلام نبی مدرس اول ہیں۔ پہلے یہ مدرسہ
 حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکہ کے خلیفہ حاجی منور علی صاحب کے ایک موضع میں قائم کیا تھا۔ انکی
 وفات کے بعد مولوی مرتضیٰ حسین مدرس اول اس مدرسہ کو شہر دیکھنگہ میں لے آئے۔ یہ بھی عام چندہ
 چل رہا ہے۔ کوئی وقف یا متقل جائداد انہیں ہے۔ اوسط آمد و خرچ پانچ سو روپیہ سالانہ کے قریب ہے
 چودہ ملازم مع اسٹاف ہیں۔ ۱۳ بورڈر ہیں۔ ۴۱ کو مدرسہ کھلا ہے اور باقی جاگیر دار۔ یہاں عبادت
 بندی نہیں۔ طالب علم کی استعداد اور دیوبند کے طرز پر تعلیم دی جاتی ہے حفظ قرآن کا درجہ بھی ہے۔
 کل طلبہ ۲۱۲ ہیں۔ اس سال چھ طلبہ فارغ التحصیل ہوئے ہیں۔ ۳۰ فارغ ہو کر نکل چکے ہیں۔
 یہاں سے زائد حفاظ تیار ہو گئے ہیں۔ دونوں مدرسے علماء کی ذاتی کوشش سے چل رہے ہیں انہیں کوئی دولت
 ایک انجمن اسلامیہ بھی قائم ہے۔ اغراض مختلفہ قائم کرنا۔ نادر طلبہ کی اعانت۔ پرورش تیساری۔
 اخباری کا مذاق پیدا کرنا۔ مدارس اسلامیہ ضلع دیکھنگہ کی تنظیم۔ نگہبانی اوقات مسلمانان۔ مرمت و
 تعمیر مسجد۔ تہذیب و کھینچاؤ اور شان۔ اشاعت اسلام۔ اصلاح رسوم۔ وغیرہ۔ نگاہ ملک مہر ف یہ سب
 کہ یتیم خانہ قائم کیا ہے۔ سال گذشتہ اسکی آمدنی ^{۱۳} ۱۳۵۰ روپیہ اور چندہ ^{۱۳} ۱۳۵۰ ہوا۔ اب ایک کتب خانہ
 بھی قائم ہو گیا ہے۔ ایک صاحب تین سو کتابیں دی ہیں یتیم خانہ کا انتظام نادرست ہے بچوں کو
 قرآن اور مولوی آمد و زبان پڑھاتے اور کچھ سلائی کا کام سکھلاتے ہیں۔ اس انجمن میں انگریزی تعلیم یافتہ

ارکان زیادہ تر ہیں۔ مگر حیرت ہوتی ہے کہ مدارس اسلامیہ جو علماء کے ہاتھ میں ہیں۔ بے ترتیب ہو چکے ہیں یا باقاعدہ کام نہ کر رہے ہیں۔ اور یہاں انجمن کے حلقہ میں ترتیب ہے نہ کام۔ آخر اسکی وجہ؟ ضلع دھبنگ میں مسلمان پٹھانوں کی آبادی بیشنہ ہے۔ میری آمد دھبنگ کے بعد چوتھے دن ریاست پیغمبر پور قرضہ کی علت میں نیلام پر چڑھی تھی۔ مگر لطف یہ تھا کہ پوری جائداد نیلام پر چڑھ رہی تھی تین دن بعد رئیس صاحب کوڑی کوڑی کو محتاج ہونے والے تھے لیکن میں صاحب کی عیالت کے مجراستے میں منہمک تھے۔ اور خوش گلو طائفوں کے نغموں کا حظ اٹھانے میں شرسار! ریاست پیغمبر پور پور قرضہ جائداد تھی۔ خاص دھبنگ میں محرز پٹھانوں کے جو دو ایک قدیم خاندان موجود ہیں۔ انکی حالت بھی خراب ہو رہی ہے۔ آفاق خان صاحب پیر شہر۔ انھیں لوگوں میں کے ایک نہ ہیں۔ خدا ترنی اور صلاح سے بہرہ ور نہ رہے۔

موتیہ ماری چیمپارن ضلع کا صدر مقام ہے۔ ریلوے اسٹیشن کے احاطہ سے باہر تے ہی ضلع کی کچھری اور منصفی وغیرہ کی عدالتیں ملتی ہیں۔ یہ پورا ضلع تقریباً راج بنیا کے علاقہ میں ہے۔ راجہ بنیا نے ایک نگرین کو منیجر ریاست بنایا تھا۔ اس نے ہندوستانی و دیویشکھیا اور کوہٹا کر ساری ریاست انگریز ٹھیکیداروں کو پڑ کر دی۔ صورت یہ نکالی کہ ریاست کچھ قرضدار تھی منیجر صاحب نے ٹھیکہ لینے والے انگریزوں کو بیش قرار نہ دے لیکر موضع اور پرگنات کا استمراری بندہ بست انکے نام تسلیم کر لیا۔ ریاست کو اس انتظام میں دسے قرض کے لئے نوکانی روپیہ لگایا لیکن سالانہ آمدنی کئی لاکھ روپیہ کٹ گئی کیونکہ انگریزوں نے نیکاسی کا موضع پانسو ایک ہزار سالانہ خراج پر بندہ بست تہماری کر دیا گیا تھا۔ اور ریاست پر اختیار ہو گیا تھی۔ راجہ صاحب فوت ہو گئے۔ اولاد کوئی تھی نہیں۔ منیجر صاحب بہادر نے بیوہ رانی کو بیدخل کر دیا۔ اور منیجر میں پورٹ کر دی کہ رانی انتظام کرے کہ قابل نہیں لیجئے ریاست کو رٹ آن آؤٹس میں گئی اب منیجر صاحب کے ملک میں ایک صدی سے ایک پادری صاحب یہاں آس جاتے بیٹھے ہیں۔ کئی ہزار اچھوت ہندوؤں کو سچے گلے میں داخل کر چکے اور انکی تعداد بڑھ رہی ہے مسلمانوں کی آبادی ریاست کے علاقہ میں مقبول ہے۔ لیکن سب تو مسلم جاہل اور کاشنکار ہیں۔ اب چند آدمی انہیں سے تعلیم یافتہ ہو گئے ہیں شاید انکی کوشش سے بہتری کی شکل نکل آئے۔

ضلع چیمپارن میں مسلمان زمیندار ایک بھی نہیں قصبتہ تمہاری جدید آباد ہے۔ یہاں اکثر مسلمان

انجمن اسلامیہ قائم ہوئی ہے۔ آمدنی سلاہ ماہوار غیر منتقل چندہ کی ہے۔ ایک مدرسہ اسلامیہ انجمن کی طرف سے
 کمرہ لدا گیا ہے۔ اس میں ایک کے عربی مدرسہ کا نصاب پڑھایا جائیگا۔ منشی اعلیٰ محمد صاحب سکرٹری۔ مولانا
 مولوی محمد جان صاحب گجے ٹرنسٹ پیڈر صدر انجمن ہیں۔ مولوی جان محمد صاحب کے والد ماجد کا یہ سہ قوسم کے فرد
 ہندو تھے۔ وہ مشرق باسلام ہو گئے۔ چھ سات بھائی نہیں۔ سب تعلیم یافتہ اور خوش حال ہیں۔ آپ
 جہان تک ہوتا ہے تمام قومی کاموں میں حصہ لیا کرتے ہیں۔

بتیا۔ ۲۵۔ ماچ کو بتیا آکر مولوی ظہر عالم سب جسٹس کا مہمان ہوا۔ آپ پنڈے کے باشندہ تھے مگر
 دہشت سے بتیا میں کونست ہے۔ ذاتی مکان بنا لیا ہے اور کچھ جائیداد بھی پیدا کر لی ہے۔ ۱۲ سالہ سے بتیا میں
 ایک مدرسہ قائم ہے۔ اردو۔ فارسی۔ عربی۔ حفظ قرآن کے درجے آپس ہیں۔ حساب بھی سکھایا جاتا ہے۔ مولوی
 نیک محمد صاحب کنوینڈنڈی۔ عالم۔ اور اسکے بانی و مہتمم ہیں۔ آپ جامع مسجد کے امام بھی ہیں۔ مدرسہ میں قوت
 ۸ طلبہ ہیں۔ اور چار مدرس۔ خرچ عس روپیہ ماہوار ہے۔ آمدنی ایک سو سے روپیہ ماہوار کی ہے۔
 لکھ گورنمنٹ۔ عس ریاست۔ عس میں نسلانی۔ اور سہ عام چندہ سے ماہوار آجاتے ہیں۔
 تعلیم و انتظام ابھی درست نہیں۔ لڑکیوں کے بھی دو تین مدرسے ہیں مگر بے کار۔

مدرسہ اسلامیہ کے سکرٹری حافظ محمد ثانی صاحب اور صدر انجمن مولوی ظہر عالم صاحب
 سب جسٹس ہیں۔ جامع مسجد مدرسہ کے قریب واقع ہے۔ مدرسہ کی عمارت تین چار ہزار روپیہ لاگت کی ہوگی ایک
 عطیہ گورنمنٹ۔ چھ سو روپیہ راج کی طرف سے۔ اور باقی مسلمانوں کے چندہ سے تعمیر ہوئی ہے۔

راجہ صاحب کا محل گسٹ ہاؤس۔ راج ہسپتال۔ مینا بازار۔ وغیرہ نفیس اعلیٰ درجہ کی عمارتیں ہیں۔
 اور راج میں کمرٹ آف وارڈس کی وجہ سے ظاہری نمود اور شکوہ کی وافر مقدار پائی جاتی ہے۔
 مسلمان طلبہ نے یہاں ایک مسلم کلب بھی ۱۹۱۹ء میں قائم کیا۔ پہلے چند اخبارات تھے۔ اب نئی نئی
 صاحب نے کان میں مہر ضلع پنڈے ایک سال سے اسکے سکرٹری ہوئے ہیں۔ اور کھوتنی دے رہے ہیں۔ کلب کی خاص
 عمارتیں۔ امام باڑہ کے ایک کمرہ میں کھایا گیا ہے۔ اور اور انگریزی کے متحدہ اخبار اور رسالے آتے ہیں۔
 حافظ محمد ثانی صاحب کے پریزڈنٹ ہیں اور چندہ ممبری آمدنی کا ذریعہ ہے۔

۲۹۔ مایہ کو بتایا سے واپس ہوا۔ اس دن کوئی بڑا اشنان تھا اور سافر دھکی بڑی کرات
 تھی اور تکلیف دہ سفر تھا۔ میرا دل گھبرا یا۔ اور سستی پوچھنے پر بیٹے ترین چھوڑ دی۔ مولوی غلام رسول
 خان صاحب ٹیلیگراف انسپکٹر کے پاس چلا گیا اور لکھا سمان ہوا۔ دوسرے دن بارو آیا۔ یہاں اگر معلوم
 ہوا کہ سعید میان صاحب نیگرو میں ہیں درخلیل ہیں۔ اور محکود ہاں بلایا ہے۔ رضا کریم صاحب جیسے
 کا بھی اصرار ہوا۔ اسنے نیگرو آیا۔ یہ ایک قدیم بستی ہے۔ سادات کی آبادی ہے مگر سب لوگ ان میں
 ۵۔ اپریل ۱۹۱۵ء کو بارہ ضلع پٹنہ میں آیا۔ ڈاک بنگلہ میں قیام کیا۔ بارہ سٹیٹ میں ہے۔
 ریلوے اسٹیشن سے بستی تک میل کی مسافت ہے۔ آبادی دریا کے کنارے کے ساحل پر ہے۔ لوگوں
 بل ہاتھا۔ جناب سید شاہ احمد حسین صاحب کی خدمت میں پہنچا تو انہوں نے ملتے ہی اپنا سمان
 بنالیا۔ اور ڈاک بنگلہ سے میرا سبابا ٹھکانا گیا۔ بڑی راحت سے انکے یہاں ہوا۔ بارہ کا اصل نام
 بارہ بچ تھا۔ یہاں مانا تھا کہ مندر بہندوؤں کا متبرک مقام ہے۔ مانگھیل کی پورن شاہی کے دن نشان ہوتا ہے۔
 شیدہ محمد حسین صاحب میرزا بن قابل شاعر صاحب یوان۔ اردو۔ فارسی میں ماہر کامل اور انگریز کا
 بھی جانتے ہیں۔ شہر عقلمندی کا اردو میں جمہ کیا ہے۔ آپ یوان سید جعفر قلندری کے سجادہ نشین ہیں
 سید جعفر محمد بندہ نواز لکھنؤ کے حقیقی بھائی۔ مرید۔ اور خلیفہ تھے سلسلہ طریقت چشتیہ نظامیہ
 محمد شاہ کے عہد میں جو ~~موجود تھا~~ اور بارہ میں سکونت اختیار کی آپ کا عرس ۲۴۔ ربیع الاول کو
 ہوتا ہے۔ مزار محلہ دی پور میں ہے۔ اس قلعہ کے پاس کوئی جاگیر اور مافی نہیں ہے۔ صرف ہتھو جاندار
 ہے۔ سجادہ صاحب علی کے ایک بھتیجے سید احمد حسین صاحب رئیس پور ہیں ۱۹۱۵ء میں خطا خان ہوا پانچ بیٹے
 غازی بیدار بخش خاں کا مزار علی پور میں ہے۔ یہ بزرگ شاہ جاگیر کے زمانہ میں ہائے اور بارہ کے جاگیردار
 سے جہاد کے کو فتح کیا اور اسلام آباد بنایا۔ مزار بچہ ہاڑ پوری کے حاطہ میں گنبدینوں کے نیچے واقع ہے۔
 بارہ سے دو تین میل پر موضع معصوم گنچہ ہے۔ یہ موضع معصوم خاں خانی لقب معصوم شاہ آباد کیا
 معصوم شاہ صاحب شیخ خلیل حقانی تھلانی کے خلیفہ تھے سلسلہ طریقت چشتیہ صابریہ شیخ حقانی کا مزار موضع
 بارہ کی کربلا میں ہے جو کا مزار پر شاہجاں کی بیٹی گیتی آرا سکیم نام سیف خاں کی ساتھ لکھنؤ کی دہلی جاگیر

تھیں۔ باڑہ کے جاٹوں نے چھاپہ مارا، شاہزادی نے بڑی دلیری کے ساتھ قراقرظ کا مقابلہ کیا اور مع تمام رفقاء کے اسی جگہ شہید ہو گئیں۔ شاہزادی کے مزار کے پائیں میں سیف خاں کا فرقہ ہے۔ کتا بہ قبرلارڈ کمرزن کے زمانہ میں اکھڑا لیا گیا۔

شیخ بہادر علی صاحب دیتی خاں کا لقب ستعال کہتے ہیں۔ دولت سے باڑہ میں آباد۔ او صاحب جاہت جاہ ہیں عہد انگریزی میں وجہ حال کیا ہے، کئی بلند اقبال بیٹے ہیں، منجملہ انکے ایک مسٹر احمد حسین ہیں برسر و سب حج۔ اور دوسرے مسٹر علی حسین خاں صاحب ہیں۔

باڑہ میں انصاریوں کا بھی ایک طائفہ ہے۔ مگر وہ اپنے آپکو سید کہتے ہیں۔ اور حالات اصل میں سننا واقف ہیں معلوم یہ ہوا کہ جہانگیر شاہ کے عہد میں محمود اور سید دو بھائی اس زمین میں لے شیخ سونے ہار میں قامت اختیار کی انصاری محلہ انکے نام سے قائم ہوا اور دوسرے بھائی شیخ محمود، نشتہ انصاری باڑہ میں آ رہے تھیں یہاں انصاری محلہ بسایا۔ انکی قبر کی باس ایک کتبہ ہے مگر پڑھا نہیں سکا۔ مسجد چربیل کتبہ لگا ہے۔ بعد شاہ نور الدین جہانگیر بنانشہ مسجد محمود و سید۔ جو جسم سال تاریخ بنائیش۔ و خرد گفتا بگو کہ شیخ محمود

مولوی سید شرف الدین صاحب۔ خان بہادر ۱۸۹۳ء۔ مرنے والے کا ۱۸۹۳ء۔ فیوٹو ملکہ یونیورسٹی سابق متولی امام باڑہ، کئی حکمت طبعات محسنیہ نامی ایک کتاب کی تصنیف ہے۔ وعدہ کتاب ہے۔ خان بہادر نواب میر علی صاحب سی۔ آئی۔ ای۔ آخری پرائم مسٹر شاہ واجد علی مرحوم مغزول فرمانروا اودہ کے خاندان میں ممتاز فرد ہیں۔ آپ کے برادر خرد مسٹر حسن الدین احمد صاحب کمانڈر فوج و سپیکٹر جنرل آف جبریش صوبہ بہار و آف فوج فیس کدہ جلالت کر گئے ہیں۔ انکے دو بیٹے ہیں دو دونوں سرکاری عہدہ پر کام میں۔ متولی صاحب کے کوئی اولاد نہیں۔ سی خاندان میں خان بہادر سید عبد الحمید صاحب بھی ہیں جو ۱۹۱۴ء میں خان بہادر ہوئے ہیں۔ خاندان اپنے آپکو بخاراوی کہتا ہے۔ ہندوستان کی آمد کا زمانہ شاہجہان ہے پہلے دہلی۔ اور پھر میں بریلی اور پھر لاہور آئے۔ مورث اعلیٰ خواجہ بیٹے نے مولوی سید وارث علی صاحب تھے۔ اور انکی اولاد یہ سب ہیں۔

شیخ پٹوہ ضلع موگیا اور نوکیسہ مشرق میں اٹل کے قاصد ہے۔ قصبہ کی آبادی دس گویا سمجھ میں واقع ہے۔ مخدوم شیخ بندگی خضیب حمزہ اللہ علیہ فیضہ مخدوم الملک۔ اس سب کے بانی ہیں۔ اور آپکا مزار اسی کے پورب جانب

دامن کوہ میں ہے۔ مزار پختہ بلا گنبد چار دیواری بنایا اسکے برابر شیخ ار زلی موسیٰ کی بنوائی ہوئی قتالی مسجد ہے۔
 جسکو ۳۷۵ھ میں میر بشارت کہہ م نے از سر نو درست کرایا۔ طرز عمارت سے قدامت کا پتا چلتا ہے۔ مخدوم صاحب
 کا عرس ۱۲۱۱ھ ربیع الثانی کو ہوا ہے۔ سلسلہ طریقت فردوسیہ ہے۔ کتاب مناقب صفیاً تذکرہ بزرگان فردوسیہ
 مخدوم شعیب کی تصنیف ہے قصیدہ شیخوہ کی معلق بارہ گانوں ہیں۔ اور انکے علاوہ مضامین کے تمام دیباچوں
 بھی سادات کی ہستی ہے۔ یہ سید محمد ماجنیر حنی محمد بنی کی نسل سے ہیں۔ بڑے موضوع کے نام یہ ہیں حسین آباد
 مدام پور ماند۔ فیروز پور مندو۔ محمد پور کیاری۔ پیغمبر پور چوارہ۔ چوارہ۔ ندیاواں۔ کسل گڑھ۔ برولی۔ کڈھ۔
 پٹرہٹ۔ پرگنہ امرتھو ضلع نوگیر سید محمد ماجنیر نے گلمکھ کے کفار سے جہاد کر کے عیلاف فتح کیا تھا۔ انکی عمارتیں حقیقی تھیں
 (۱) سید مالک۔ انکا مزار موضع جیو بند میں بہار سواتین کوں مکن جانب ہے۔ (۲) سید جمال الدین۔ انکا
 مزار موضع جموارہ میں پہاڑ پر ہے۔ (۳) سید شاہ برہان الدین۔ انکا مزار موضع سانچہ میں دریا گنگا کے آس پاس
 (۴) سید شاہ محمد یوسف جس سے چھوٹے تھے۔ انکا مزار موضع چوڑا ضلع گیا میں ہے۔ مذکورہ بالا بارہ موضع
 میں زیادہ تر انہیں چار و صاحب کی اولاد آباد ہے۔ اور صوبہ بہار کے اکثر سادات بھی انہیں کی نسل سے ہیں۔
 مخدوم شعیب قریشی تاج فقیہ بن ابی بکر کے بیٹے ہیں جو مخدوم شرف الدین بکری منیری کو بھی ادا ہے
 گویا مخدوم شعیب اور مخدوم الملک جو دونوں چچرے بھائی ہیں۔ اب محالہ ہو سکے قصیدہ شیخوہ میں حرف چار گھر
 مخدوم شعیب کی اولاد میں ہیں شاہ قمر الدین صاحب شاہ منظر صاحب شاہ عبدالحی صاحب اور شاہ
 محی الدین صاحب۔ انکے مزار ہیں مظفر بکری جو مخدوم الملک کے نہایت محبوبہ و خلیفہ تھے۔ سجادہ نشین
 تھے۔ جو نواسے بھی ہیں اس خاندان میں شاہ صاحب بڑے ہیں۔ انھیں میں سے مغزین بڑے اور کالست بڑے ہوتے ہیں۔
 شیخوہ کے مومن شیلوچ بھی خوشحال اور ترقی تعلیم میں تیز گام ہیں۔ انہیں کئی پیر بڑے ڈاکٹر
 اور ڈپٹی مجسٹریٹ ہیں لیکن ملازمت سرکاری کی وجہ سے دیگر مقامات پر تعینات ہیں۔ اس قصبہ میں شرفا
 سادات کی بہت کثیر آبادی تھی لیکن اب حالت اچھی نہیں۔ علمی مذاق انہیں مفقود ہو رہا ہے۔ اور
 قومی ہمدردی کا لونی وسط نہ کہنے میں ہمارے علم حالت یہاں بھی پائی جاتی ہے۔ شیعہ خاندان بھی کئی ایک بڑے
 حسین آباد کے نواب و گان شیعہ ہیں۔ اور بڑے صاحب یاست ہیں حسین آباد شیخوہ سرد و کونڈا

اس خاندان کے سربراہ اور وہ ارکان نواب و لاہوری خاندان صاحب و نواب علی خاندان صاحب میں
خاندان کو یکساں مجموعی طور سے دولاکھ و پینسالا نہ محال کی ریاست ہے۔ مگر علم و ہنر۔ لیاقت تہذیب کی نظر
توجہ نہیں۔ موجودہ رئیس خاندان ریاست نوابوں میں۔ مادی ترقی پر قابض ہیں۔ اسی ہزار سالانہ آمدنی کا
دو ریاستیں مصارف عزا واری کے لئے وقف ہیں۔ خاندان کا عروج نواب علی خاندان کے وقت سے
ہو رہا ہے۔ انکو خان بہادر اور نواب کا خطاب منٹ ہی تھا۔

شیخپورہ میں ایک علم دوست بزرگ حافظ وزیر علی صاحب ملقب بہ حجت شاہ۔ سنیار صاحب
آپ سلسلہ وار شیعہ میں بیعت۔ حافظ قرآن اور وسیع العلوم آدمی ہیں۔ مخدوم کے حالات میں
ایک کتاب تیسرے اشعوب تالیف فرمائی ہے۔ آپسے یہاں کے حالات معلوم کر نہیں جھک بہت بڑی مدد ملی۔
شیخپورہ کی کسی شرفاء کی ایسی میں کسی اسلامی یا غیر اسلامی مدرسہ یا انجمن غیور کا نہ تو ساخت اندوہناک ہے
موجودہ شیخپورہ سے ۱۳۔ اپریل کو مرجا ریاست کی طرف روانہ ہوا۔ جموں تک پہنچا یا شام
جموں میں پہنچا۔ اور ڈاک بنگلہ میں کسی غیر عمدہ دار کے نہ ٹھہر سکے کی وجہ سے قیام میں قوت پیش آئی۔
صبح ہوتے ہی سواری ٹیم میں مرجا پہنچا۔ عبدالحمید خاندان صاحب رئیس مرجا نے کمان خلق و محبت کا برتاؤ فرمایا۔
یہ ریاست راج کھیر کی ایک شاخ ہے کھیر کے راج کی بنیاد ویر کریم سنگھ راجپوت چندیل نے ڈالی تھی۔ انکی
اکیسویں پشت میں راجہ پر تاب نرائن سنگھ صاحب سنگھ ۱۲۳۷ء میں مشرف باسلام ہو گئے اور مرجا کو
اپنا مقرب بنا لیا۔ اسی وقت سے مرجا ایک اسلامی ریاست ہے۔ راجہ صاحب روح کا اسلامی نام راؤ عبدالرحمن
تھا۔ اپنے ۱۳۱۱ء میں وفات پائی۔ ایک بچہ چار فرزند ان رجند ہیں۔ سرمد خاندان اور مظہر ریاست عبدالحمید
صاحب عبدالحمید خاندان صاحب ہیں۔ انسے دو چھوٹے بھائی عبدالاکبر خان عبدالکیم خان عبدالحمید خاندان صاحب ہیں اور
موجودہ راؤ صاحب کے دو پوتے عبدالغفور خان محمد اسماعیل خان ہیں۔ بچہ چار اسلام آباد ہے۔ چھوٹی سی خوشنما
سجدہ ٹنگی ہے۔ خاندان کے تمام افراد ماشاء اللہ ارکان اسلام کے پورے پابند ہیں۔ نماز جماعت لے کر ہوتی
عبدالحمید خاندان صاحب کے پڑاؤ ریاست ہونیکے علاوہ جموں کے انگریزی بیچ بچہ ٹیٹ بھی ہیں بنیا
عالی منش۔ شریف لطیف۔ خوش اخلاق۔ اور سافر و دست ہیں۔ انکے اخلاق کریمانہ سے دل سید خوش رہتا

۱۵۔ اپریل کو مرچا سے واپس ہو کر بردنی اور پھر بارو۔ ۱۸۔ اپریل کو جھکوتی انجکیشن کافر نس میں
 ہمارے مولوی زین العابدین صاحب مولوی محمد طاہر صاحب کیل صدر انجمن اہلس کافر نس مذکور گیا۔ پورا ڈو
 اسٹیشن تک پہلے سفر ہوا۔ اسٹیشن مذکور پر استقبال کرنے والی جماعت موجود تھی صاحب کی پذیرائی کر کے
 انکو مع ہمراہیان جھکوتی لے گئی۔ پارٹی مسٹر محمد سلیم عرف بھولا بابو صاحب کے یہاں مقیم ہوئی۔ جھکوتی انجکیشن
 سوسائٹی کے آپ مستقل پریزیڈنٹ ہیں۔ ۱۹۔ اپریل ۱۹۷۹ء کی صبح سے کافر نس کے اجلاس شروع ہو گئے
 جسکو ان جلسوں میں تین تقریریں کرنی پڑیں۔

اس سوسائٹی نے نومبر ۱۹۷۹ء سے جھکوتی میں ایک مدرسہ اسلامیہ قائم کر رکھا ہے۔ عربی فارسی
 اردو حساب۔ انگریزی۔ اور حفظ قرآن کی تعلیم مقول طریقہ سے ہو رہی ہے۔ صرف نو سال میں اس
 نے بہت لڑکے اپر پرائمر گریزی مدارس میں درجہ کالج کلاسوں میں پہنچائے ہیں۔ انکی مجموعی تعداد
 ۱۶۰ ہے۔ اور اسی قدر طلبہ کیل حافظ قرآن چوچکے ہیں۔ ۴۰ درجہ انگریزی کے اور ۸۰ درجہ ابتدائی اردو
 اور عربی تعلیم کے قائم ہیں۔ ایک درجہ خاص حفظ قرآن کا ہے۔ ۶۰ طلبہ انگریزی میں ہیں۔ ابتدائی اردو
 عربی درجوں میں ۴۰ طلبہ۔ اور حفظ قرآن میں ۴۰ طلبہ۔ جملاً ایک سو چار فرزندان اسلام زیر تعلیم ہیں۔ پانچ
 مدرس ہیں۔ سال گذشتہ میں لڑکے روپیہ آمدنی اور صاحب روپیہ خرچ ہوا۔ بکت مار ۵ روپیہ سابقہ
 سرایتیہ ۱۳ روپیہ ملکہ ۱۳ روپیہ نقد سرمایہ موجود ہے۔ اور تازہ آمدنی دو ہزار روپیہ
 ہوئی۔ محمد انصاریہ مدرسہ ترقی کر رہا ہے طلبہ سے کوئی فیس نہیں لی جاتی۔ ۴۰ طلبہ جاگیر پر بستے ہیں۔ مدرسہ
 کا خود مکان ہے۔ صاحب کی تعمیر خرچ ہوئے ہیں۔ سکرٹری مسٹر محمد نعیم صاحب کیل۔ اور صدر انجمن اور
 سوسائٹی مدرسہ کی جانی مولوی محمد سلیم صاحب ہیں۔ انہیں کی بامددی سے یہ کام چل رہا ہے۔

جھکوتی۔ مع ویدہ درجہ بیات مصافات و جوار کے روح حیات یعنی ترقی علم کی سعی میں گہرا
 ہے۔ ان مواضع میں موضع رحیم آباد مولانا عبدالعزیز مرحوم محدث کی جائے ولادت اور مدفون ہے۔
 مولانا بڑے پاپے کے عالم تھے مشکوٰۃ شریف کا ترجمہ اردو میں فرمایا جسکا نام طریقۃ النجات ہے۔ و
 اور بزرگ شیخ قطب الدین عرف پیر از غیب اور شاہ نعمت اللہ اولیاء کے مزار پر جھکوتہ۔ میں ہیں محمد

شاہ نعمت اللہ اولیا بھرگوڈھ کی اولاد جو موضع میں آباد ہے۔ یہاں اپنے مورث علی کی آمد کا زمانہ شاہاں لودی کا عہد بتاتی ہے۔ مگر سند و تاریخ سے لاعلم ہیں۔

بھگونی سبٹ دین سستی پور ضلع دیکھنا کہ گاہی اور دھبنا کی جنوب مشرق کے گوشہ میں کس پر واقع ہو۔ اسکے اور درہنگ کے مابین دریائے گندک اور باگ متی۔ جو چھوٹی چھوٹی ندیاں ہیں ان میں اس نالچ میں مسلمانوں کی آبادی زیادہ تر شیوخ اور خاص کر شیوخ صدیقی مشتمل ہے۔ اور اسکے بعد چھان پھر سادات کی تعداد ہے سبانی حوصلہ صاحب ہمت اذرقوی جوش سے بہرہ ور ہیں نئی پودہ میں کام کرنا کولولڈ رہا ہے اور امید ہے کہ سر بلندی حاصل کرینگے۔ مسلمان وکلاء اور مختاران کی کافی تعداد ہے۔ یہاں مسلمانوں میں لی حالت بابو محمد نعیم صاحب عرف بھولو میاں کی سب سے اچھی ہے۔

۱۔ جب ۱۳۳۳ھ کو محب قلبی سہراب علی خاں کی رفیقہ زندگی اوسلیطہ مندی بی ویتا سے آٹھ کلا سفر کر گئیں۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم نے چھوٹے بیٹے اور غمزدہ بیٹو بھوپنڈا سے۔ سہراب علی بہت پریشان ہیں بھکولایا ہے۔ عزیز دوست کی شرکت اہم ضروری ہے۔ رہائشیں گیا۔ چہرہ پر ہنچا اور ۱۶ دن وہاں رہ کر ۱۰۔ مئی ۱۹۱۹ء کو پھر بارہ واپس آیا۔

سعد میاں کے ساتھ موضع ماتہ اور پھر کٹھہ کو گیا۔ گرمی کی شدت نے پریشان کر ڈالا۔ جمونی آکر سب جبرائیل صاحب کے یہاں گزٹ دیکھنے گیا آخر سلمہ کا نتیجہ امتحان معلوم کروں۔ سب جبرائیل صاحب مرد شریف ساکن بھاگلپور۔ اور مولانا شہباز بھاگلپوری کے خاندان کے فرد ہیں۔ ان سے مولانا کے حالات معلوم کئے گئے۔ مولانا شہباز یاد و ترجمہ مولوی محمد یونس صاحب بہاری پرنٹنڈنٹ مدرسہ حسامیہ کیلا۔ (بنگال) سے ماخوذ ہیں۔ اصل کتاب فارسی میں سلسلہ کے ایک بزرگ محمد محترم صاحب نے لکھی تھی۔ اور مولانا شہباز کی وفات کے ڈیڑھ صدی بعد یہ کتاب تالیف کی تھی۔ خلاصہ حسب ذیل لکھتا ہوں۔

مولانا شہباز مولانا سید شاہ جلال الدین بخاری کی اولاد تھے۔ خاندان کے ایک بزرگ حاجی سعید خیر الدین مع اپنے فرزند سید خطا کے چچ و زیارت سے فایز ہو کر ہندوستان کے مقام دیوہ سرزمین بنگال میں آ رہے۔ ان کے بیٹے مولانا شہباز رحمہ اللہ دوم الملک بہاری کے حاضر تھے۔ اور بھاگلپور کی ولایت آپ کو ملی تھی۔ آپ کا

سہ ماہی فاتح بہار اور دہلی میں ہوا کرتا ہے۔ شہر مظفر آباد کے خواجہ علی نیگلروی شاہ مجیب اللہ بھٹاوی مولانا صفی الدین سیالکوٹی۔ مولانا شاہ محمد ارجح الہ آبادی۔ وغیرہ ہیں۔ انکی تاریخ ولادت ۱۵۹۷ء اور سنہ دصال ۱۶۰۰ء ہے۔ ۱۶۰۱ء صفر روز پنجشنبہ کو ۹۵ سال کی عمر میں اصل بحق ہوئے۔ یہی عرس کی تاریخ ہے۔

بھاگلپور۔ ۲۵ مئی کو بھاگلپور آیا۔ شاہ فتح عالم صاحب کے یہاں قیام کیا۔ شہر دیہاتے گنگ کے کنارہ پر آباد ہے۔ یہاں میں تجارت کی بڑی منڈی ہے۔ کلکتہ سے کشتیوں پر مال تجارت یہاں آتا ہے۔ جہاز بھی آتے ہیں۔ دریا کے کنارے ایک بلند ٹیلہ پر مخدوم ملک جنگلی کامزار بنا ہے۔ محلہ چپانار کے متصل اونٹن بکشی جگہ ہے۔ اسپریت کتبہ لگا ہے۔

از انتظام ضحیف عباد اللہ خواجہ احمد سمرقندی کہ حسب الحکم نواب قدسی انقشاہنہ عالمیان شاہ پرویز جہانگیر خیر متہ صوبہ داری۔ سرکار سنگیر آمدہ بود بہ بنائے عمارت۔
ایں روضہ منورہ توفیق یافت ۴۰ ہزار و سی و دو ہجرتی۔
۱۰۳۲ھ

بھاگلپور میں مسلمانوں کی کبھی بہت بڑی آبادی تھی۔ محلوں کے نام اسکے شاہد ہیں۔ محلہ میں چھوٹی چھوٹی پرائی مسجدیں بنی ہیں۔ ان میں سے کسی پر کتبہ نہیں ہے۔ اور اگر ہے تو دو ہی ایک پر طرز عمارت سب کا یکساں اور قدیم ہے۔ گنبد سب میں ہیں۔ منارے زیادہ بلند نہیں۔ محلہ قاضی چک کی مسجد اچھی حالت میں ہے۔ اسکے تین گنبد ہیں اور بلحاظ وسعت متوسطہ کی ہے۔ کتبہ تاریخ ۱۰۳۲ھ

گفت تاریخ انصر مشایق غیب احمد	داما آباد باد مسجد قاضی آباد
-------------------------------	------------------------------

یہ قاضیوں کا محلہ تھا۔ اب خاندان میں کوئی نامی شخص باقی نہیں۔ محلہ مشایق چک میں مختصر سی قدیم مسجد ہے۔ کتبہ نہیں ہے۔ حالت شکستہ ہے۔ لب گنگا پختہ قبہ دار مقبرہ کی نفیس عمارت ابراہیم حسین کا مقبرہ کہلاتی ہے۔ قطب خاں و غوث خاں کے مقبرے بھی اچھے بنے تھے مگر اب منہدم ہو گئے ہیں۔

خان بہادر علی احمد صاحب شیخ منگل کوٹ ضلع برادران کے اصلی باشندے۔ بھاگلپور

میں سشن جج تھے۔ ۱۹۱۷ء میں خان بہادر ہوئے۔ آنریری مجسٹریٹ۔ اور سٹوڈنٹ فنڈ بھانڈو کے سرکاری ہیں۔ بھانڈو میں سکونت اختیار کر لی ہے۔

سید شاہ فتح عالم صاحب۔ سجادہ نشین درگاہ پیر و مرزا محلہ خلیفہ باغ میں رہتے ہیں۔ سادات زیدی ہیں۔ ان کے مورث اعلیٰ سید شاہ قاسم ہندوستان میں آکر میرٹھ میں سکونت فرمادے ہوئے۔ ہمارے سید حسن وسطی میرٹھ سے آئے۔ وہ حسن پورہ۔ سیوان ضلع چیمپہ میں غلت ہوئے۔ ان اطراف میں پیر و مرزا کے نام سے مشہور ہیں۔ انکے تین فرزند سید مبارک۔ سید احمد۔ اور سید حسن تھے۔ ان ہر سہ صاحبان کی اولاد آج اسٹیشن مینا پور چیمپہ۔ اور سیوان وغیرہ میں آباد ہے۔ سید حسن صاحب کا مزار سلطان پور ضلع بھانڈو میں ہے۔ انکے پوتے سید شاہ علی احمد صاحب سروریہ قادر یہ سلسلہ کے ایک شیخ ہوئے۔ خاندان انکا موجود ہے۔ عہد شاہی میں کئی لاکھ روپے سالانہ کی جاگیر تھی۔ اب کچھ بھی نہیں بچھوڑی سی ذاتی کمسو بجا دیا ہے۔ فرامیں محافی شاہجہاں وغیرہ کے میں نے خود دیکھے ہیں۔

سید شاہ فتح عالم صاحب نہایت خوبی اور اخلاق کے آدمی ہیں۔

آنریریل مسٹر محمد نعیم صاحب بیرسٹریٹ لائسنس پورہ مونگیر کے رئیس۔ سید عالی نسب احمد جاجیری کی اولاد سے ہیں ۱۹۱۷ء میں بیرسٹری کی سند حاصل کی۔ کونسل آف انڈیا مسلم لیگ کے ممبر۔ اور ڈسٹرکٹ لیگ بھانڈو کے سرکاری ہیں ۱۹۱۷ء میں بہار کونسل کے ممبر ہوئے۔ مسلم سٹوڈنٹ اسکالرشپ فنڈ قائم کر دینا آپ ہی کا کام ہے۔ یہ فنڈ ۱۹۱۷ء سے قائم ہوا۔ اور ہزاروں پویم مسلمان طلبہ کو اعلیٰ تعلیم دلانے میں خرچ کر چکا ہے۔

بھانڈو تجارت کی منڈی ہے۔ یہاں کاشری کیڑا شام ہندوستان میں مشہور ہے جو لاکھ پست مالدارانہ خوشحال ہیں۔ مگر بے حس ہیں۔ انہیں تعلیمی جوش اب تک پیدا نہیں ہوا ہے۔ اس شہر میں عام اسلامی زندگی ابتر حالت میں ہے۔

جھانڈو۔ ایسٹ انڈیا ریلوے کا ایک ورکشاپ یہاں ہے۔ پنجاب کے چند زندہ دل

مسلمان تاجروں نے جو یہاں کا رہا کر کرتے ہیں۔ مسلمان مزدوروں کی جماعت کو جوش و لا کڑا بخشن اور مددگار مسلمان قائم کیا ہو۔ یہ مدرسہ ملن تک اور انگریزی اسکول ہے۔ انگریز اعلیٰ ملازمین کا رخانہ بھی اس میں رعایت فرماتا ہے۔ مدرسہ کی عمارت دیلوے پور ڈولے بنوا دی ہے اور فیس عمارت بنوائی ہے۔ مولوی عبدالغنی صاحب سوداگر اس اسکول کی کمیٹی کے صدر ہیں۔ انکے والد اس کا رخانہ میں مہتری تھے۔ مولوی صاحب بڑے با خدا آدمی ہیں اور یہ مدرسہ انھیں کے دم قدم سے قائم ہوا ہے۔

پلورینیا ۱۶۔ جون کو آیا۔ لین بازار میں مولوی محمد شریف صاحب پیر ستر گورنمنٹ پلورینیا کی کوٹھی پر مقیم ہوں اس شہر کی آبادی عجیب قسم کی ہے۔ ہر محلہ الگ الگ ایک دو گھر سے کوس کوس بھر فاصلہ پر آبادی ہے۔ لین بازار سے شہر تک ایک کوس کا فاصلہ ہے۔ محلہ جعفری باغ میں سیر فیاض علی صاحب کے مکان کی پشت پر ایک قدیم مسجد ہے اور اس میں سیف خاں کا مزار بتایا جاتا ہے۔ کتبہ نہیں ہے۔ سیف خاں آغا سیف خاں ایرانی ہمارا ہیماں شوکت جنگ سے تھے۔ انکی اولاد اب سید بنتی ہے۔ شوکت جنگ کے مکانات۔ انکا مقبرہ۔ اور خاندانی قبرستان سبھی جو وہ شہر سے شمالی مغربی سمت میں دو میل کے فاصلہ پر اور جنگل میں واقع ہیں۔ اس محلہ کامیاں بازار نام ہے اور کابلہ کے قریب ہے کھنڈروں کی پاسبانی ابا بیل کے حصہ میں آئی ہے۔ میں نے جا کر دیکھا کسی قبر پر کتبہ نہیں اور نہ صاف معلوم ہو سکا کہ شوکت جنگ کا مزار کون سا ہے۔

قلعہ جلال گڑھ بھی قدیم اسلامی یادگار ہے۔ اب اس کے صرف کھنڈر بکھڑے ہیں اس ضلع میں پرواہا۔ اور کھگیڑا۔ دو قدیم ریاستیں ہیں۔ اور نو دولت لوگوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ اس ضلع میں مسلمانوں کی آبادی اور دولت مندی بہت ہے۔ شادی دختریں جہیز میں بولیشی دینے اور دعوت میں ہی جیوٹا کھلانے کی رسم اب تک موجود ہے۔ دیہات میں ہر گھر کے اندر ایک خدا کا گھر بھی ہوتا ہے۔ جس میں عورتیں سجدہ کرتی اور منتیں مانگی ہیں۔

مولوی محمد شریف صاحب پیر ستر ساکن شیخ پورہ ضلع موگیرو دیوبند کے تعلیم یافتہ مولوی تھے کچھ انگریزی پڑھ کر پورینیا میں مختاری کرتے رہے۔ آمدنی سے پس انداز کیا اور اتنی رقم جمع کر لی کہ دلالت

جا کر برٹری پاس کر آئے۔ اب پورینیا میں گورنمنٹ پلید رہیں۔ اور اس سارے ضلع میں ایک محب قوم فرد ہیں۔ بڑی خوبی کے آدمی ہیں۔

کٹھیار۔ پورینیا سے یہاں آیا۔ عبدالغزیز صاحب کیل ساکن بھلی کامہان ہوا۔ یہ ریلوے جنکشن ہے۔ پورینیا۔ کشن گنج۔ اور مویتھاری کو ٹرپنس یہاں سے جاتی ہیں۔ یہاں چودہری محمد بخش صاحب کلال ایک مالدار آدمی ہیں۔ چودہری محمد بخش صاحب گیا میں کارخانہ کشید شراب کے مالک و ضلع پورینیا میں بہت سی دوکانوں کے ٹھیکہ دار ہیں۔ زمینداری بھی خرید رہے ہیں۔

بارو۔ آغاز فردی سے آخو جون تک پانچ ماہ۔ بارو میرا صدر مقام رہا۔ قصبہ بارو سرائی کی سستی ہے۔ شرفاؤ بیگم و علم دوست ہیں۔ ملازمت گورنمنٹ اور دربار سی رکھتے ہیں۔ اس قصبہ کے معزز خاندان میں خان بہادر مولوی محمد طاهر صاحب کیل ہائی کورٹ پٹنہ۔ اور ان کے بڑے بھائی مولوی سید زین العابدین صاحب ہیڈ آف ٹیلی ہیں۔ مولوی طاهر صاحب ۱۹۱۴ء میں خاندان بہادر ہوئے۔ عربی داں و انگریزی میں بی۔ اے۔ بی۔ ایل ہیں۔ اصل سکونت دیار پور ضلع پٹنہ کی ہے۔ مگر والد صاحب کے وقت سے بارو میں مقیم ہو گئے ہیں۔ مولوی زین العابدین صاحب عجب خوبی کے انسان اور سید خلق و سچہ ر دو قوم ہیں۔

چھپرہ۔ ۵۔ ۸۔ جولائی کو چھپرہ آیا۔ مولوی محمد اسماعیل صاحب وکیل کے یہاں قیام کیا ہے۔ ۱۰۔ جولائی کچہری کے بارو میں پہنچا۔ طبقہ وکلا ر یہاں بھی قومی کاموں سے بد مذق ہے۔ مولوی محمد اسماعیل صاحب نے انجمن ترقی آر دو کی لائبریری کھولنے کی تحریک فرمائی۔ میری موجودگی نے لوگوں کو یہ تحریک منظور کرنے کی ترغیب دی۔ وکلا میں مسٹر فضل علی بیرسٹر ساکن بنارس اچھے پریکٹیشنر اور مٹین و سنجیدہ ہیں۔ مولوی محمد اسماعیل صاحب سید خوبی کے بزرگ اور قومی کاموں میں حصہ لینے والے۔ اس بارو میں فرد ہیں۔

چھپرہ میں مولوی اصغر علی صاحب زمیندار۔ شیخ جعفری زبانی۔ اچھی حالت کھڑے

ہیں۔ مہدواؤں ضلع پٹنہ کے باشندہ تھے۔ ان کے والد مولوی طہر حسین صاحب نے پہلا
زمینداری خرید لی اور طرح اقامت ڈال دی۔ اب یہیں سکونت ہے۔ عربی کے فاضل۔
علم ادب اور تاریخ کے ماہر۔ انگریزی بھی اچھی جانتے ہیں۔ معقول کتب خانہ رکھتے
ہیں۔ ترجمہ کا خاص مذاق ہے۔ ہیریٹ اسپنسر کی کتاب "فرسٹ پرنسپل" کے ڈیڑھ
پارٹ کا ترجمہ کیا ہے۔ مضامین فلسفہ کا دنٹ ٹالسٹائے کے مترجم ہیں۔ لیکن کوئی کتاب
اب تک شائع نہیں کی ہے۔

ایک اسلامیہ اسکول برائے نام چھپرہ میں ہے۔ ممکن ہے کہ گورنمنٹ کی امداد
کچھ حالت سنبھال دے۔ آنریری سکریٹری مدرسہ مسٹر علی صاحب ہیں۔
تریب النساء بیگم صاحبہ۔ مسٹر علی اکبر بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی۔ ویل
کی خاتون آردو و انگریزی سے واقف۔ تمام زمانہ رسالجات میں عمدہ مضامین لکھتی
ہیں۔ قومی معاملات پر اخباری رائے دیتی ہیں۔ کم سن ہیں۔ مگر طبیعت علمی و فاضلہ
سے مالا مال ہے۔

چھپرہ کا دوسرا نام سادہ ہے۔ عہد شاہی میں "نورکار سائن" کے نام سے
مشہور تھا۔ عہد برطانوی میں اسکا ہیڈ کوارٹر پہلے چڑا ند ہوا۔ چڑا ند ہندوؤں
کی قدیم بستی اور مذہبی تفوق رکھتی تھی۔ اب بھی ایک تیر تھہ کی جگہ ہے۔
اب ضلع کا صدر مقام چھپرہ میں ہے۔ یہاں تیس چالیس سال سے ایک پبلک
لائبریری قائم ہے۔ اسکے بانی ایک مسلمان تھے۔ عربی۔ آردو۔ اور فارسی کی
بہترین کتابیں اسمیں ہیں۔ تمام پبلک اس سے فیض حاصل کرتی ہے۔ آٹھ
دس سال سے اس لائبریری کی صدارت پر جج یا کلکٹر ضلع رہتا ہے۔ اسوجہ
سے عربی و فارسی کتابوں کا ذخیرہ خراب اور انگریزی نادلوں کا سرمایہ افزوں
ہو رہا ہے۔ لائبریری کی عمارت پر فضا باغ میں نہایت عمدہ بنی تھی۔ احاطہ خوب

دسیج تھا۔ مگر اب عمارت مشن کے پادری صاحبان کے پاس چلی گئی۔ اور کتب خانہ کی کتابیں برآمدہ ٹاؤن ہال میں پڑی ستر رہی ہیں۔

سید راحت حسین صاحب۔ بی۔ اے۔ بی۔ ایل۔ مصنف القمر۔ النحل۔
ونیزنگ ارض۔ ایک قابل اہل قلم ہیں۔ آپ اسی ضلع کے رہنے والے ہیں۔
سیوان۔ ۱۴۔ جولائی کو سیوان آکر مسٹر محمد حبیب الرحمن صاحب کے یہاں فروکش
ہوا۔ آپ کے والد تاجر تھے اور بزرگ بھی تجارت کرتے آئے تھے۔ خدائے کام میں
برکت دی۔ زمینداری خریدی۔ آدمی کام کے ہیں۔ انگریزی اسکول۔ انجمن یتیم خانہ۔
مسلمانوں کی طرف سے قائم ہے۔ (۱۴) طلبہ اسکول میں ہیں۔ تعلیم و تربیت توجہ
اور کوشش کی محتاج ہے۔ سیوان چھپرہ کا سب ڈویژن ہے۔ اکثر مسلمان
تجارت پیشہ۔ مالدار۔ اور خوشحال زمیندار ہیں۔ شیخ گلزار مومن کا خاندان
اور نور محمد رانگی عرف نور سی میاں کا خاندان۔ لکھتے ہیں۔ نوری میاں کی
ذاتی۔ شوگر مل ہے۔ چال ڈھال قدیم ہے۔ اور یہی اونکی خوشحالی کا راز ہے۔
قدیم و شریف گھرانہ نواب اسماعیل علی خاں صاحب کا ہے۔

برنگال و بہار سے مجلس کو واپس ہوا۔ بنارس میں عزیزوں کی دید وادید
کے لئے ٹھہر گیا۔ وہاں بنارس دس دن مدہوش رکھا۔ صحت بھی نہ ہوئے
پائی تھی کہ مجلس آگیا۔ اور بھوپال میں علاج کر کے مندرستی بحال کی۔ مجلس میں
اسلامیہ مدرسہ قائم کرنے کی کوشش شروع کر دی۔ میں جس وقت سے
بھلنے میں آیا ہوں۔ مدرسہ کی فکر رہی ہے۔ آخر خدائے پاک کی مدد سے
انجمن معین الاسلام کا سالانہ جلسہ بڑی دھوم کے ساتھ ہو گیا۔ اور
اسی جلسہ میں مدرسہ کھول دیا گیا۔ اب خدا ہی اسکے بقا و قیام
کا ضامن ہے۔

دورہ راجپوتانہ

وسط اکتوبر ۱۹۱۹ء تک بھلسہ میں قیام اور آرام کر کے راجپوتانہ اور وسط ہند کے سفر کا نتیجہ کیا۔ ۲۰۔ اکتوبر کو بھلسہ سے روانہ ہوا۔ ۲۱۔ کوٹہ کو پہنچا۔ یہ راجپوت راجہ کی ریاست ہے۔ کبھی یہاں تمام اعلیٰ سناٹھ پر مسلمان نامور رہتے تھے۔ اب اس دور تعصب میں برائے نام چند مسلمان ریاست کی ملازمت میں رہ گئے ہیں۔ یہاں آکر پہلے سر میں ٹھہر گیا تھا۔ دوسرے دن لوگوں سے ملنا ملنا سید محمد و اکسن صاحب وکیل کے یہاں پہنچا۔ اور انکی ہمدردی و اخلاق کا گرویدہ ہو کر انکا سہماں بن گیا۔ وکیل صاحب کا ادبی ذائقہ بہت اچھا ہے۔ اور عمدہ کتب خانہ جمع کر لیا ہے۔ میرے کام میں یمن ہوئے۔ اور کوٹہ کے قاضی شہر قاضی فیض محمد صاحب نے بڑی امداد فرمائی۔ پیر عارف علی شاہ صاحب بھی بڑے مددگار بنے۔ قاضی صاحب کا خاندان شہشاہ اکبر کے عہد سے اس شہر کی قصارت رکھتا ہے۔ کوٹہ کی آبادی عہد شاہ شاہ جہاںگیر میں مہولی ہے۔

باراں۔ مولوی قطب الدین صاحب برہمچاری کی مصیبت میں دو دن کے لئے کوٹہ سے باراں آیا۔ رفیق صاحبہ دل کی دیر سے غم پر طعنت رہا۔ باراں میں عالمگیر غازی کے عہد کی ایک مختصر سجدہ شکستہ حالت میں پڑی جہے اسکی درستی کی اب کیا امید کجائے سجدہ کا کتبہ حسب ذیل ہے۔

”وہم خلافت منصور ابو المظفر محی الدین اورنگ زیب بہادر شاہ عالمگیر شاہ غازی خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ ابراہیم سیادت و امانت پناہ محمد و اسع امین بانی بیت اللہ ثانی محمد شفیع مازندرانی فی التالیخ ہنعم شہر آبادی لثانی سنہ جلوس والا تیراہ الہی سنہ ہجری مقدسہ مطابق نومی سوده آسارہ ماہ تیرہری سنہ ۱۲۴۰“

باراں میں قاضی سید نذیر محمد صاحب کے یہاں کئی شاہی فرامین دیکھے۔ ایک نواب محمد شاہ بادشاہ غازی کے وقت کا بنام سید محمد مسعود ولد سید غلام محمود حسنی حسینی تھا

انگو اس غفران کے ذریعہ جو مخصوصہ الہ آباد سے بوندی کا قاضی بنا کر بھیجا گیا تھا۔ خاندان موجود ہے مگر جاگیر کوئی نہیں + ایک تالاب میں یہ سنگ کتبہ دیکھا جو شاید کسی عمارت پر لگا رہا ہوگا۔ اب یہاں پڑا ہے۔

یارانِ وفا حق ہرگز دستِ شہد
وز دستِ اجل بگیاں بگیاں پست شد
بودند تک شراب اور مجلسِ عمر
یک لحظہ ز باقیترک مست شد
گنگا پورٹی یہاں یوے کے سلمان ملازمین نے انجمن اور کتب اسلامیہ قائم کر رکھا ہے۔ قرآن شریف اور اردو کی تعلیم ہوتی ہے +

ہندون۔ ریاست جے پور کی ایک نظامت ہے۔ کبھی یہ بڑی پتی تھی۔ ہزاروں عمارتوں کے کھنڈر اسکے شاہد ہیں۔ یہاں ایک بہت بڑے تالاب کے کنارہ پر ۱۶ ستون کی کھلی ہوئی عمارت ہے۔ یہ ایک بزرگ "آقا کمالا" کا مقبرہ و مزار ہے۔ عمارت کے اندر دو سنگ مرمر کی قبریں بھی ہیں۔ اور یہ کتبہ لگا ہے۔

دُرِ بحر مقصود آقا کمالا
کہ اور فت و شبست بر تختِ تبت
ولی زان بود و غوثِ زمانہ
چو سال و فائشِ حبتِ عمرِ گرفت
یہاں کے قدیم آثار جلِ سین تالاب۔ بڑا قبرستان۔ اور موتی مسجد ہیں۔
بھرت پور۔ ڈاک بنگلہ میں ٹھہرا ہوں۔ اور مرحوم چھوٹے بھائی ابو مسعود انصاری غفرلہ

کا ماتم دار ۲۰۔ اکتوبر ۱۹۱۹ء کو الموڑہ پہاڑ پر مسافرت اور تنہائی میں جان دی۔ اپنا داغ ہکودے گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ بھرت پور کی جامع مسجد خوب نئی ہے۔
قطعہ تاریخ حسبِ فیل ہے۔

از حکیم ذوالجلال خداوند کبریا
بلونتِ سنگ برجِ مصالحِ فیضِ بخش
دارلے خلقِ داوڑ ۹ کر سنی سنا
در شہرِ حکم داد کہ مسجدِ شود پنا

از ملک و فوج جملہ مسلمان بھینڈیا
 ہر یک بقدر ہمت خود داد بے ریا
 در بھرت پور جامع مسجد گئے شود
 از فضل حق نباشد ہ چون کوبہ صفا
 نفسی چوبست سال شروع بنائیں
 آمدند اسے غیب بگو خانہ خدا

مسجد کے دروازہ داخلہ پر لکھم اللہ اور سورۃ الاخلاص لکھی ہے + اس میں مدرسہ اسلامیہ بھی قائم ہے۔ حافظہ کے درجہ میں پچاس اور اردو کے تین درجوں میں کل چالیس طلبہ ہیں موجود راجہ صاحب نے اردو کو دفاتر ریاست سے خراج کر دیا ہے۔

جے پور۔ ۹۔ نومبر ۱۹۷۹ء کو بھنچا۔ یہ ایک خاص وضع کا شہر اور تمام ہندوستان میں فرو ہے۔ زمین کے وسیع قطعہ کو ہموار اور درست کر کے عمارت شہر بنائی گئی اور بعد میں اسکی آبادی ہوئی۔ شہر کیس کشادہ۔ مکانات و بازار سب ایک طرح کے۔ جمیری دروازہ کے باہر شہنشاہ ایڈورڈ، مفتاح قیصر نند کی یادگار میں ایک پختہ سربنائی گئی ہے۔ اچھی عمارت ہے۔ دو قسم کے کمرے اس میں ہیں۔ ایک قسم کا کرایہ روزانہ دس آنہ ہے اور اول قسم کا کمرہ ۵۰ روپے روزانہ پر ملتا ہے۔ فرنیچر و فرش ہر کمرہ میں سرسے کا ہوتا ہے۔ منیجر صاحب اسے فرمائش ہو تو کھانے کا بھی انتظام کر دیتے ہیں۔ امین الدین خاں صاحب راجپوری اسکے مہتمم ہیں، کھانا کچھ اچھا نہیں پک سکتا۔

اس ریاست کے دفاتر میں اردو زبان رائج ہے۔ اور جمعہ کے دن تعطیل ہوتی ہے۔ مگر یہ سب موجودہ ہمارا راجہ سوائی مادھو سنگھ بہادر کے دم تک ہے۔ انکے بعد اور چند وریاستوں کی طرح یہاں بھی عہد اسلامی کی یادگاریں شادی جائیں گی۔ کیونکہ طبائع میں تعصب کی آگ بھری ہے۔ موجودہ دیوان ریاست نواب سرفیاض علی خاں صاحب ہیں مگر اثر و اقتدار میں کمی ہے۔ دو اور مسلمان ممبر کونسل میں ہیں وہ بھی کمزور۔ وکالت اور ملازمت ریاست میں جو مسلمان موجود ہیں انکی اخلاقی حالت اور قومی حیثیت کا یکساں ذکر کرو مسلمانوں کی کوئی سوسائٹی یا انجمن یہاں نہیں ”قیاس کن زگلستان من بہار مرا“

شہر بہت اچھا مگر شہری قابل ستائش نہیں۔ بچے پور شہر کے سات دروازے ہیں۔ رام نوس
 باغ اور عجائب خانہ اور چڑیا گھر قابل دید ہیں۔ مسالاج قدیم وضع کے عالی نشیمن ہیں
 اجلاس فرش اور گدھی پر ہوتا ہے۔ ریاست کی شان پرانے عہد کی قائم ہے۔ اور لباس بھی
 اگلی وضع کا ہے، اس شہر میں مسلمان آبادی کے پیشہ ور فرقوں میں سے رنگریہ، موچی
 اور معماروں کی حالت اچھی ہے۔ مگر تعلیم کسی قسم کی نہیں۔

ٹونک سے پندرہ دن، مگر ٹونک آیا۔ موجودہ رئیس نواب براہیم علی خاں
 صاحب بہادر کے اخلاق ناقابل بیان ہیں۔ سیدہ مگر پختہ مزاج نہیں۔ سخت قدغن ہے
 کہ ٹونک میں کوئی مسافر تین دن سے زیادہ نہ ٹھہرنے پائے۔ علم سے اس قدر بیزاریں
 کہ کوئی مدرسہ قائم نہیں۔ حالانکہ اسی ٹونک سے ایک زمانہ میں بڑے بڑے علماء پیدا
 ہوئے تھے، جو اپنے وقت کے امام تھے زمانہ جنگ میں انجمن نے انگریزی خواں طلبہ پر
 نگرانی کا کیا حکم دیا کہ رئیس نے عربی خواں طلبہ کو شہر سے نکال باہر کیا۔ ایک سو سے
 زیادہ قریب فراغت طلبہ خارج کر دیئے۔ علماء پریشان اور بد دل ہیں۔ کسی پربر
 نام بھی شبہ دلایا گیا وہ فوراً شہر بدر ہوا۔ ایسے درانداز دربار میں بہت ہیں جو
 بے گناہوں کو خانہاں آوارہ کر رہے ہیں۔ کوئی اخبار یا رسالہ حد و ریاست میں جا
 کیا مجال۔ اشتہارات تک نہیں آنے پاتے۔ تمام رعایا اور مخلوق پریشان اور مخالف ہے۔
 میں سید زبیر صاحب کے یہاں محلہ قافلہ میں ٹھہرا ہوں۔ میرا تعلق انجن ترقی اردو
 سے ہونا ان کے لئے باعث پریشانی ہے۔ انتظام ریاست اہل مسلمانوں کی تباہی اور
 مفلسی عیاں۔ وراثت ملک بچے پور میں دوا عشرت دیتے ہیں اور والی ملک یہاں
 رنگ رلیاں منارہے ہیں۔ مغرب کے بعد ہی شہر میں ہو کا عالم ہو جاتا ہے۔ سڑکوں
 پر روشنی یا کسی نشان کا ملنا محال ہے۔ غرض کہ عجیب حالت ہے۔

ٹونک میں جامع مسجد اور محلہ قافلہ کی مسجد دونوں شاندار ہیں، صاحب زادہ

عبدالرحیم صاحب ہوم ممبر کا کتب خانہ بہت اچھا ہے۔ چھ ہزار کے قریب قدیم قلمی کتابوں کے نسخے اکٹھے ہیں۔ کتابا لفرس کا نسخہ ۱۸۴۰ء کی تحریر اور کتاب لکدال معروت بر بن کوڑا فرن اسمار الرجال میں ۶۶۹ھ کی تحریر ہے۔ اتنے قدیم نسخے کم تر کہیں ہونگے

سانہر تیسرے دن ٹونک سے جے پور اور وہاں سے سانہر چلا آیا۔ نصبا عبدالصمد خاں صاحب ناظم کا مہمان ہوا۔ کارخانہ نمک سازی کی سیر کی۔ سانہر ندی کے بعض کنارے شور زار ہیں۔ انکو کھار کہا جاتا ہے۔ ایسے دس کھار ہیں اور ہر کھار میں متعدد حوض بنے ہیں۔ ان حوضوں میں پانی بھر دیا جاتا ہے اور وہ تین ماہ کے بعد خشک ہو کر نمک بنجاتا ہے پیچھیلا اور نلوانا وغیرہ اسی ندی کی شاخیں ہیں۔ ایک سال میں صرف سانہر سے ایک کروڑ من نمک نکلتا ہے۔

بیکانیر یکم دسمبر ۱۹۱۹ء کو پہنچا۔ بادشاہ حسین صاحب رعنا پروفیسر بیکانیر کالج کے یہاں مقیم ہوا۔ موجودہ مہاراجہ کے عہد میں شہر بیکانیر وزیر یا ست کو بہت ترقی ملی ہے۔ شہر کے باہر بہت سی نئی عمارتیں بن گئی ہیں۔ رئیس بہت بیدار مغز اور ملک دوست ہیں۔ مگر افسوس کہ ملک ریگستانی اور غیر آباد ہے۔ اسپر بھی مہاراجہ بہادر ملک کی خوش حالی کے لئے بیدار گرمی سے کوشش فرماتے ہیں۔ چیزوں کی گرانی ہے، پانی بھرنے والے سب مسلمان تھے ہیں۔ مسلم اور ہندو سب انھیں سے پانی بھر داتے ہیں۔ مہاراجہ نے شہر میں ایک بہت بڑا کنواں بنوا دیا ہے اور خلقت کو اسکی وجہ سے پانی بآسانی مل جاتا ہے۔ قلعہ میں انگریزی طرز کی عمارت دلپذیر اور باغ عاتق خوشنما اور دلکش ہے، بیگانہ میں بہت سے دولت مند سیٹھ ہیں۔ انکے مکانات شہر کی رونق دو بالا کرتے ہیں۔ منجملہ انکے ایک صاحب سیٹھ چاندل صاحب نے مسافر نوازی فرمائی اور مجھے کھانکی دعوت دی جو دھپور۔ ۱۵ دسمبر کو آیا۔ یہ شہر بھی خوبصورت اور دلکش عمارتوں پر مشتمل ہے۔ اسٹیشن کے پاس ”جسونت سرائے“ بڑی خوبصورت جگہ ہے میں محمد ادریس صاحب

فاروقی وکیل کا ہمان ہوں کچھ بیاں خوش وضع نبی ہیں۔ مہاراجہ بہادر ابھی نابالغ ہیں۔ کوئل
آف کیسی ریاست کا انتظام کرتی ہے جسکے پریذیڈنٹ سر پرتاب سنگھ صاحب بہادر ہیں
جو دھپور میں مسلمانوں کی کئی انجمنیں قائم اور محدود ہو چکی ہیں مسلمان آبادی زیادہ تر انگریز
چوڑی والے۔ اوجھلی لوگوں کی ہے جو سب خوش حال ہیں۔ مگر جالت نے انکی آنکھیں
بند کر رکھی ہیں۔

بیاور۔ جو دھپور سے بیاور آیا۔ یہ ایک نیا شہر ہے۔ یہاں مالک اسٹرا اسٹنٹ کیشنر
رہتا ہے۔ یہاں مسلمانوں سے اسلامی انجمن "معین المسلمین" قائم ہے یہیں کے دو مندول
رکھنے والے مسلمان اسکے بانی ہیں اور اسکی اعانت کرتے رہتے ہیں۔ تین سو روپیہ سالانہ اسکا
مجموعی چندہ ہو جاتا ہے۔ اسیں سے مسجد جامع کے امام کو تنخواہ دی جاتی ہے۔ اور ایک ابتدائی
مدرسہ چل رہا ہے۔ قرآن شریف۔ اردو اور حساب کی معمولی تعلیم ہوتی ہے۔ دو مدرس
ہیں مسجد ہی کے مکان میں یہ مدرسہ ہے۔ سکریٹری قادیان صاحب اور صدر انجمن منشی
محمد جمال صاحب ہیں۔ منشی محمد جمال صاحب نہایت خلیق آدمی ہیں۔ میں حکیم محمد کریم صاحب
انصاری ساکن گنود ضلع بدایوں کا ہمان رہا۔ آپ فن کشتی کے ماہر کامل ہیں کتاب
"سوز فن کشتی" کے مصنف اور پہلوانان ماڈ وارڈ کے استاد ہیں۔ اور اس فن میں بہت
بڑا کمال رکھتے ہیں۔ بیاور تجارت کی منڈی ہے۔ سوئی کپڑوں کی دو ملیں یہاں چل رہی
ہیں۔ جمیر شریف یہاں سے صرف ۲۲ میل پہلے۔

جمیر شریف :- ۱۔ وسمبر کو پہنچا۔ ملا عظیم الدین صاحب کے یہاں مقیم ہوا۔ اس
شہر میں مسلمانوں کے دو تیم خانے قائم ہیں مگر انہیں سے "یتیم خانہ معینہ" کی حالت بہت
اچھی ہے۔ اسیں ۶۴ طلبہ ہیں۔ انکی سکونت درگاہ شریف خواجہ غریب نواز کی پشت پر
ایک مکان میں ہے۔ قرآن پاک۔ اردو۔ اور حساب کی تعلیم ہے۔ اور درسی سازی۔
بخاری۔ اور خیاطی کے کام سکھائے جاتے ہیں۔ بہمن تاجراں نے درگاہ شریف کی آمدنی

بت بڑا دی ہے۔ ایک ہزار روپیہ ماہوار سرکار نظام دام ملکہ سے عربی مدرسہ کے لئے ملتا ہے۔ یہ تمام آمدنی خدام درگاہ کے بچوں کی تعلیم و تربیت کے لئے ہے۔ مگر ان کو تعلیم حاصل کرنیکی فرصت کہاں۔ زائروں کی گھبر گھاریں وقت گزارتے ہیں۔ علم کی دیت بیرونی طلبہ کا حصہ ہے مدرسہ کے دو ٹکڑے ہیں فوقانیہ۔ اور تحتانیہ۔ فوقانیہ میں ۵۳ طلبہ میں سے صرف چھ صاحب زادگان ہیں باقی باہر کے رہنے والے۔ اور تحتانیہ میں سیکھ ۲۰۱ طلبہ کے ۱۰۴ صاحب زادگان ہیں اور باقی ۹۶ اہل شہر کے بچے سال گذشتہ مدرسہ ہذا کی آمدنی ۱۰۹۹ روپے اور خرچ ۱۱۳۹ روپے ہوا اس کے ناظم جناب میر نثار احمد صاحب متولی درگاہ شریف حضرت خواجہ اوصد راجن نواب صدر یار جنگ بہادر مولوی محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی ہیں + یہ مدرسہ ۱۳۲۱ھ میں قائم ہوا ہے۔

اجمیر شریف میں مسلم انسٹیٹیوٹ لائبریری قائم شدہ ۱۳۱۹ھ۔ ایک کام کی چیز ہے۔ مسٹر عبدالاحد صاحب ایم۔ اے۔ نے اسکی بنیاد ڈالی۔ اور ولی الرحمن صاحب اسکی ترقی کے باعث ہوئے۔ دارالمطالعہ بھی ہے۔ بہت سے انجارات و رسائل اُسیں آتے ہیں۔ دارالمطالعہ کی ماہوار آمدنی ۱۴۳ روپے اور خرچ ۱۳۹ روپے ہوا ہے + اجمیر شریف نقطہ راجپوتانہ کا مرکزی مقام ہے۔ اس خط میں جو کچھ رونق ہے یا اسلامی شوکت وہ صرف خواجہ غریب نواز کی درگاہ کا طفیل ہے۔ ورنہ یہاں مسلمانوں کا حال بہت خراب ہے۔ اور ان کی کوئی پوزیشن نہیں رہی ہے

نصیر آباد چھاؤنی۔ ۲۱۔ دسمبر کو اجمیر سے نصیر آباد آیا۔ نئی آبادی اور چھاؤنی ہونیکی وجہ سے پر رونق ہے۔ ورنہ اور کوئی قابل ذکر بات یہاں نہیں۔

دورہ مالک متوسط

ناگپور۔ ۲۲۔ فروری ۱۹۲۲ء کو ناگپور آکر خان بہادر ایچ۔ ایم۔ ملک صاحب

کا مہاں ہوں۔ اور ملک منزل میں مقیم۔ ممالک متوسط اور برار کے دورہ کے لئے اسکو مرکز بنایا ہے۔

جھند واڑہ - ۲۶ - فروری کو گیا۔ محمد علی شوکت علی صاحبان نے یہاں جامع مسجد تعمیر کی ہے۔ عربی مسجدوں کا طرز ہے۔ ٹھوس منارے نہایت دلکش ہیں۔ اس مسجد کی تکمیل خان بہادر ملک صاحب رئیس ناگپور نے کی ہے۔ بہت سا باقی کام انہوں نے اپنے خرچ سے پورا کیا۔ اور صد ہار دپہ کاشیشہ و آلات اسکو عطا فرمایا۔ اس مسجد کا افتتاح میرے سامنے ہوا۔ جھند واڑہ سے واپس ہو کر

راے پور آیا۔ یہ چھتیس گڑھ کا صدر مقام ہے۔ مولوی غلام محی الدین صاحب ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ ڈی۔ بیرسٹر کے یہاں ٹھہرا۔ اُن کی اس زمانہ میں شادی تھی بین سید منظور احمد صاحب بالنسوی ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس سے ملاقات ہوئی۔ راے پور میں "ابکار کالج" ایک اچھی چیز ہے۔ اس کالج میں روسائے سی۔ پی۔ کے لڑکے تعلیم پاتے ہیں، اور کوئی قابل ذکر عمارت نہیں۔

بلا سپور۔ راے پور سے بلا سپور آیا۔ بالکل غیر آباد ضلع ہے۔ کوئی دھپسی کا سامان یہاں نہیں۔ اکبر خاں صاحب رئیس بلہاسے ملاقات ہوئی۔ نہایت خوبوں کے انسان ہیں۔ ۱۳ مارچ ۱۹۱۷ء کو اسٹیشن بلا سپور پر ڈاک لینے گیا۔ مولانا شوکت علی صاحب اس طرف سے گذر رہے تھے۔ خاں صاحب اکبر خاں صاحب اور میں دونوں ناگپور تک اونکے ساتھ ہو گئے۔ اگرچہ رات کا وقت تھا۔ پھر بھی ہزار اسٹیشن پر بہت مجمع لوگوں کا ملا۔ جو مولانا کی آمد پر اٹھا جوش و مسرت کر رہا تھا۔ گوندیا اور جھند واڑہ میں سونے جاندی کے پھول اُپڑے گئے۔ اسی راستہ میں سید منظور احمد بالنسوی بھی آئے۔ ہم سب ناگپور پہنچے۔ ہندو مسلمانوں کا اکثر مجمع اسٹیشن کے اندر اور باہر استقبالیہ کے لئے موجود تھا۔ بڑے شاندار جلوس کے ساتھ شہر کا گشت کرتے ہوئے مولانا کو جامع مسجد تک لائے۔

وہاں نماز جمعہ بڑی کثیر جماعت سے پڑھی۔ مومنوں کے اسکول میں چار کی دعوت دینی شب کو خان بہادر ملک صاحب نے اسٹیشن پر دعوت طعام دی۔ مولانا شوکت علی صاحب تورات ہی کو وردھا چلے گئے اور میں ایک دن ناگپور میں رہ کر راج مند گاؤں کو گیا اور وہاں سے بھنڈارہ آیا۔ بھنڈارہ میں خان بہادر شیر علی خاں صاحب کا مہماں رہا۔ اور وہاں سے ایک دن کے لئے کامٹی ہو کر ناگپور واپس آگیا۔

سی۔ پی۔ میں مسلمانوں کی آبادی بہت قلیل ہے۔ خطہ براہ تو کچھ زائد اسلامی آبادی رکھتا ہے۔ ورنہ اور سارا ملک ہندوؤں کا ہے۔

امراؤتی۔ ناگپور میں سید مصباح العثمان صاحب ڈپٹی رجسٹرار کو اپریٹو بنکس میں گئے اور اپنے ساتھ مجھ کو امراؤتی میں لائے۔ ایک شب اسپیکشن کے بنگلہ میں رہا صبح کو عبد القادر خاں صاحب پلیڈر مجھے اپنے گھر پر اٹھلے گئے۔ آپ خطہ براہ میں مسلمانوں کے ہذا اور لیڈر ہیں۔ ایجوکیشنل کانفرس کے سکریٹری اور تعلیمی معاملات سے گھری دلچسپی رکھتے ہیں۔

امراؤتی میں گورنمنٹ نے ایک مسلم ہائی اسکول کھول دیا ہے۔ اس میں دو سو مسلمان طلبہ تعلیم پاتے ہیں۔ از انجملہ ستر بورڈر ہیں۔ مدرسہ اور بورڈنگ کی عمارت ایک ہی جگہ ہے۔ بورڈنگ کے قریب ہی جامع مسجد دہلی کے نمونہ کی ایک عالیشان و خوشنما مسجد بنائی ہے۔ اس مسجد کی عمارت اور اس کا منظر دونوں دل فریب ہیں۔

امراؤتی خطہ بہار کا صدر مقام ہے۔ ضلع تو بہت وسیع ہے۔ لیکن آبادی کی کمی و پانی کی قلت ہے۔ سید منظور احمد صاحب ایسٹریٹ اسسٹنٹ کمشنر سے ملاقات ہوئی۔ آپ بارہ بنکی کے رہنے والے اور یہ غلام حیدر میرے چھوٹی زاد بھائی سے جدی رشتہ قرابت رکھتے ہیں۔ ۳۰۰۰ پانچ سترہ کو ایچ پور کی طرف روانہ ہوا۔

ایچ پور۔ ریلوے اسٹیشن سے شہر تک دو میل کا فاصلہ ہے۔ شہر کے گرد فصیل شہر بنایا ہے۔ ایک قدیم واٹر ورکس ایچ خاں کا بنوایا ہوا یہاں پرانی یادگار تھا۔ نواب

صلابت خاں نے مسئلہ میں اپنی صوبہ داری کے عہد میں اسکی از سر نو مرمت و صفائی
 کر دی تھی جس سے بمروارِ ايام جو خرابی آئیں آگئی تھی وہ دور ہو گئی۔ اور پانی بخوبی آنے
 لگا تھا۔ تیس سال کا زمانہ ہوا کہ پھر پانی کی آمد بند ہو گئی۔ مینوسیلٹی نے اسکو درست کرنا چاہا
 قدیم نل توڑ ڈالے گئے۔ نئے ٹوہے کے نل لگائے گئے۔ اُن میں کسی طرح سے بھی پانی نہیں
 چڑھا۔ اور کارخانہ ہی بیکار ہو گیا، کئی قدیم عمارتیں۔ عمدہ مسجدیں۔ یہاں موجود ہیں۔ لیکن
 دست برد زمانہ سے رومی بحال ہو رہی ہیں۔ جامع مسجد کا ستونی وہیں کے خطیب کا
 خاندان کا چلا آرہا ہے۔ اس خاندان کو انعام معاش اور جاگیر سب کچھ حاصل ہے۔ لیکن
 مسجد کی حالت خراب کر رکھی ہے۔ جامع مسجد سلطان عماد الملک مشیر و داماد محمد تغلق بادشاہ
 نے مسئلہ میں تعمیر کی۔ عمارت سنگین ہے۔ مگر ناکمل رہ گئی تھی۔ تین صدی بعد عالمگیر
 کے عہد میں علی مرداں خاں ماکہ ایچ پور نے تکمیل کر کے احاطہ و حوض بنوایا کتبہ حنفی ہے۔

دردان و ملت خاقان عالم گیر شاہ، آنکہ حکم نافذش تاج از سر قیصر بود
 حامی دین خسرو دوزاں علی مراد خاں، کز گل نعل سمنش نہ کلفت از رخ زود
 سبج جامع کیلچ پو بود از دوسے بہشت، بے مرتب از مرورد دہر دوز افتاد بود
 بہشت میں غن گردوں قد شد ہماراں، ہر نہ یوار احاطہ راناسے خوش نمود
 شہ محمد بیگ سامعی بود دریں کاخیر، نیتش چون خیر بوداں کار از نیت فرود
 سبج حوض جان فراتش از رعایت است، نکتہ مذہب البیانی زغم از چاش نشو
 نواستم تانغ زیبایں بنا از ہر عقل، گفت کتبہ پیدہ تعمیر این مسجد نمود
 مسجد دار الشفا سنگین عمارت۔ سلطان احمد شاہ ہمنی نے مسئلہ میں بنوائی۔ یہاں
 شاہی دار الشفا بھی تھا۔ کتبہ نہیں۔

چوک کی مسجد۔ نواب شایستہ خاں کے دور میں مرزا بیگ خاں نے بنوائی۔ آبست
 ہے اور دس پندرہ سال میں غالباً منہدم ہو گیا ہے۔ عمارت سنگین ہے۔ دروازہ کلاطیہ

اور یہ قطعہ لکھا ہوا ہے۔

خطابش زشہ میرزا بیگ خاں	موفق امیرے ز تورانیان
بنا کرد در راہ حق خانہ	سنا پیشہ مرد مردانہ
گرفت از حبس کرد دارالامان	زمینے کہ بد جائے زندانیان
چوبیت المقدس شدہ وقت شام	شدہ صبح چوں کعبہ دار اسلام
دہد حوض از آب کوثر نشان	بہ زرم بود ارچش توانان
بسے سال تاریخ را عارفی	شنیدم ز ابرار دل واقفی
معزز مظهر چوبیت الحرم	من گفت از روئے لطف و کم

شہر کے باہر ایک پختہ حوض ”کتورہ“ نامی تالاب کے اندر بنا ہے۔ حوض کیا ہے۔ اسپر عمدہ عمارت تعمیر ہے۔ تالاب پانی سے بھرتا ہے تو یہ عمارت پانی سے محصور ہو جاتی ہے۔ اس وقت پانی خشک ہو گیا ہے۔ اندازاً بارہویں صدی ہجری کے بالکل اخیر میں یہ عمارت بنی ہوگی۔ کتبہ اور بانی کا پتہ نہیں۔

قدوة الشہداء شاہ عبدالرحمن غازی غزنویؒ کا مزار۔ ریلوے اسٹیشن کے قریب ایک نالہ کے نیچے واقع ہے۔ مزار بہت بڑا مع قبرستان کے ہے۔ چار دیواری سے محصور ہے۔ داخلہ کے لئے چار دروازے بنے ہیں۔ تین دروازوں پر نوبت خانے بھی بنے ہیں۔ نہایت عمدہ سنگین عمارت ہے۔ مزار پر گنبد تعمیر ہے۔ اور اسی کے قریب ایک مسجد ہے۔ اس قبرستان میں بہت سے نامور لوگوں کے مدفن ہیں۔ غازی غزنویؒ جٹہ برابر میں وہی منزلت رکھتے ہیں جو سرزمین اودہ میں سید سالار مسعود غازیؒ کو حاصل ہے۔ اور زبانی روایتیں بھی دونوں بزرگوں کے بارہ میں ایکساں ہیں۔ واللہ اعلم۔ غازی غزنویؒ کا عرس ۱۰ سے ۱۲ ربیع الاول تک تین دن رہتا ہے۔ اور بکثرت مخلوق زیارت و شرکت عرس کے لئے آتی ہے۔ ان عمارتوں کے علاوہ متعدد باغات اور کھنڈر دیکھے۔ مگر انکے بانیوں

اور عمارت کی نوعیت کا کچھ بتا نہیں چلا۔ ایلیچ پور میں میر قیام خطیب سید عظمت حسین صاحب کے یہاں ہوا۔ آپ یہاں کے قاضی و خطیب ہیں اور جاہلادو جاگیر قضاوت سے بندہ ہزار روپیہ سالانہ کے محاصل رکھتے ہیں۔ ان کی ایک دختر کا عقد تھا۔ میں بھی شریک ہوا۔ داماد صاحب بالکل ان پڑھ اور ہنر و تہذیب سے بری نظر آئے۔ ایسے مغر زبانی میں علم کا ہونا موجب افسوس ہے۔ طرز معاشرت میں وحشت کے آثار عیاں ہیں۔ ایلیچ پور میں مسدوی ٹھکانوں کی آبادی بہت زیادہ ہے۔ تعلیم و ترقی کا کوئی چرچا نہیں۔ چکلا پہاڑی۔ برار کا کوہستانی قیام گاہ ہے۔ خان صاحب عبدالقادر صاحب وکیل اور محمد عمر صاحب سپرنٹنڈنٹ ڈاکخانہ جات کے ساتھ موٹر پر اسے دیکھنے گیا۔ اسپر صرف کشر صاحب رہتے ہیں۔ ایک ڈاک بنگلہ اور ڈاکخانہ یہاں ہے۔ اسکے سوا کوئی اور عمارت نہیں۔ ہاں تین بہت بڑے تالاب اس پہاڑ پر ہیں جو ہمیشہ پانی سے بھر رہتے ہیں۔ کوہ چکلا اسے ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر قلعہ کاویں واقع ہے۔ اسکو بھی دیکھا۔ احمد شاہ ہمنی اسکا بانی تھا۔ اب منہدم پڑا ہے۔ کھنڈر زبان حال سے اسکے عالیشان بیوگا پتہ دے رہے ہیں۔ صرف دو شاندار مسجدیں اب تک موجود ہیں۔ کتبہ مٹ گیا ہے پڑ نہیں جاسکتا۔ واپسی ہونے تک رات آگئی تھی۔ اور چاندنی رات تھی۔ کوہستانی منظر نور قمر میں بہت دلکش معلوم ہوتا تھا۔

اکولہ۔ ۲۔ اپریل ۱۹۲۱ء کو آیا۔ میرزا رحمن بیگ صاحب آئری میجر ٹریٹ قاضی شہر کا مہمان ہوا۔ آپ یہاں خاص عزت اور وجاہت رکھتے ہیں۔ خوش باش۔ لمبا۔ اور پوٹیکل آدمی ہیں۔ اکولہ میں خاں صاحب امان خاں صاحب بھی بڑے آدمی ہیں وہ دادو سند کیا کرتے ہیں اس سے معقول آمدنی ہو جاتی ہے ورنہ زمینداری کوئی بہت بڑی نہیں ہے۔ ان دو صاحبوں کے علاوہ قاضی سید محمد صاحب سے بھی ملنا ہوا۔ ان کو نہایت نیک نفس اور بہت سی انسانی خوبیوں سے متصف پایا۔ قومی درد و دل میں رکھتے ہیں۔ اکولہ

میں کوئی خاص عمارت قابل ذکر نہیں ہے۔

ملکا پور۔ 4۔ اپریل کو پہنچا۔ خواجہ قاضی فیاض الدین صاحب کے مکان پر مقیم ہوا۔
 برائیں شاہان اسلام یا اُن کے صوبہ داران کی یادگاریں اب تک موجود ہیں۔ ملکا پور اس وقت
 سب ڈیوژن ہے۔ مگر یہاں کے آثار دیکھ کر تپا چلتا ہے کہ مسلمانوں کے دور حکمرانی میں
 یہ بڑی جگہ رہی ہوگی۔ قبرستان اور قاضیوں کا محلہ عمدہ عروج مسلمانانِ کج نشان ہیں
 برہان پور۔ ملکا پور سے برہان پور آیا۔ یہ شہر علاقہ خاندیش کی سلطنت فاروقہ
 کے رکن عادل شاہ فاروقی نے تعمیر و آباد کیا تھا۔ اسکا نام حضرت شاہ برہان الدین ح
 کے نام پر رکھا۔ دارالسرور برہان پور اسکی تاریخ ہے، شہر دریائے تپتی کے کنارہ پر ہے۔
 قلعہ مسار۔ باغات جنگل سے بدے ہوئے۔ رعایا بچال۔ پچاسوں عمدہ و شاندار مسجدیں
 بنے مرست شکستہ اور کھنڈر بنی ہوئی پڑی ہیں۔ مشہور مساجد ناناگوری کی مسجد بی بی
 کی مسجد اور جامع مسجد وغیرہ دیکھیں بی بی کی مسجد سب سے قدیم لیکن بت خراب حالت
 میں ہے اسکی بانیہ۔ مریم زمانی رابعہ دورانی رقیہ راجہ بی بی۔ تھیں کتبہ نہیں ہے۔ جامع
 مسجد عادل شاہ راج علی خاں نے وسط شہر میں بنوائی ہے۔ ۹۹۷ھ میں اسکی بنیاد
 پڑی۔ شاہ نیہا کی نہایت عالیشان و مستحکم اور خوش وضع عمارت ہے۔ پتھر کچھ اس طریقہ
 سے باہم وصل کئے گئے ہیں کہ زمانہ موجودہ کے ماہر انجینیر اور مہار اٹکو دیکھ کر حیرت
 میں رہ جاتے ہیں اور نہیں سمجھ سکتے کہ ایسا لطیف جوڑ کس طرح لگایا ہوگا۔ منارت بہت
 بلند اور دلکش ہیں۔ محراب میں کتبہ یہ لگا ہے جو عربی عبارت میں ہے۔

بسم الله الرحمن الرحيم۔ وَإِنَّا لَسَاجِدٌ لِّلَّهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا۔
 الحمد لله الموفق للطاعات المعين بفضلہ علی العبادات۔ والصلوة
 والسلام علی اشرف المخلوق محمدن الذی حرّض الجاد علی العبادۃ
 وعلی آلہ واصحابہ الذین قاموا بالواجبہا وزیادۃ۔ وبعْدُ

فَاتَّأْتَى مَا يَنْفَقُ فِيهِ شَرَاةُ الْأَمْوَالِ الْقَرَبَاتِ الَّتِي يَقُومُ نَفْعُهَا
 فِي الْعَالِ - وَمِنْ جِلِّ ذَلِكَ الصَّدَقَاتِ الْخَارِجَةِ فَإِنَّ ثَوَابَهَا مَدَى
 الْأَزْمَانِ سَائِرِيهَ وَلَا تَنْتَهُ أَمْرُ بَنِيكَ الْمَسْجِدِ مِنْ شَعَارِ
 الدِّينِ وَقَعَ الْمُتَمَرِّدِينَ لِمَا يَتَرْتَبِ مِنْ بَنَائِهِمَا مَزِيدَ الثَّوَابِ
 وَإِنْ بَانِيهِمَا لَهُمْ الصَّوَابُ حَيْثُ وَرَدَ عَنْهُ صَلَاحُهُ قَالَ
 مِنْ بَنَى لِلَّهِ مَسْجِدًا أَوْ لَوْ كَفَحَصَ قِطَاعَ بَنَى اللَّهِ لَهُ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ
 فَلِذَلِكَ أَمَرَ مَوْلَانَا السُّلْطَانُ الْأَعْظَمُ وَالْخَاقَانُ الْمَكْرَمُ
 الْفَائِقُ بِفَضْلِهِ عَلَى السُّلْطَانِ الْعَرَبِ وَالْعَجَمِ عَادِلُ شَاهِ
 بِنِ مَبَارَكُ شَاهِ الْفَارُوقِ خَلَّدَ اللَّهُ مَلِكُهُ بِنَاءَ الْمَسْجِدِ
 الَّذِي هُوَ بِالْوَصْفِ جَدِيدٌ لَا تَنْتَهُ قُلْ أَنْ يَوْجِدَ لَهُ نَظِيرٌ
 خَالِصًا لَوَجْهِهِ الْكَرِيمِ وَطَائِلًا لِمُضَاتِهِ الْجَسِيمِ يَقْبَلُ اللَّهُ ذَلِكَ
 مِنْهُ بِفَضْلِهِ وَمَزِيدِ كَرَمِهِ وَكَانَ ابْتِدَاءُهَا سَنَةِ سَبْعٍ
 وَتَسْعِينَ وَتِسْمِائِيَّةٍ وَاتِّمَامُهُ خَدَمَ بِكِتَابَتِهِ أَقْلَ عَمِيدِهِ
 الدَّاعِي لِدَوْلَتِهِ مُصْطَفَى بْنُ نُورٍ مُحَمَّدٍ خَطَّاهُ عَفَى اللَّهُ عَنْهُ
 اور فارسی قطعہ یہ ہے :-

شاه عادل خلف شاه مبارک فاروقی بسلاطین جہاں بود و جودے کامل
 مسجدے سائنہ از نال نرنگی بیشک کہ زباں است تبوصیف و تائیش غافل
 یہ بر بان پور ازین مسجد رونق افرا میشود شام و بحر رحمت ایزد نازل
 غرض دو تائین خرد گفت دیریں کیسے مسجد فیض بناشت بہ فیض عادل
 ۹۹۹ھ

بربان پور میں بھی قدیم دائرہ کس ہے موجودہ ریلوے اسٹیشن سے ایک میل فاصلہ پر
 چند کنوئیں بنے ہیں۔ ان میں سے نہر میں پانی آتا ہے اور نہر شہر تک اگر پانی پہنچاتی ہے۔ پہلے شہر

میں کئی ایک بہت بڑے اور بلند منارے بنے تھے اور انکے ذریعہ سے شہر میں پانی پہنچتا تھا۔ اب منار بند کر دیئے گئے ہیں اور آہنی نلوں کے ذریعہ سے پانی پہنچا کرتا ہے۔ لیکن گرمیوں میں پانی کی کمی ہو جاتی ہے اور سارے شہر میں اسکی تقسیم نہیں ہو سکتی۔ ایچ پورا اور اورنگ آباد کا سابقہ طریقہ آب رسانی یہاں بھی توڑ دالا گیا ہے۔

شہر برہان پور سے دو میل پر ایک قصبہ بہادر پور واقع ہے۔ کبھی یہ قصبہ شہر کا ایک محلہ رہا ہو گا۔ وہاں کی نہر ہنوز قدیم طرز پر قائم اور سارے قصبہ کو کافی سے زیادہ پانی دیتا ہے۔ اسی قصبہ میں ایک بزرگ دولہ شاہ کی درگاہ ہے۔ سید صوفی جان مراد آبادی و میرٹھی میں مدفون ہیں۔ اس درگاہ کے سجاد و نشین گوشت نہیں کھاتے اور مرید سب ہندو ہیں۔ میں مزار پر گیا۔ ہندوؤں کا کثیر مجمع دیکھا۔ لوگوں سے سنا کہ اس خانقاہ میں ہندو شاستر کی تعلیم دی جاتی ہے۔ میں تحقیق نہ کر سکا۔ ہندو مریدوں کے قدیم خاندان تو بدستور معتقد اور ارادتمند چلے آتے ہیں۔ لیکن نئے مرید نہیں ہوتے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ کچھ عرصہ بعد ہندو مرید بالکل نہ رہیں گے۔

شہر کے اطراف میں دور دور تک باغات کے احاطے اور قبریں یا انکے آثار وسیع آبادی ہونے کا پتہ دیتے ہیں دو چار مقبرے اب بھی قابل دید ہیں۔ عادل شاہ کا مقبرہ۔ نادر شاہ کا مقبرہ۔ شاہ نواز کا مقبرہ۔ اور بہت سے اولیاء اللہ کے مزارات ہیں۔ عہد سابق میں کھواب بننے کے یہاں بڑے بڑے کارخانے تھے۔ اب اس صنعت کے ماہرین کارخانوں کی حالت اتر ہونے کے وجہ سے پریشان اور بیکار ہیں۔ بہت سے دیگر کاموں میں مشغول ہو گئے ہیں۔ یہ سب مسلمان ہیں۔ یہاں بہت سے نوربان + بلایہ ضلع فیض آباد۔ علی گڑھ۔ بنارس اور الہ آباد سے آکر آباد اور مصروف کار ہو گئے ہیں۔ وہ سب ہندوستانی کہلاتے ہیں۔ اور ساریں جنتے ہیں۔ مال کی نکاسی چھی ہو جاتی ہے۔ اسوجہ سے خوش حال ہیں۔ مگر تعلیم کی طرف سے غافل + انکے علاوہ اور سب مسلمان

پریشاں حال اور تباہ روزگار ہیں۔ خاصکر شرفار کی جماعت بہت خستہ مال ہے۔ بس ایک عبدالقادر صاحب صدیقی وکیل جن کا میں مہمان ہوں واحد بنی۔ اے۔ ایل ایل۔ بنی۔ اس شہر کے ہیں۔ باقی بس +

بوسرہ تاجراں کی حالت بہت اچھی ہے۔ عمدہ عمارتیں۔ پر رونق دکانیں۔ بڑے کاہلوں تعلیم کا مذاق۔ سب ہی کچھ اُنہیں ہے۔ کئی نوجوان گراجوئیٹ ہیں۔ بہت سے تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ ۱۹۷۷ء سے ایک مدرسہ حکیمیہ کارنیشن ہائی اسکول، اسی جماعت نے قائم کیا ہے۔ ایک لاکھ روپیہ کی عمارت مدرسہ اور بورڈنگ کی مکمل دیتا رہے۔ اسٹات سنائیٹ اچھا تعلیم بہت خوب۔ صرف ڈیرہ سو بورڈر ہیں۔ مسٹر حبیب اللہ صاحب بنی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بنی۔ خان بہادر فخر الدین صاحب۔ اور عمران علی صاحب وغیرہ اس مدرسہ کے سرگرم کارکن اور ملا صاحب سے مخالفت ہونے کے باوجود بڑی ہمت و استعداد سے مدرسہ کو چلا رہے ہیں۔ یہ جماعت دیگر اہل شہر سے الگ رہتی ہے۔ اور انکے مکانات ہی شہر کی پختہ عمارتیں ہیں، محلہ سنوارہ کے سیٹھ عبدالغمان صاحب نے بچہ عنایت فرمائی۔ اُنکے لطف و کرم کا شکر گزار ہوں۔

کھنڈوہ۔ برہان پور سے کھنڈوہ آیا۔ عمر علی صاحب نیچر بشیر مل سے ملاقات ہوئی انہیں کے پاس مل کے احاطہ میں قیام کیا۔ نظیر عباس صاحب ملازم محکمہ کنسروڈیٹر خاص آدمی بیٹے۔ بڑے صاحب دل۔ قومی کاموں کے دلدادہ۔ آپ کی تحریک سے اس محکمہ کے بہت سے آدمی ترقی اردو کے ممبر بن گئے، کھنڈوہ ضلع نھاڑ کا صدر مقام ہے اور ریلوے کا بہت بڑا جنکشن۔ جی۔ آئی۔ پی۔ اور بی بی اینڈ سی۔ ریلوے کی ٹرینیں یہاں آتی جاتی رہتی ہیں۔ ایک ہفتہ کے قریب کھنڈوہ میں رہ کر جیلہ۔ کو چلا آیا۔ بھلہ میں مرض طاعون پھیلا تھا۔ برادراں عزیز مع بال بچوں کے شہر سے چار کوس دور موضع ڈھوڑہ کو چلے گئے تھے۔ میں بھی وہیں گیا۔ ایک ہفتہ وہاں رہا۔ اسکے بعد۔ مئی کو دہلی میں پہنچا۔

اپنے کرم فرما مسٹر رفیع باڑی کے صاحبزادہ تقی سلمہ اللہ کی بسم اللہ اور محمد یوسف سلمہ کی شادی میں شریک رہ کر ۲۳ مئی کو پھر مجلسہ واپس آگیا۔ ماہ رمضان المبارک کو یوں بسر کرونگا۔
 ۱۹ جولائی ۱۹۲۰ء مجلسہ میں ماہ صیام بخیر و خوبی ختم۔ اور عید کر کے بھوپال واپس آئے
 کے راستہ سے پھر جیلپور آگیا ہوں۔ مولوی سید مصباح الثمان صاحب کے یہاں گول بازار میں قیام ہے۔

بالا گھاٹ میں ۱۰ جولائی کو آیا۔ قیام عبد الرحیم خاں صاحب وکیل کے یہاں ہے۔
 بالا گھاٹ مختصر سی سستی ہے۔ عبد الرحیم خاں صاحب وکیل نہایت قابل آدمی ہیں ان سے ملکر سید خوشی ہوئی یہاں ایک اور صاحب سے ملنا ہوا۔ آپ کا نام نامی محسن حسین صاحب ہے۔
 اسٹرا اسٹنٹ کشنرز ہیں۔ بڑی خوبی کے انسان ہیں۔

۱۳ جولائی۔ آج منڈل میں آیا ہوں۔ سردار خاں صاحب کے یہاں ٹھہرا ہوں۔
 یہاں آپ کا دم غنیمت ہے اور طرے خوبی کے آدمی ہیں۔ ۱۸ جولائی کو بھنی بھر بھنچا۔ اکبر خاں صاحب مالگڈار یہاں کے رئیس ہیں۔ ان سے ملا اور انھیں کے یہاں راحت کے ساتھ ٹھہرا ہوا۔
 دوسرے دن سیونی آیا۔ خورشید علی صاحب نے مہمان نوازی فرمائی۔ رستم جی صاحب کلکٹر سے ملاقات کی۔ نہایت خلیق آدمی ہیں۔ سیونی میں مسلمان مالگڈاروں کی تعداد کثیر ہے۔
 مگر تعلیم و تعلم سے کوئی غرض نہیں رکھتے۔ انھیں اشاعت علم کی سخت ضرورت ہے ۲۲ جولائی کو پھر جیلپور واپس آگیا، ۲۳ کو زنگ پور گیا۔ سید مظفر زرداں نے مسافر نوازی فرمائی اور اپنے یہاں ٹھہرایا۔ تقی محسن صاحب اور خواجہ محمد اکرام صاحب سے ملاقات ہوئی، ضیاع بہت چھوٹے ہیں۔ یہاں کوئی خاص اور قابل ذکرات نہیں پائی۔

سہاگ پور۔ ۲۵ جولائی کو یہاں آیا۔ غریب نوازی ظہیر السعد صاحب کا حصہ تھا۔ یہ قصبہ بہت خوبصورت اور آباد ہے کپڑے پر چھپائی کا کام یہاں بکثرت ہوتا ہے اور اسی کی منڈی ہے۔ یہاں سے ۲۶ کو جیلپور واپس گیا۔ سی۔ پی کے صوبہ میں جیلپور بہت

بڑا اور اچھا شہر ہے۔ فوجی چھاؤنی اور بڑا ضلع ہونکی وجہ سے خوب آباد ہے۔ آب و ہوا بھی عمدہ ہے۔

کٹنی ضلع جیلپور میں یلوے جنکشن اور اچھا قصبہ ہے۔ چوٹے اور سینٹ کے کارخانے یہاں جاری ہیں۔ بازار اچھا بنا ہے۔ اسٹیشن سے نزدیک ہے۔ سرائے اور دھرم شالہ بھی اسٹیشن کے پاس ہے۔

ساگر۔ کٹنی سے ساگر آیا۔ شہر کی آبادی کشیب و فرار پر دور تک پھیلی ہے۔ صدر بازار سے اسکی رونق ہے۔ اور تالاب یہاں کا نہایت عمدہ ہے۔ ساگر سے ۱۶۔ اگست کو براہ راست بحالہ واپس آیا۔ بقر عید یہاں کر کے گواہ کیا جانے کا ارادہ ہے۔ انشائے اللہ۔

گواہ۔ ۴۔ ستمبر ۱۹۴۷ء کو گواہ آیا اور لشکر ہوٹل میں قیام کیا۔ ہوٹل کی عمارت بہت اچھی۔ عمدہ اور خوش فضا موقع پر واقع۔ مگر کھانا بد مزہ اور انتظام خراب۔ کچھ بھی آرام نہیں ملا۔ محکمہ کو زیادہ قیام نہیں کرنا تھا۔ دوسرے ہی دن سیپری کو چلا گیا۔

سیپری۔ موجودہ مارچ ہمارے نے یہاں گرامی مقام بنایا ہے۔ یہاں بھی ہوٹل ہے۔ میں اُسی میں ٹھہرا ہوں۔ بڑی آسائش مل رہی ہے۔ انتظام معقول ہے۔ سیپری ایک جنگل تھا۔ والی ملک کی نظر توجہ نے جنگل میں منگل چاڑھا ہے۔ ایک سے ایک عمدہ عمارتیں بن گئی ہیں۔ تالاب بن رہے ہیں۔ چاند پاڑہ تالاب قابل دید تیار ہو رہا ہے۔ آٹا لے کر یہاں آئندہ بھی مقام دار الریاست ہو جائے گا۔

۶۔ ستمبر کو شہر گواہ کی سیر کرنے آیا۔ ایک زمانہ میں جب یہاں مسلمانوں کی حکومت تھی یہ شہر خوب آباد اور بارونق تھا۔ مسلمانوں کی تعداد کثیر یہاں تھی۔ اب بھی ہیں۔ لیکن تباہ حال۔ جاگیریں۔ جاہادیں اکثر تلف ہو گئیں جو باقی ہیں چرغ سحری ہیں۔

مقبورہ حضرت شاہ محمد غوث گواہاری پر حاضر ہوا۔ فاتحہ خوانی کی۔ دیگر مزارات اور قبریں اسکے گرد بکثرت ہیں۔ سادہ پتھر کی عالیشان عمارت ہے۔ اور سنگ تراش گویا

کی کاریگری کا بہت اچھا نمونہ۔ اتنی عظیم الشان عمارت کم دیکھنے میں آئیگی۔ نقاشی اور جالی کا کام پیش کیا گیا ہے، مقبرہ کے پاس ہی ہندوستان کے نامور سرور سرتان سین کی قبر ہے۔ ۱۶ سپر دروں کی سنگی چھتری بنی ہے۔ اور اہلی کا درخت لگا ہے۔

جامع مسجد گوالیار بمقام غاں کی تعمیر کردہ عہد عالمگیر میں بنی ہے۔ نہایت خوبصورت عمارت ہے۔ پہلے داخلہ کے دروازہ پر یہ قطعہ لکھا ہے۔

در زمان شاہ عالمگیر عادل دیں پناہ
مستعد غاں یافت چون توفیق حق باوجود حق
کمز فروغ عدل او عالم پذیر قضا
ساخت این مسجد مقدس از صدق حق بنا
مامل اینجا و این حمام وہم این مسجد
خود اہد شاہان از حکام عادل روزگار
تا آلا نید دست از حاصلش بہر خدا
تا بود گیتی وہم وہا وہم امن و سما
باد اہم یارب این مسجد برائے اہل ہر
مسجد کے دروں میں سے بیچ کے در پر یہ قطعہ تاریخ کندہ ہے۔

در زمان شاہ عالمگیر آن کہ
آن شہنشاہ ہے کہ پیش جود او
بزرگ فیض از لطف عاش ہر وقت
بھر در آب حیا باشد غسری
مستعد غاں مصدر توفیق حق
شد بفضل حق جو توفیق رفیق
کرد بر پا مسجد عالی اساس
رو طلب کن و صفش از فکر رفیق
سال تاریخ بنایش خواستم
پیر دانش گفت کالبت العقیق

مسجد آباد ہے۔ اندر محراب میں سب سنگ مرمر لگا ہے۔ جیسرنگ موسیٰ کی بچے کاری سے آیۃ الکرسی تحریر ہے۔ مسجد کے چاروں طرف ایک بڑا درج میں اور اس کے دونوں بازوؤں میں دو در ہیں۔ گتھی ہوئی عمارت بادامی پتھر کی ہے۔ فرش سنگ سرخ کا ہے۔ حال میں سہارا صاحب بہادر گوالیار نے اسکی مرمت کے لئے دس ہزار روپیہ عطا فرمایا ہے۔ حمام جو مسجد کے متعلق تھا اب اسپرینسیلٹی قابض ہے صرف چند دکانیں مسجد کے صحن

میں رہ گئی ہیں۔

گویا میں انجن اسلام عرصہ سے قائم ہے۔ مگر کوئی نمایاں کام نہیں کیا۔ دو مدرسہ بھی جاری ہیں۔ گویا رکا عشرہ محرم دیکھ کر میں پھر مجلسہ واپس آ گیا۔ اور دو ہی چارون رہا ہونگا کہ دفتر سے یہی کے صوبہ میں دورہ اور کام کرنے کا حکم آیا۔ میں پہلے اوزنگ آباد صدر دفتر میں گیا۔ اور وہاں سے یہاں صورت بھیج گیا۔ سورت میں نواب زادہ نصر اللہ خاں صاحب سے سفارسی خطوط حاصل کئے اور دورہ شروع کر دیا ہے۔ راج کوٹ۔ ۱۹۔ اکتوبر ۱۹۲۰ء کو پہنچا۔ یہ علاقہ کاٹھیاواڑ میں ہے اور یہاں مسلم ایجوکیشن کانفرس کاٹھیاواڑ کا اجلاس تھا۔ میں نے اردو رزلوشن پیش کیا اور نظم پڑھی۔ راجکوٹ سے دھوراجی گیا۔

دھوراجی مسلمانوں کی بستی اور زیادہ تر تجارت پیشہ مسمن لوگوں کی جگہ سکونت ہے۔ یہاں مسلمانوں کی آبادی تیس ہزار ہے۔ ۳۰ مسجدیں۔ ایک کتب خانہ دو شفا خانے۔ اور گیارہ مدرسے مسلمانوں کے یہاں قائم ہیں۔ سب سے اچھا مدرسہ رونق الاسلام ہے۔ اسکے اول مدرس مولوی محمد اسماعیل صاحب ہیں۔ جامع مسجد انگریزی طرز تعمیر پر بنی ہے اور اچھی عمارت ہے، مسلم کتب خانہ کے سکریٹری سلیم قاسم جی نور محمد صاحب ہیں عربی فارسی اور اردو کی ۱۶۹ اور گجراتی کی ۴۵۲ کتابیں انہیں ہیں۔ سات اردو اخبارات اور رسالے اور ۱۴ گجراتی اخبار اور رسائل آتے ہیں۔ یہ کتب خانہ ۱۹۱۳ء میں قائم ہوا ہے + یتیم خانہ میں ۴۳ یتیمی ہیں۔ اردو قرآن شریف۔ گجراتی اور حساب کی تعلیم ہوتی ہے۔ قاسم جی صاحب اسکے سکریٹری ہیں + زنانہ اسپتال کا انتظام بہت عمدہ ہے۔ مسجدیں آباد۔ اور جامع مسجد میں جماعت سے نماز کی شان قابل دید ہوتی ہے۔ قصبہ دھوراجی فیصل سے محصور ہے۔ شہر نپاہ کے باہر کئی ہوٹل ہیں جنہیں گیارہ بارہ بجے رات تک خوب مجمع رہتا ہے + مدرسہ رونق الاسلام میں اردو

زباں خاص توجہ سے پڑھائی جاتی ہے۔ لڑکیوں کے مدرسہ میں بہت عمدہ تعلیم و تربیت ہے۔ اسکے سالانہ جلسہ میں شرکت کا موقع ملا۔ میں نے تقریر بھی کی۔ لڑکیوں کا پڑھنا سنکر دل باغ باغ ہو گیا۔ اس مدرسہ کی عمارت بنوانے کا سامان ہو رہا ہے۔ نقشہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شاندار عمارت ہوگی۔ مسلمانان دھوراجی کاروبار تجارت کے وجہ سے اچھی حالت میں ہیں۔ کئی کروڑ پتی اور بہتر سے لکھ پتی ہیں۔ دولت کو نیک کام میں خرچ کرنے کا حوصلہ رکھتے ہیں مگر اچھے طریقہ اور صحیح مصرف کو نہیں جانتے۔ ورنہ سلفہ سے کام لیتے تو ان لوگوں کی حالت ہر لحاظ سے قابل رشک ہو جاتی۔ خداوند کریم نیک راد دیکھائے اور شاد و آباد رکھے۔

اُپلیٹیا۔ ۲۶۔ اکتوبر کو دھوراجی سے یہاں آیا۔ اس قصبہ میں پانچہزار مین آباد ہیں۔ دھوراجی کی سی حالت تو نہیں۔ پھر بھی غنیمت ہے۔ دو مدرسے قائم ہیں۔ اور ایک زنانہ مدرسہ بھی ہے۔ انتظام سب کا ناقص ہے۔ اس قابل نہیں اور ستم صا جان خود تعلیم سے نا آشنا۔ چنانچہ زنانہ مدرسہ میں ۳۶۵ سندس جیٹر ناموں میں سے صرف سوا دو سو حاضری کی اوسط ہے۔ اور ۴ مدرس اُردو۔ گجراتی۔ اور قرآن پڑھانے کے لئے ہیں۔ مگر دست کاری یا سلائی کا کام بالکل نہیں سکھایا جاتا۔ محمد بن انگلو ورنایکول اسکول میں ۸۰ طلبہ ہیں۔ اوسط حاضری ۱۱۲ ہے + جامع مسجد دو منزلہ انگریزی وضع کی عمارت مگر خوشنما ہے۔ صفائی کا خیال کم کیا جاتا ہے۔ آبادی معقول ہے۔ عورتیں پردہ نہیں کرتیں۔ دھوراجی میں تو کسی قدر پردہ ہونے لگا ہے لیکن اُپلیٹیا میں تہذیب و نیمداری کی بہت کمی ہے۔ یہاں بھی چھ سات مسجدیں ہیں۔ اور مانگنے کھانے والے داعیوں اور مولویوں کا دورہ ہمیشہ ہوتا رہتا ہے۔ سیوان چھپرہ کا ایک نا تعلیم یافتہ مومن بیرنگی رنگ میں جلوہ گر ہے + ایک کتب خانہ گجراتی کتابوں کا ایک سال اسے یہاں بھی قائم ہے۔ اس میں ۲۶ کتابیں ہیں اور ۱۵۔

انبار و رسائل جہر قسم کے آتے ہیں، انگریزی اور اردو کی طرف یہاں کسی کو توجہ نہیں۔ اور عدم تعلیم کی وجہ سے درباری بھی کسی کو حاصل نہیں یہ قصبہ ریاست گونڈل میں واقع ہے۔ اور ریاست کا ایک پٹہ دار (چپراسی) ان لوگوں کو فرشتہ موت کا ساتھی معلوم ہوتا ہے۔ اطوار وحشت و جہالت سے بھرے ہیں۔

رانا واؤ۔ ریاست پور بندر۔ یہاں کے زمین بھائی افریقہ میں کاروبار کرتے اور اکثر لکھتے ہیں۔ عادات اطوار جہالت آمیز۔ کوتاہی نظر ایسی کہ خود اپنے آپ کو بڑا آدمی سمجھتے ہیں اور سوال کرتے ہیں کہ کیا ہم بڑے آدمی نہیں؟ نفی میں جواب دیا جائے تو سخت ناخوش ہو جاتے ہیں۔ مستورات پردہ سے آزاد ہیں۔ ایک مدرسہ ہے جسکی عمارت دو سال ہوئے پچیس ہزار روپیہ کی لاگت میں بنی ہے۔ پتھکی عمارت اور نہایت خوش وضع ہے۔ لڑکیاں اور لڑکے دونوں ایک ہی عمارت میں پڑھتے ہیں۔ گوجا عتیس علمی ہیں کچھ نام کو اردو۔ ورنہ گجراتی۔ انگریزی۔ قرآن۔ اور حساب کی تعلیم دی جاتی ہے۔ لڑکے ۱۰۔۱۱ اور لڑکیاں ۱۲۔۱۳ پڑھتی ہیں۔ اوسط حاضری ۸۰ سے زائد نہیں۔ ۱۳۔ مدرس ہیں۔ کام ایک جماعت کے ہاتھ میں ہے۔ خرچ چار سو روپیہ ماہوار ہے۔ دوسو روپیہ ریاست پور بندر سے ملتا ہے۔ باقی چندہ عام سے پورا ہوتا ہے۔ بنیاد اس مدرسہ کی کمزور ہے۔ مدرس ایک بھی لائق نہیں۔ انتظام ناقص۔ منتظم جماعت خود تعلیمی کام سے ناواقف اور غیر تعلیم یافتہ۔ حاجی قاسم صاحب نے یہاں ایک سرائے بنوا دی ہے۔ مسافروں کے لئے پڑ رہنے کی جگہ ہے۔ آرام کہاں۔ کاٹھیاواڑ میں آرام ملنا مشکل ہے۔

پور بندر۔ رانا واؤ سے پانچ کوس پر ہے۔ شرک پختہ۔ موٹریں چلتی ہیں۔ مگر جنگ کا خراب شدہ مال۔ لوگ سستے دام پر خرید کر کام کرنا اور پیسہ کماتا چاہتے ہیں مسافروں کو زحمت ہوتی ہے۔ دو کوس جا کر موٹر ٹوٹ گئی اور ایسی ٹوٹی کہ پھر بن سکے۔ میرے پاس اسباب زیادہ۔ قدرت خدا سے ایک بیل گاڑی مل گئی۔ اسباب اور سپر لاڈ اور خود پیادہ

چل نکلا۔ تین کوس یوں ہی قطع کئے۔ اور پور بند میں آکر مولوی سید برہان الدین صاحب احمد آبادی کے پاس گرل اسکول کے کوارٹر میں قیام کیا۔ سید برہان الدین صاحب نہایت قابل۔ متواضع اور منظم آدمی ہیں۔ آپ کی کوشش اور محنت سے بہمنوں کے تمام مدارس میں یہاں کا مدرسہ فرد اور قابل ذکر ہے۔ عمارت نہایت شاندار بنی ہے مردانہ مدرسہ کے ساتھ زنانہ مدرسہ اور کتب خانہ کی عمارتوں کو ملا لیا جائے تو سب ایک لاکھ روپیہ سے کم لاگت کی تعمیر نہوگی۔ اور بہت پُر شکوہ عمارت ہے + یہ عمارت میں بنی ہے۔ ۱۹۱۳ء تک مدرسہ اچھی حالت میں چلتا رہا۔ اسکے بعد ٹرسٹی آمدنی خود کھانے لگی اور خانہ جنگی شروع کر دی۔ سات سال اسی مختصہ میں مدرسہ کی حالت تباہ ہو چکی۔ پور بندر کے سابق رئیس فوت ہو گئے تو یہاں ایجنسی قائم ہوئی + سیر ایف ڈی سی۔ مشکاف ایڈمنسٹریٹر ہو کر آئے۔ انھوں نے مدرسہ کی حالت دیکھی۔ زندہ قوم کے فرد سے یہ تباہ حال نہ دیکھا گیا۔ ۱۹۱۳ء میں انھوں نے اسکا انتظام اپنی نگرانی میں لے لیا۔ دو ہزار روپیہ ماہوار آمدنی کی بنیاد پر مدرسہ کے لئے افریقہ میں واقع ہے۔ اتنی کثیر آمدنی پر مدرسہ کا خراب رہنما سخت قابل افسوس امر تھا۔ سید برہان الدین صاحب اسی زمانہ سے اسکے ہیڈ ماسٹر ہوئے ہیں۔ انتظام اب تک ریاست ہی کے ہاتھ میں ہے اور یہی وجہ ہے کہ مدرسہ اچھی طرح چلتا ہے۔

مسلمانان کا ٹھکانہ اور کو تعلیم سے بیزاری ہے۔ چوتھے درجہ تک معمولی نوشت و خواندہ سیکھ لیتا انکو نزدیک۔ کہاں علم ہے۔ ۳۸۳ لڑکے اور ۲۲۰ لڑکیاں اس مدرسہ میں زیر تعلیم ہیں۔ لڑکیوں کا نصاب تعلیم صرف تین سال کا ہے + کتب خانہ میں ۱۰۸۱ عربی۔ فارسی اور اردو کی۔ ۴۱۶ گجراتی کی۔ اور ۱۷۱ انگریزی کی کتابیں ہیں۔ روزانہ اخبار انگریزی ۲۔ گجراتی ۴۔ اردو ایک + ہفتہ وار انگریزی ایک۔ گجراتی سات۔ اردو ایک اور ماہوار رسائل میں انگریزی ایک اردو ایک اور گجراتی کے چار رسلے آتے ہیں +

پور بندر میں بوہرے خوبے۔ اور سین زیادہ تر آباد ہیں۔ انہیں خوجوں کی تعداد بہت زیادہ ہے اور وہ سب سرخانغاں کے پیرو ہیں۔ اور کاشتکاری پیشہ ہیں۔ بوہرے اور سین افریقہ میں تجارت کیا کرتے ہیں اور خوب کماتے ہیں۔ مشائخ اور مولوی صاحبان کے بڑے معتقد ہیں اور ان حضرات نے بھی انکو اپنا کھلونا بنا رکھا ہے۔

منگروں۔ پور بندر سے ایٹھر پر براہ دریا منگروں آیا۔ دریائی سفر میں بڑی تکلیف ہوئی۔ ۱۰۔ نویر کو یہاں پہنچا۔ ٹھہرنے کی کوئی جگہ نہیں ملتی تھی۔ انجن ہسلاسیہ کا پتلا دیا گیا۔ محمد نظام الحق صاحب عباسی سپرنٹنڈنٹ دفتر انجن نے کہاں عنایت و اخلاق سے اپنے یہاں جگہ دی۔ اور آرام ٹھہرا ہوں۔ دوسرے دن نواب صاحب سے ملنے گیا۔ بڑے لطف کے ساتھ پیش آئے اور کرم فرمایا۔ اپنا سامان بنایا۔ شاہی ڈاک بنگلہ میں جگہ ملی۔ بہت راحت سے ہوں شیخ نظام الحق صاحب عباسی احمد آباد کے شرفا ہیں سے ہیں۔ انھوں نے منگروں کے تمام تاریخی مقامات مجھ کو دکھائے۔ سب سے پہلے سرگٹ کی زیارت کی۔

حضرت سید سکندر ابن مسعود مشہورہ مخدوم جہانیاں فرزا پکا شہر سے باہر بے شہر میں وار و منگروں موئے اور انفاس قدسیہ کی برکت سے یہ سرزمین اسلام کے نور سے نور ہوئی۔ بہت سے بندگان خدا دین توحید میں داخل ہوئے۔ ان بزرگ کے خاندان میں نسلا بعد نسل سندر جہ ذیل تحائف چلے آتے ہیں۔ میں نے ان کو دیکھا۔

جُتہ نبویہ صلعم۔ ایک غلات کے اندر اور سبکڑوں۔ رومالوں میں لپٹا ہوا رکھا ہوا تاریخی سند تو ہے نہیں۔ مگر بتایا جاتا ہے کہ یہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا جُتہ ہے۔ خود حضرت پیر جہانیاں کی کلاہ۔ انگوٹھی۔ اور تسبیح۔ پیر چراغ دہلی کا۔ پانچماہہ راجہ قتال کی لنگی۔ اور حضرت شیخ بہاؤ الدین ملتانی کا مصلیٰ۔ قرآن شریف بخط کوئی۔ کھادی پر لکھا ہوا قرآن شریف۔ ان دونوں مصاحف میں تاریخ تحریر درج نہیں ہے۔ نہ یہ

معلوم ہوتا ہے کہ کس نے لکھا۔

منگروں میں دو مسجدیں قابل ذکر دیکھیں۔ (۱) جامع مسجد۔ اندر کی چوڑائی ۲۵ قدم لبنائی ۱۶۴ قدم ہے اور ستون ۱۲۴ ہیں۔ باہر کا صحن ۴۰ قدم طویل اور ۹۰ قدم عریض ہے۔ صحن میں گنڈ اور باؤلی موجود ہے + اور اس کے ہر چار جانب ایک چھ کی عمارت ستونوں پر قائم ہے۔ مسجد میں کتبہ نہیں ہے۔ لیکن منگروں کے ریکارڈ روم سے یہ بتا ملا کہ یہ مسجد ۱۸۷۷ء میں بعد فیروز شاہ۔ آخر الدین آرام شاہ صوبہ دار کی کوشش سے تیار ہوئی ہے۔ یہ کیفیت طاہر عثمان جعفری نے لکھی ہے + (۲) خاص شہر میں ایک نہایت خوبصورت مسجد ہے۔ جو غالباً پہلے مندر تھا۔ اسی ریکارڈ روم میں ایک کتبہ حسب ذیل بلا جو منگروں کے دوبارہ فتح ہونے کا ہے۔

بعد از حمد ایزدیر حق در روز نامحدود رسول مطلق نشود اہل شہود باد کہ بعد فتح مخدوم سید سکندر در قلعہ قصبہ منگور مدت بشد مشعل اسلام روشن بود۔ رفتہ رفتہ در تصرف کفار و کین رفت۔ تا مدت دوازده سال اطوار ظلم چنان ساری بود نہ کہ اکثر جمہور سکندر و بفرار نہادند۔ انکھ نہ کہ بتایند آسانی در مسئلہ یازده صد و شصت سنہ ہجری نبوی میں حقیقی اکابران قصبہ منگور باسم ملک شہاب الدین و شیخ فخر الدین و بعض انوار ایشان تبارخ بخت و سویم رمضان المبارک روز یکشنبہ بوقت ظہر فتح کردہ بنا سے اسلام برپا نمودند۔ بقلم حافظ شیخ موسیٰ

یہاں کا دربار گڑھ قدیم ہے۔ گواب وہ رہائش کے قابل نہیں سمجھا گیا ہے شیخ صاحب منگروں زیادہ تر دانی باغ میں شہر کے باہر رہتے ہیں۔

شیخ جہانگیر سیاں صاحب۔ ۱۹ جون ۱۹۷۷ء کو اپنے برادر کلاں کی وفات کے بعد سند نشین ہوئے۔ اس وقت ۶۰ سال کی عمر ہے۔ نہایت سادہ مزاج۔ ایسا نہ تکلف سے بالکل بری منتظم۔ صاحب غم۔ اور بہت سی اعلیٰ صفات انسانیت سے متصف ہیں۔

آپ کی سند نشینی سے قبل ریاست زیر بار قرض تھی۔ آپ نے وہ قرض ادا کر دیا۔ ایک ہائی اسکول اور ایک شفا خانہ قائم کیا۔ تعلیم کے بڑی دلچسپی ہے۔ نہایت دیندار اور سچی خلق و ملتسار ہیں۔ اس بے تکلفی سے ملنے والا رئیس کم دیکھا۔ لوگ اُن پر ریسانہ فیاضی میں حصہ نہ لینے کا باندھنا پسند کرتے ہیں۔ مگر اصل یہ ہے کہ اُن کی ذات والاخلاق و اسراف و دلخوا عیوب سے پاک ہے۔ منظم اور کفایت شعار ضروری ہیں۔ اور یہ نہایت اچھی بات ہے۔ انشاء اللہ چار صاحب زادے اور پانچ لڑکیاں۔ نو اولاد ہیں۔ دونوں نہال ہوتار فرزند ولایت میں تعلیم پا رہے ہیں۔ اس سے زیادہ ایک رئیس کی بیدار دلی کا اور کیا ثبوت ہو گا۔ وسائل آمدنی بڑھانے کی فکر میں رہتے ہیں اور مسلمانوں کے لئے قانوناً شہر بخاری کو روک دیا ہے۔ منگروں ایک چھوٹا سا بندر ہے۔ اور ریاست کوئی بڑی ریاست نہیں مگر خوبی انجام سے آراستہ ہے۔

پور بندر ساحل سمندر پر واقع ہے۔ شریف بیدزادگان کی آبادی کثیر ہے مگر سب جاہل اور نا اہل۔ کوئی آثار ترقی اُن میں نہیں نظر آتے۔ مسلمانوں کی مالی اور اخلاقی دونوں حالتیں گہڑی ہوئی ہیں۔ ہندو بہت ترقی کر رہے ہیں۔ دولت کے سرچشمہ یعنی تجارت پر قابض ہیں۔ حالیشان عمارتیں بنوائی ہیں اور خوشحالی سے ہم نشین ہیں۔ جو ناگڈ ۵-۱۴۔ نومبر کو یہاں آیا۔ ڈاک بنگلہ میں ٹھہرا۔ قاضی احمد سیال صاحب اختر جو ناگڈ ہی سے ملنے گیا۔ اور بعد ملاقات ڈاک بنگلہ سے اسباب لا کر اُن کے مکان پر رکھ دیا۔ اور خود دستبلی کو چلا گیا۔

دستبلی میں ۲۵۔ ستمبر ۱۹۱۹ء سے ایک مدرسہ کھلا ہے۔ اسکی عمارت دو

لاکھ روپیہ سے کم کی نہیں۔ میں کمرے بڑے شاندار بنے ہیں۔ ۲۲۔ مدرس ہیں۔ گجراتی۔ اردو۔ قرآن۔ انگریزی وغیرہ کی معمولی تعلیم دی جاتی ہے۔ سیٹھ حاجی عبدالشکور عبدالغنی اور محمد ولی محمد ناگوری کے فرم کی خیرات سے چل رہا ہے۔ مگر خرچ کے مقابلہ میں تعلیم کچھ

بھی نہیں۔ ایک ہزار روپیہ ماہوار مدرسین کی تنخواہ ہے۔ پچاس روپیہ ماہوار شیرینی طلبہ کے لئے اور ڈھائی سو روپیہ ماہوار وظائف کے واسطے ملتے ہیں۔ محض ایک ہی فرم یہ خرچہ دے رہا ہے۔ اور اسکے علاوہ اب بھی فرم اپنی طرف سے یہاں ایک زنانہ مدرسہ اور ایک اسپتال کی شاندار عمارتیں بھی بنوا رہا ہے۔ مدرسہ میں پانسو دس طلبہ ہیں حاضری کا اوسط ۳۰۰ رہتا ہے۔ مسٹر عبدالغنی عثمان عطر والا اسکے ہیڈ ماسٹر ہیں۔ آپ نہایت قابل اور منظم ہیں۔ اور ہمس یہ ہے کہ یہ مدرسہ شوکت اسلام انھیں کے دم سے چل رہا ہے۔ مدرسہ میں ایک لائبریری بھی ہے، اس لائبریری میں دو اردو آٹھ گجراتی اور تین انگریزی اخبار آتے ہیں۔ عربی و فارسی کی ۲۸۰ گجراتی کی دوسو اور انگریزی کی ایک سو پچھن کتابیں ہیں، ایک قدیم اور خوبصورت جامع مسجد یہاں دیکھی۔ کتبہ گجراتی میں ہے۔ معلوم ہوا کہ مندرستہ مسجد بنی ہے۔ یہ مسجد سمیتک میں ناگہ سد ی تیرس کو بنی اور بانی کا نام تیرہ مل ہے، یہاں ایک مختصر سی لائبریری اور بھی ہے۔

۱۰۔ نوہر کو وسبتلی سے جو ناگڈہ واپس آیا۔ اور اپنے رہنے کے لئے مسجد چٹیا ناز کا ایک مکان کرایہ پر لیا اور کھانا پکانے کے واسطے ایک خادمہ لازم کھلی۔ جو ناگڈہ خطہ کا ٹھیکہ دار میں سب سے بڑی مسلمانوں کی ریاست ہے۔ مگر اس وقت یہاں تمام اعلیٰ عہدہ دار ہندو ہیں۔ اگر ایک مسلمان عہدہ دار ہیں بھی تو ان کا اثر اور اقتدار کیا۔ اور ہوتا کیونکر نہ اسکی قابلیت اور نہ اس طرف توجہ۔ ایک کوشنل سکریٹری ”سٹر بلنڈن“ انگریز ہیں۔ ریاست میں اگر انکی یہ حالت ہو گئی ہے کہ میرے خط کا جواب تک نہیں دیا۔ یورپ کی تہذیب کا خیال نہ فرمایا۔ نواب صاحب ہمارے نوجوان و نا تجربہ کار۔ قانونی حد بلوغ کو بھی نہیں پہنچے۔ ایڈمنسٹریز ریاست کے سیاہ و سفید کا مالک مطلق ہے۔ اور رئیس کو دنیا اور ریاست کے کاموں سے بے خبر

بنا رکھا ہے۔ نہ تعلیم سے بہرہ ور کیا جاتا ہے۔ اور نہ آئین حکمرانی کی تربیت دی جاتی ہے۔ نواب صاحب کے پرائیویٹ سکریٹری محمد بھائی صاحب رئیس کے ہم عمر اور مصداق بھی ہیں۔ نہ آپ اُردو جانتے ہیں اور نہ سکریٹری صاحب کو اُردو سے آشنائی۔ میرا کام یہاں کیا بن سکتا تھا۔ اُردو کا ایک برائے نام مدرسہ "مہابت مدرسہ" قائم ہے اس میں اردو زبان کی معراج ترقی انجمن حمایت الاسلام لاہور کی چوتھی کتاب ہے۔ گویا چوتھی جماعت تک اُردو کی تکمیل ہو جاتی ہے، میری آمد سے چار ہی ماہ قبل یہاں ایک اہم واقعہ یہ ہوا ہے کہ بہاؤ الدین کالج جو ناگدہ میں ہندوستان ہجرات اور سندھ کے ایک سو سے زائد مسلمان طلبہ و فقیہ یاب اور تعلیم حاصل کر رہے تھے چند سندھی مسلمان طلبہ نقلیل میں اپنے وطن کو گئے اور وہاں محض تاشائیوں کے طور پر خلافت کے جلسوں میں شریک ہوئے۔ سندھ کی پولیس نے ایجنٹ ریاست کو اس بات کی اطلاع دی۔ اور ایجنٹ نے ریاست کو مطلع کیا۔ ایجنٹ کی تحریر آتے ہی بلا کسی تحقیق و تامل کے تمام مسلمان و فقیہ خواہ طلبہ خارج از ریاست کر دیئے گئے۔ انہیں افضل خدا ایک مسلمان طالب علم بھی اس کالج میں نہیں رہا۔ صرف ہندو طلبہ دولت تعلیم ٹوٹ رہے ہیں۔ کالج کی عمارت میں دیوان صاحب اور سکریٹریٹ کے دفاتر ہیں۔ رئیس کو ان باتوں سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ تو گئی معشوق کی بھانجی کا رہی ہے پھر بھی رئیس مجھدا یا اسکے صلاح اندیش مسلمان عمدہ دایا عمائد ہوتے اور رئیس کو نیک مشورہ دیتے تو اتنا صریح ظلم کبھی نہ ہونے پاتا کہ خطا کا اور بے گناہ دونوں کو ایک ہی لاشی سے ہانک یا گیا۔ نواب صاحب کی بے خبری۔ نوجوانی کے مشاغل۔ بیفکری۔ شکار اور ٹھیکہ داری سے دل چسپی۔ اور اس سونے پر غیر تعلیم یافتہ اور پست فطرت مصاحبوں کا سماگم کیا۔ مگر تعلیم اور تعلیم یافتہ سے محبت و موانست پیدا ہونے لگا۔ اور اس حالت کا انجام کیا ہو گا۔ خدا سے پاک بہتری کی صورت نکالے اور انجام بخیر کرے۔

جونالڈہ میں کالج کے علاوہ چھ سات گجراتی کے مدارس۔ ایک انکلسن مڈل اور ایک ہائی اسکول۔ اور پانچ چھڑ نانہ مدارس گجراتی کے ہیں۔ مگر مسلمان لڑکیوں کے واسطے نہ کوئی مدرسہ ہے اور نہ انکی تعلیم کی کوئی فکر۔ مین برادری اپنی ضرورت کے مطابق اپنی تعلیم میں خود ہی کوشاں ہے۔ اور ریاست سے کوئی مدد نہیں لیتی۔ اور نیاں اسی برادری کے مسلمان اچھی حالت میں ہیں۔ ورنہ اور تمام مسلمانوں کی جامعیتیں عوام مسلمانا لکھنؤ کی ساتھی ہیں۔ افلاس نے خود غرضی طبع اور گداگری کی رذیل عادتوں میں مبتلا کر رکھا ہے۔ یا محنت و مزدوری سے پیٹ پال لیتے ہیں۔ اخلاق اور قومی حساس کا کیا ذکر۔ قاضی صاحبان۔ شرفار اور دیگر جاگیرداران کے طبقہ میں بیشتر بُندی۔ افیونی ہیں۔ فضول خرچی اور بے سلیقگی کی وجہ سے دریا قرض میں مستغرق ہو چکے ہیں تعلیم و تربیت کسی قسم کی نہیں۔ دو چار معمولی پڑھے لکھے مل گئے تو اس سے کیا ہوتا ہے خدا ہی رحم فرمائے۔

ریلوے اسٹیشن سے شہر میں جانے کا دروازہ اتنا شاندار بنا ہے کہ شہر کی عمارتوں کے عظیم الشان اور خوشنما ترین ہونیکے توقع دلاتا ہے۔ لیکن شہر میں ہینچر خاک ہی اڑتی نظر آتی ہے۔ چوک قدیم طرز کا ہے۔ تنگ اور کاواک۔ رئیس کے محلات چوک ہی میں ہیں اور وہ سب تقریباً خالی پڑے ہیں۔ جامع مسجد میٹیاک شاندار ہے۔ صاف اور عمدہ بنی ہے۔ جامع مسجد سے متصل دو خوبصورت مقبروں کی عمارتیں بہاؤ الدین اور رسول خاں جی کے مرقدوں پر بنی ہیں۔ یہاں کوئی خاص صنعت و معرفت بھی نہیں چیتا فنانہ کی مسجد بھی خوبصورت اور اچھے منظر پر واقع ہے۔ شہر سے باہر پہاڑی پر قلعہ گرنار۔ ہندوؤں کا نہایت مہرک مقام ہے۔ اس قلعہ کے اندر ایک شاندار مسجد بنی تھی جو اب منہدم ہو گئی ہے۔ اسی قلعہ میں جدید وارڈ کس کا خزانہ بنا ہے۔ جونالڈہ میں ایک صاحب بھی ایسے نہیں ملے جن سے مل کر دل خوش ہوا۔ ایک

اختر صاحب کا دم کچھ غنیمت تھا۔ مگر جس بیابانہ کے علم دوست اور قابل آدمیوں کا
 ملنا بچھ مرغوب ہے وہ بات کہاں اتفاق سے ایک عرب سیاح سید حسن صاحب
 کی لگنے۔ ان سے کچھ دل بہلتا تھا۔ اور انھیں کہ ہمراہ وراول اور پٹن کا سفر کیا۔
 وراول میں سیٹھا احمد عبداللطیف جوہری کے مدرسہ تقویت الاسلام میں مقیم
 ہوا۔ یہ مدرسہ سیٹھا احمد صاحب کے والد حاجی عبداللطیف بن علی اٹھی جوہری نے
 ۱۲۸۵ھ میں قائم کیا۔ ایک لاکھ ساٹھ ہزار روپیہ کی عمارت مدرسہ اور اسکے متعلقات
 کے لئے بنوائی۔ ۱۴ مکانات انخراجات مدرسہ کے لئے وقف ہیں جن سے آٹھ ہزار
 روپیہ سالانہ کی آمدنی ہوتی ہے۔ اصل غرض بناسے مدرسہ کی علوم عربیہ و دینیہ کی
 شاعت تھی۔ مگر اس تعلیم کا یہاں کسکو شوق ہے۔ مجبوراً وہی کاٹھنا دار کی عام تعلیم
 یہاں بھی رہی ہے۔ قرآن شریف۔ اردو۔ فارسی۔ گجراتی۔ اور حساب وغیرہ پڑھایا
 جاتا ہے۔ اس وقت خرچ سالانہ چار ہزار روپیہ ہے۔ طلبہ کو کتابیں بھی دیا جاتی ہیں۔ تین سو
 طلبہ زیر تعلیم ہیں۔ کتب خانہ میں مطبوعہ عربی کتابوں کا اچھا ذخیرہ ہے۔ کل ۳۴۹۔
 کتابیں ہیں۔ جامع مسجد کی عمارت قدیم اور اسکی بھی اصلیت مند رکھی جاتی ہے۔ شاید
 صحیح ہو۔ کتبہ پڑھا نہیں گیا۔

پٹن۔ یہ اہم تاریخی مقام ہے یہاں کی جامع مسجد تہجدہ "سومنات" کے قریب
 سے بنی ہے۔ اور زباں حال سے کہ رہی ہے:-

بہن راستہ تھانہ مراے شیخ کہ چوں خراب شود خانہ نہ اگرد
 اسکے سنگی ستونوں اور اسکی پتھر کی جالیوں میں صد ہا مورتیوں کی رینگ کردہ تصویریں
 موجود ہیں۔ اور بتا رہی ہیں کہ بت خانہ سومنات کی یادگار ہیں۔ تمام پتھروں پر ایسی
 باریک اور نازق نقاشی ہے کہ پتھر کو موم بنا دیا ہے۔ اتنا لطیف کام ہے کہ دیکھنے سے
 تعلق رکھتا ہے۔ یہ سب مندر کا سامان ہے۔ اور اسیں ۵۸ ستون ہیں۔ اکثر ستونوں

پر تصویریں بنی ہیں۔ انکی صورت ضرور بگاڑ دی گئی ہے لیکن فن کی یادگار کہاں سٹ سکتی ہے، اندرونِ مسجد ۵۳ قدم طول اور ۲۱ قدم عرض ہے اسی سے اسکی وسعت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

صنم خانہ سومات۔ کو بھی دیکھا۔ اب تک چار درجوں کے کھنڈر کھڑے ہیں۔ چٹنیں تو بکری لگی ہیں۔ اور دیواریں کہیں شکست ہوئی ہیں۔ عمارت کے اندرونی حصہ میں جو دیوار منہدم ہوتی ہے اُسے پھر بنا دیا جاتا ہے۔ میں ستون بھی قائم ہیں۔ سمندر کے کنارہ پر واقع ہے۔ مندر کیسا تھا۔ اسکا حال تاریخ بتا سکی۔ اسوقت جو حالت دیکھی وہ عرض کر دیگی۔ ہاں مندر ہی۔ نے بلہ سے سلطان محمود غزنوی ایک مختصر مسجد بنوا گئے تھے۔ مسجد چند سال قبل تک قائم تھی۔ ۱۳۳۵ء کے رمضان میں کاٹھیاواڑ ایک شدید طوفان آب کا آماجگاہ بنا۔ اسی طوفان میں یہ مسجد بھی ہوند زمین ہو گئی مشرق کی سمت مندر کے ترویٹی دروازہ سے باہر نکلنے پر ایک کُند لٹا ہے۔ اسیں جاتری اشنان کیا کرتے تھے۔ اب اسپر عید و میاں اور مجموعی میاں۔ دو مسلمان بزرگوں کے مزار بنے ہیں۔ یہ کُند ایک پہاڑ کی گھاٹی تک چلا گیا ہے۔ گھاٹی کے اندر پہاڑ کو کاٹ کر چھوٹے چھوٹے فار بنائے گئے ہیں۔ اسیں جو گیوں کا سیرا رہتا تھا۔ فتح سومات کے بعد مسلمان فقروں کا مسکن بنا ہو گا۔ غالباً مذکورہ بالا دونوں بزرگوں انھیں فاروں کے ساکنین میں سے تھے۔ اب انکے مزار ایک دوسرے سے تقریباً ایک فرلانگ کے فاصلہ پر واقع ہیں۔ یہاں عہد قدیم میں بہت سی عمارتیں بنی تھیں۔ اب اُنکے کھنڈر باقی رہ گئے ہیں۔ گنج شہیدان بہت بڑا ہے۔

اس جگہ سے دو فرلانگ آگے بڑھ کر تین ندیوں کا سنگم ہے۔ ہرن۔ کپلا۔ او۔ سرسوتی تین ندیاں سمندر سے انگ الگ نکلی اور اس سنگم پر آ کے باہم مل گئی ہیں۔ ہند واس سنگم کی بہت عظمت کرتے اور یہاں اشنان کے لئے آتے ہیں۔

دراول دروازہ ہے باہر اگر شہیدوں کی قبریں کئی برج میل تک بنی ہیں۔ ہزاروں قبریں ہوں گی۔ ان میں سے جس قبر کے متعلق عوام کو کچھ عقیدت ہو گئی ہے وہاں ایک مجاہد قابض ہو گیا ہے۔ دوسری کا مزار۔ ایک زیارت گاہ ہے۔ عام روایت کے رو سے یہ اُس ضعیفہ کا مزار ہے جس نے سلطان محمود غزنوی کو سومات کی فتح پر تادہ کیا۔ فقہ یہ کہا جاتا ہے کہ ہندو مند سومات پر مسلمانوں کی قربانی کرتے تھے۔ ایک مسلمان عورت جو تیلی کی بی بی اور ضعیفہ و بیوہ تھی۔ اسکے کئی بچے اسی طرح قربان کر دیئے گئے بڑھیا غزنوی پہنچی اور سلطان محمود سے فریاد کی۔ سلطان محمود حملہ آور ہوئے۔ یہ تاریخ کی ریڈا تو ہے نہیں۔ عوام کی وہم پستی ہے، جعفر اور مظفر۔ ایک چار دیواری کے اندر ایک ہی جگہ دو مزار بنے ہیں۔ یہاں بھی مجاہد صاحب موجود ہیں۔ مشہور ہے کہ یہ قلند سومات کے فاتح تھے۔ ان اطراف میں سب سے بزرگ جگہ اور عام زیارت گاہ حاجی صاحب منگلوری کا مزار ہے۔ اسکو عوام نے قبلہ حاجات بنا رکھا ہے۔ یہاں دو کتبے ملے۔ ایک پڑھائیں گیا۔ اور دوسرا حسب ذیل ہے:-

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال اللہ تعالیٰ سن چار باحسنة فله عشر اشالما۔ بنا کردہ اس نقش پر پیل پاسے روضہ متبرکہ زائر احرارین اشرفین بندگی حضرت بابا حاجی محمود منگلوری قدس سرہ بندہ کسینہ عبداللہ خاں بن عالی خاں بالی۔ فی الثانی عشر من شہر المحرم الحرام سنۃ ثلث و الف من ہجرة النبویۃ۔

دراول اچھا بندر گاہ ہے۔ یہاں بصرہ اور افریقہ وغیرہ سے بادیاں جہازات بکثرت آتے ہیں۔ جزیرہ ہمیش کے بت سے عرب یہاں ملے۔ وہ عربی و فارسی بخوبی بولتے ہیں۔

باتھوا۔ دراول سے جو ناگڈہ واپس آکر۔ باتھوا میں آیا۔ یہاں سین بھائیوں

کی آبادی زیادہ ہے۔ جغرافیہ وغیرہ بیرونی ممالک میں تجارت کرتے ہیں۔ ایک مدرسہ میں ہزار روپیہ کی عمارت کا ہے۔ مسجد بھی اچھی ہے۔ مدرسہ میں دو سولہ کے بڑھتے ہیں۔ لڑکیوں کا کھانا مدرسہ کوئی نہیں۔ یتیم خانہ حال میں بن رہا ہے۔ ۱۲۸ یتیم اس میں ہیں۔ کلب کے نمبر کا اہتمام کرتے ہیں۔ یہاں میں سلیمان ابراہیم صاحب کا سماں رہا۔

مانا واد۔ ہاتھو اسے موٹر پر مانا واد آیا۔ یہ تین لاکھ روپیہ سالانہ محاصل کی مختصر سی مسلمان ریاست ہے۔ بیگم صاحبہ والیہ ریاست میں۔ مسٹر جمیل الدین صاحب غوثی بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی۔ ریونیو کیشن نے نہایت لطف فرمایا۔ ان سے ملکر بہت مسرت ہوئی۔ اور جو ناگڈہ واپس گیا۔ راجکوٹ آیا۔ یہاں بورڈنگ ہوس میں مقیم ہوا۔ اس بورڈنگ میں ۱۲ مسلمان طلبہ رہتے ہیں۔ وہ مختلف سرکاری اسکولوں میں انگریزی و گجراتی کی تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ بورڈنگ میں انکو اردو اور قرآن شریف پڑھایا جاتا ہے۔ فیکلٹس سے ماہوار فیس طعام وغیرہ ہے۔ بورڈنگ کی ظاہری حالت بلحاظ انتظام اچھی ہے۔ تربیت کی کمی ہے۔ عمارت عمدہ ہے۔ سول اسٹیشن راجکوٹ کا بہت خوشنما ہے۔ وہاں یہاں لوگوں کا ایک مدرسہ ہے۔ سکریٹری اسکے منشی غلام محمد صاحب بیرسٹر ہیں۔ تعلیم معمولی ہوتی ہے۔ ایک یتیم خانہ قائم ہے۔ اسکے مہتمم ایک بغدادی شاہ صاحب اور سکریٹری منشی غلام محمد صاحب بیرسٹر ہیں۔ اس یتیم خانہ میں صحیح اسلامی تعلیم دی جاتی ہے۔ بہت اچھا کام ہو رہا ہے۔ اگرچہ مستقل آمدنی کی وجہ سے اسکے انتظام میں تردد ہے، ان تمام کاموں کے روح رواں سیٹھ نور محمد صاحب ہیں۔ اور منشی غلام محمد صاحب بیرسٹر کا ٹھکانہ دار ہیں ایک بچے بہادر قوم آدمی ہیں انکی ہمت قومی سود و سیود پر ہمیشہ مبذول رہتی ہے۔ راجکوٹ ریاست کے کاٹھیاوار کی یجنسی۔ راج کمار کلچ کا مقام۔ اور اسٹیٹ ریلوے کا جنکشن جام نگر۔ ۲۰۔ دسمبر کو راجکوٹ سے جام نگر آیا۔ منشی غلام محمد صاحب بیرسٹر

کی عنایت سے جام صاحب بہادر کا ہمان بنا۔ سیٹھ عبدالکیم درویش رنگونی۔ اور کریم خاں صاحب کی محبتوں نے اپنا بندہ کرم بنایا۔ بہت اچھے لوگ ہیں۔ جام نگر میں تیس چالیس مسجدیں ہیں۔ مگر ان میں سے عالیشان مسجدیں سب مسلمان طوائفوں کی تعمیر کی ہوئی ہیں۔ سابق جام صاحب نے ان طوائفوں کو اپنے محل میں داخل کر لیا تھا۔ دو مسجدیں بالکل نئی ہیں۔ رتن بائی کی مسجد ۱۲۹۲ھ میں اور فاطمہ بائی کی مسجد ۱۳۳۵ھ میں بنی ہے۔ عمارت عمدہ۔ منارے شاندار۔ کرسی بلند۔ اور خوب آراستہ ہیں۔ چوک میں قدیم جامع مسجد ہے۔ دھن بائی طوائف نے اسکی از سر نو مرمت کی ہے۔ یہ بھی جام صاحب کی مدخل تھی۔ اسکے متعلق ایک مکتب بھی ہے۔ عمارت اسکی وسیع ہے۔ بہت سی دکانیں اسکے نیچے بنی ہیں اور وہ سب مسجد کی ہیں۔ تیغ مسجد معظم حسب ذیل ہے:-

بسم اللہ الرحمن الرحیم
وَإِنَّ الْمَسَاجِدَ بَنَدُ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا ۝
بہمد شاہ اور نگ زیب فازی کہ عالمگیر شد نامش ز درگاہ
بصاحب یگی اندر ملک سوٹ فرستادہ امیر صاحب جاہ
براہ شرع قطب الدین محمد ظفر باداقرین و فتح ہمراہ
چو ملک جام و بھالافخ کردہ بنا فرمود ہر جا مسجد و چاہ
مرتب شد چو مسجد گفت ہاتھ بنا شد مسجد ہے چوں کعبۃ اللہ

شہر ذی الحجۃ ۱۲۸۵ھ باہتمام عمری خاں جوہان

جمال مدرسہ جام نگر ۱۹۰۳ء میں قائم ہوا۔ پچاس ہزار روپیہ کی عمارت جماعت میناں کی طرف سے بنی۔ مڈل کی جماعت تک انگریزی تعلیم ہے سٹرک کے زیر تعلیم ہیں مسلمان طلبہ کو منجانب جمال اسکالرشپ فنڈ سے ہر ماہ ہواز تک وظائف ملتے ہیں تعلیم مفت ہے۔ چوتھے پرائمری درجہ تک بحرانی۔ اور موملی اردو

اور قرآن کی بھی تعلیم دی جاتی ہے۔ کل طلبہ ۳۲۰ ہیں اور مدرسے میں ۳ لڑکیوں کا مدرسہ الگ ہے۔ اس میں ۲۴۰ طالبات ہیں۔ قرآن کریم۔ اردو۔ اور گجراتی تیسری جماعت تک پڑائی جاتی ہے، ڈھائی ہزار روپیہ سالانہ اسکا پنچ ہے اور یہ محل پنچ جمال برادر صاحب دے رہے ہیں + لائبریری نام کے لئے ہے۔ ہر قسم کی کل ۵۷ کتابیں ایک شکستہ لائبریری میں رکھی ہیں۔ بلیرڈ روم ہے۔ اور تھوڑی دیر سنسی مذاق کا لطف رہتا ہے۔

کاٹھیاوار میں جانگر نہایت خوبصورت شہر ہے۔ آبادی نصف مسلمانوں کی ہے۔ انہیں میمن۔ شیعہ اور سنی۔ بورے۔ خوب ہے۔ دیگر جماعتیں شامل ہیں۔ ملاطہ ہسپتال کا صاحب کے اجداد کا قدیم اور پہلا مکان اسی شہر میں ہے۔ یہ نہایت وسیع حویلی ہے اور ابھی موجود ہے + جمال برادر (مرحوم) رنگوں کے نامور تاجر ہیں کے رہنے والے ہیں۔ اور ملا داؤد مدنی وکی بھی ہیں کے نامور باشندے ہیں۔

جام نگر سے اس سفر کو ختم کرتا ہوا اور ننگ آباد چلا آیا۔ اور وہاں سے بھلسہ کو گیا ایک ماہ بھلسہ میں گھر پر قیام رہا۔ یہاں مدرسہ اسلامیہ چل رہا ہے۔ مگر اسکے لئے مستقل امداد بہم کرنے کی فکر ہے۔ پانچ سترہ کے آغاز میں بھوپال کے دربار سے ماحاصل کرنے کی خواہش بھوپال سے لی گئی۔ وسط پانچ میں ۱۶ تاریخ کو سرکار عالیہ بھوپال کے حضور میں درخواست امداد پیش کی اور نتیجہ کار ساز حقیقی کے سپرد کر کے ۱۷ پانچ کو اجین چلا آیا

اجین۔ ہندوؤں کا قدیم شہر۔ ملک مالوہ کا مرکزی مقام۔ مسلمانوں کے عہد حکومت میں حاکم نشین جبکہ اب مسارج گوالیار کے زیر نگیں ہے۔ اس میں بہت سی مسلمانوں کی یاد گاریں پائی جاتی ہیں۔ مسلمانوں کی آبادی بھی معتد بہ ہے۔ میں یہاں اگر محمد تقی صاحب وکیل کا مکان ہوا۔ آپ اسلامی درد دل میں رکھتے ہیں۔ جامع مسجد میں کی اندر نور مست کی ہے۔ اور اس کام میں بڑی زحمت اٹھائی ہے۔ ۳۵ لاکھ میں اسکو

کمل کر کے بالکل نئی بنادیا۔ جزاء اللہ۔

یہاں ایک قدیم بے بنو کی مسجد ہے حالت ابتر شدہ کی تعمیر غیر آباد ہے شہر کے باہر ندی کے کنارہ پر اسیر شکیب کی مسجد واقع ہے۔ یہ انجین کے صوبہ دار تھے۔ کتبہ پڑھ نہ سکا۔ اسی مسجد کے پاس ایک ٹوٹا ہوا مقبرہ دیکھا۔ بیگم کا مقبرہ مشہور ہے۔ اس پر قطعہ تاریخ کندہ ہے۔ اچھی طرح نہیں پڑا گیا۔ جس قدر بخوبی پڑا وہ حسب ذیل ہے:-

معدن فضل و کرم مختار خاں	 (نہیں پڑ سکا)
آں سہی سرو ریاض مرقضی	آں گلستان خیر المرسلین
آسمان قدرے کہ مہر دولتش	کرد روشن سر بسر رو زمین
ریخت چوں فردوس رنگ رضی	گلشن بے مثل بر روے زمین
ہر گلشن رشک بہار جنت است	بلبلانش در ترحم ہم تسریں
در طراوت رشک گلزار ارام	از صفا آرام گاہ حور عین
می تراود از زبان ہر گیاه	ذکر طبتم فادخلو با خالین
شد رقم تاریخش از کلب سخن	 (نہیں پڑ سکا)

اب یہ بالکل شکستہ ہے چند سال میں پوند خاک ہو جائیگا۔ انجین سے تین کوس پر ایک مقام کا لاڈیہ ہے۔ یہاں ندی کے اندر نہایت عالیشان عمدہ پتھر کی عمارت بنی ہے۔ ندی کو جابجا کاٹ کر حوض بنائے ہیں۔ ایک سے دوسرے حوض میں پانی جاتا رہتا ہے۔ بانی اور تاریخ تعمیر کا کچھ پتا نہیں چلتا۔ دو مقامات پر الگ الگ دو تاریخی قطعہ درج ہیں جنکی نقل کرتا ہوں۔ صحیح طور سے پڑھے نہیں گئے۔ اسکے علاوہ ندی کے بالکل کنارہ پر بلند ندی کے اوپر ایک شاندار محل نہایت وسیع بنا ہے۔ اسکی حال میں راج و راجہ کی طرف سے پوری مرمت اور درستی ہوئی ہے۔ بجلی کی روشنی کا سامان اس میں کیا گیا ہے۔ یہ راج محل بنایا گیا ہے۔ مذکورہ تاریخی کتبہ حسب ذیل ہیں:-

(۱) بتاریخ مسلمہ الہی موافق سن ۷۷۰ھ کہ حضرت خلافت پناہ ظل اللہ علیہ الدین محمد اکبر بادشاہ ملک دکن و خاندیش را تقویٰ فیض نمودہ مراجعت فرمودہ (بگڑا ہے) بحرہ فتح خاندیش و دکن چوں کہ دشاہ عازم (بگڑا ہوا ہے) رودسکہ مجبور شد یک شب درینجا قیام کردہ عازم لاہور شد۔
(۲) یہ رباعی کندہ ہے:-

”بحکم شاہ جہاں ساخت اس و ننگہ سن بعد جہانگیر شاہ اکبر شاہ
ہشت روئے زین یافت عقل ناخیش کہ سواران جہاں رست نثر از نخواستہ
یہ نہایت پر لطف مقام ہے، اُجین مانوہ کی منڈی ہے۔ آبادی بڑھتی جاتی ہے
بستی کی رونق رو بہ ترقی ہے۔ مسلمانوں میں بوسے بہت زیادہ آباد اور مالدار ہیں۔ دیگر
مسلمان نہایت خراب حالت میں ہیں۔ نہ مسلمانوں کا کوئی مدرسہ ہے۔ نہ انکو تعلیم کا
ذوق۔ بالکل اس سے بیگانہ ہیں۔ اخلاق پست۔ افلاس غالب اور عیوب جہالت
سے بھرپور۔ باہر کے چند مسلمان جو بسلسلہ ملازمت یہاں رہتے ہیں انکے اخلاق و
اطوار بھی اکثر پست اور اس قابل نہیں کہ اپنے در ماندہ بھائیوں کی نیکی کریں۔ فسوس
احمد نگر دکن۔ ۱۸۔ اگست ۱۹۲۲ء کو احمد نگر دکن میں آنا ہوا۔ اسٹیشن کے
ڈاک بنگلہ میں قیام کیا ہے۔ دوسرے دن بخارا گیا۔ ڈاکٹر ماتھر صاحب معالج ہیں۔
کئی دن بعد طبیعت صاف ہوئی۔ دل بہلانے کے لئے آثار قدیمہ کی زیارت کو گیا۔
اورنگ زیب کا مقبرہ۔ مملکت خاں کا محل۔ ٹوٹا ہوا قلعہ۔ قصر بہشت۔ اور
فرحت بلخ۔ شاہی زمانہ کی عمارتیں دیکھیں۔ کتبہ کیس نہیں پایا۔ شہر کے اندر دو بوٹ
چھیرے مسجد۔ سرچش سوانی خاں عرف عزیز الملک کا روضہ۔ انکی مسجد۔ اور محل۔ دیکھا
آب اس محل میں مصفی کی عدالت ہے۔ چنگیز خاں کا محل صاحبین ج کی کچری ہے۔ کتبہ پایا۔
مگر اس قدر نسخہ کہ پڑھانیں جاسکا۔

اور نگ زیب کی ساتھ جامع مسجد تین درجہ کی عمارت ہے ہر درجہ میں چار چار ستون
میں۔ دیوار کے ستون اس کے علاوہ ہیں۔ ہر ایک ستون کے مابین دس قدم کا فاصلہ ہے
اور تینوں درجوں کا مجموعی عرض ایک سو قدم ہے۔ خالص پتھر کی عمارت ہے۔ احمد نگر میں بھی
واٹر ورکس کا پڑانا سسٹم موجود تھا۔ مگر اس سال سے اسکو بند کر دیا گیا ہے۔

فرہاد خاں کا محل اور اسکی مسجد دیکھی۔ مسجد میں سبیل کتبہ تاریخ ہے۔

در عہد شاہ عادل و کامل نظام شاہ فرہاد خاں کہ ہست نہاں چلے کہیں

بانی مسجد شد و از فیض لطف شاہ اتمام داد بہر عبادت مومنین

ثابت چو بود و رہ وین نبی و آل تاریخ ایں بنا بطلب از نبات لیا

فرہاد خاں کی قبر اسی مسجد کے اعاط میں ہے۔ اور اطراف مسجد کے محجروں میں مسلمانوں

نے اپنی تیم خانہ قائم کر رکھا ہے۔ دس تیم اس میں ہیں۔

دو دھیا مسجد کی عمارت میں ہندوؤں کا کتب خانہ ہے۔ پچاس سال ہوئے

یہاں کے ایک قاضی صاحب نے یہ کتب خانہ قائم کیا تھا اور ہندوؤں کو بخش دیا۔

ان کے قبضہ میں ہے

سنہری مسجد۔ سول ہسپتال کے اعاط میں آگئی۔ اب اسکو دو منزلہ عمارت بنوا کر

اسسٹنٹ سرجن کے رہنے کا مکان بنا دیا گیا ہے۔ اسی طرح احمد نگر کی چھاؤنی میں

کئی مسجدیں اور خانقاہیں ضروریات فوج کی عمارتوں میں تبدیل ہو گئی ہیں۔

فاحشوہ وایا اولی کلا بصاکر

تمت بانخیر

ذکر خیر البشتر

عاشق رسول جاجی منظر علیہ الصغریٰ ردو لوی مرحوم کے مجموعہ ذکر میلاد شریف و فضائل و شمائل و معجزات و تعلیمات حضور سرور کائنات محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی اشاعت کا سامان ہو رہا ہے۔ لیکن چونکہ کتاب ضخیم اور بڑی ہے اس لئے ایک ہی جلدیں شائع کرنا دیر طلب ہے۔ ارادہ یہ ہے کہ مختلف حصص الگ الگ رسالہ کی شکل میں شائع کئے جائیں۔ اسلئے حسب ذیل طریقہ اختیار کیا جاتا ہے:-

(۱) ہر ایک حصہ ”ذکر خیر البشتر“ کے عنوان سے ایک رسالہ کے طور پر چھپوایا جائے۔ اور اُس رسالہ کا خاص نام اُس پر درج ہو۔

(۲) ہر سال ایسے چار رسالے نکل جایا کریں جنکی قیمت فی رسالہ ایک روپیہ ہو۔

(۳) مجموعی سالانہ چندہ مع محصول ڈاک وغیرہ صرف تین روپیہ جو پیشگی آنا چاہئے۔

(۴) دو سو مستقل معاونین کی رقم اعانت آجائے پرنشانیہ رسالہ کی اشاعت شروع کر دی جائے گی۔

(۵) ہر سالہ دو ماہ کے بعد اور تین ماہ کے اندر شائع ہوتا رہے گا۔

(۶) رقم اعانت نقد پیشگی آنا ضروری ہے۔ قیمت طلب پارسل ارسال نہ ہو گا۔ اور نہ صرف درخواست یا اجازت پر اعتماد ہو سکتا ہے۔

(۷) دو سو معاونین جو پیشگی نقد قیمت عطا کریں گے ان کو شکریہ کے طور پر اسی تین روپیہ میں جملہ رسائل جنکی تعداد چھ یا سات ہے پیش ہونگے۔ دوسو کے بعد کوئی خریداری کا نمبر اس رعایت سے مستفید نہ ہو سکے گا۔

درخواستیں آخر جون ۱۹۲۵ء تک آجائیں۔

لس

محمد حلیم انصاری امام مسلمان بورڈنگ ہاؤس یونیورسٹی
الہ آباد

اکسیر بوا سیر خونی ہویا ہاوی

اس اکسیر سے پورا نفع ہو رہا ہے۔ تجارت منظور نہیں اطلاق کی غرض نفع رسانی
خلق ہے۔ انشاء اللہ سات ورنہ چودہ خوراک کمال نفع کے لئے کافی ہیں۔ شکایت
پھر کبھی عود نہیں کرتی۔ سات خوراک کی قیمت مع محصول ڈاک وغیرہ ایک روپیہ ہے
قیمت پیشگی آنا چاہئے ورنہ تعمیل حکم غیر ممکن ہے۔ قیمت طلب پارسل نہ ارسال ہوگا۔
المشہر

محمد حلیم انصاری
امام مسلمان بوراڈنگ ہاؤس یونیورسٹی
الہ آباد

مطبوعہ کونکم پیس لائبریری نزد کوٹوالی قییم
بابہ تمام میر قدرت اللہ پرنٹرز

